

خدا

میں

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM



ہر گھر کے لیے

ماہنامہ
خدا

جلد: 36 شمارہ: 8

اگست 2014

قیمت: 60 روپے

مدیر اعلیٰ : سر دار محمد حمود

مدیر : سر دار جاناہر محمد حمود

نائب مدیران : تسنیم جاناہر

ارم حنا ارق

ربیعہ شہزاد

عائسہ راشد

مدیرہ خنسی : فوزیہ شفیق

قانونی مشیر : سر دار طارق محمد حمود

(ہیڈ کوارٹر)

آرٹ اینڈ ڈیزائن : کاشف گوریجاہ

اشتہارات : خالدہ جیلانی

0300-2447249

برائے لاہور : افراغلی نازشر

0300-4214400



بندہ المرحوم



تم آخری جزیرہ ہو ام مریم 28

اک جہاں اور ہے سدرۃ المنتہی 146



سوقی مسیم جباری 7

جوش ہمنوی 7

پیار نبی کی پیاری باتیں سید اختر ناز 8



گواہ رفاقتوں کا صبا جاوید 54



محبت بنا کچھ درکار نہیں ابن انشا 12



سر پرانز عزیز خالد 85

تم ملو تو عید ہو تاراؤ 109



یادیں سنبھال رکھتے ہیں نوریہ شفیق 13



عید سر پرانز قرۃ العین رائے 137

محبت زندگی کا استعارہ تہہ افغان 184

گاسد دل سندس نہیں 168

عید سے پہلے روینہ سعید 88

لغزش سیمابہت ماسم 220

پت جھڑ سنگ بہار میر عثمان گل 116

تیرے بنا عید کیا حسین اختر 198

سرور اعلیٰ ہر محمود نے نواز پر خٹک پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سر کلر روڈ 11 جہان آباد لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت دفتر کیل زر کا پتہ: **ماہنامہ حنا** ایڈیٹر محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سر کلر روڈ
اروہہ قراول لاہور فون: 042-37310797, 042-37321690 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

عید مبارک



- 230 کتاب نگر سے بی بی کرن
237 حاصل مطالعہ قریم پور
240 بیانس تنہا پور
243 رنگ حنا بقیس بھٹی
248 میری ڈائری سے ساندھو
227 چٹکیاں شہزادہ شاہ
246 حنا کی محفل مین مین
251 حنا کا دسترخوان افراج طارق
254 کس قیامت کے یہ نامے نور پشیق
235 مہندی کے ڈیزائن اوارو

☆☆☆

اختیار و آزادی نامہ نامہ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ جیسا کہ تحریر کی اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کاپی،
تبادل یا حوالہ کسی بھی انداز سے نہ کیا جاسکتا ہے۔ اور نہ کسی فی وی پی پی پی یا دیگر ذرائع سے
مطلوع وارت کے طور پر کسی بھی شکل میں نقل کیا جاسکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

کھڑکی کا دھڑکا

کارمین ٹرام 1 اگست 2014 کا شمار بطور عید فخر پیش ہے۔

اسرائیل نے غزہ کی پٹی میں مظلوم فلسطینیوں پر ظلم کے جو پہاڑ توڑ ڈالے ہیں اور اس طرف سے گندہ شہریوں کو شہید کر رہا ہے۔ اس نے عالم اسلام کی اس میدان کو بوزنگ کر دیا ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان، مسیبت کی اس گھڑی میں اپنے فلسطینی بھائیوں کے ساتھ ہیں، مگر قوم متحدہ، انسانی حقوق کی طہیر دار تنظیموں اور اہل مغرب کا اجتماعی ضمیر اس ظلم کے خلاف کوئی آواز بلند نہیں کر رہا۔ مفہوم صحت ہے کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جب ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔

لیکن امت مسلمہ خود اس قدر منتشر اور منقسم ہے کہ مستقبل قریب میں اس کے یکجا ہونے کے امکانات معدوم ہیں۔ تمام اسلامی ممالک اپنے اپنے مسائل میں الجھے ہوئے ہیں۔ عالمی سامراج نے انہیں ایک دوسرے کا حلیف بنائی ہوئے حریف بنا دیا ہے۔

اسلامی ممالک کی آرگنائزیشن سے امید تھی کہ وہ اس معاملے میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے مسلمان ممالک کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرے گی۔ مگر اب وہ ایک غیر فعال تنظیم بن گئی ہے۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سرکاری نہیں تو غیر سرکاری سطح پر باجماع مسلم تنظیموں کا کوئی نو درمہ لایا جائے جو عالمی ضمیر کو بیدار کرنے کے لیے موثر اقدامات کرے تاکہ پوری دنیا کے باشندوں انسان اس ظلم کو روکنے کے لئے اٹھتے ہو کر عالمی طاقتوں پر مسلط فلسطینیوں کے مستقل حل کے لیے باؤ ڈالیں۔

اس شمارے میں صبا جاوید کا ناول، روبینہ سعید، امیر اکمل، سندس جیسے معروف قلمیین اختر کے نامت عز و خالد، بہار اویقر، قاضی راضی، امیر اکمل اور سیما بخت ماسم کے افسانے، ام مریم اور سحر قاضی کی کہانی کے سلسلے وارٹاؤلوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

عید نمبر 2 سہاس گل، مسباح نوشین، عائشہ ماز، مرثا احمد، فرح جاوید، مکیں کران، شمیمہ بیٹ اور خالدہ شاہ کی تحریری ریمو سے موصول ہوئیں جس کی بنیاد عید نمبر 1 میں شائع شدہ مکیں، ماز، مرثا، فرح، جاوید، مکیں، کران، شمیمہ بیٹ اور خالدہ شاہ کی تمام تصانیف کی تحریریں شائع ہوں گی۔

آپ کی آرا کا غلط

مرداد محمود



ہم کو جو کچھ خدا سے ملتا ہے
دست خیر لودہائی سے ملتا ہے
جس کو ایمان لوگ کہتے ہیں
الک مصطفیٰ سے ملتا ہے
ہر بھلائی کا راستہ ہم کو
آپ کے نقش پا سے ملتا ہے
آدمی کو مقام قرب خدا
ورد صلے علی سے ملتا ہے
اس کو ملتا ہے لوح لافانی
جو جیب خدا سے ملتا ہے
سیرت مصطفیٰ میں اے اہل
حسن خلق ابتدا سے ملتا ہے

انجاء رحمانی



گھٹن میں ہر جگہ تیرا رنگ بھل دیکھا
ہر روپ ہر طرح سے تیرا بے مثل دیکھا
تو فسوفشاں ہے چاند ستاروں میں رات کو
نور شید میں درخش تجھے ذوالجلال دیکھا
تھ کو تو اس گھڑی بھی پکارا ہے اللہ
جب بھی غم زلی سے برا اپنا حل دیکھا
دیا کرم کا جوش میں چھلکے ہے ہر طرف
پھیلا ہوا جو تو نے بھی دست سوال دیکھا
فلت پہ تیری نکتہ وہیں ایمان ہو گیا
پھر میں جب کرم کو بھی فیض کمال دیکھا
سرب نے جب حرم کے موتی لٹائے ہیں
وہ رحمتوں کا اس پہ کھلا ہے مثل دیکھا

تویر پھول

ماہنامہ حنا (7) اگست 2014



مسجد حرام اور مسجد نبویؐ میں نماز کی فضیلت

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”میری اس مسجد میں ایک نماز، مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے افضل ہے۔“
فوائد و مسائل:-

دنیا میں سب سے افضل مسجدیں تین ہیں، مسجد حرام جس کے اندر خانہ کعبہ ہے، مسجد نبویؐ اور مسجد اقصیٰ، اس لئے ان تینوں مسجدوں کی زیارت کے لئے اور وہاں عبادت کی نیت سے سفر کرنا جائز اور ثواب کا کام ہے، ان کے علاوہ کسی بھی مقام، مسجد، حجاز وغیرہ کی طرف اس نیت سے سفر کر کے جانا جائز نہیں کہ وہاں عبادت کا ثواب زیادہ ہو گا کیونکہ قبرستان میں تو نماز پڑھنا منع ہے اور دوسری تمام مساجد کا ثواب برابر ہے، لہذا سفر کا فائدہ نہیں، البتہ مسجد قباء کی فضیلت بھی دیگر احادیث سے ثابت ہے، اس لئے یہ چوٹی مسجد ہے جس کی مدینے میں ہوتے ہوئے زیارت کے لئے جانا مستحب ہے۔

مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب ایک ہزار نماز کے برابر ملے، اس لئے جب مدینہ شریف جانے کا موقع ملے تو زیادہ سے زیادہ نمازیں مسجد نبویؐ میں باجماعت ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اس میں چالیس نمازیں پوری کرنے کی شرط نہیں۔

بعض روایات میں مسجد نبویؐ میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر آیا ہے، مثلاً

سنن ابن ماجہ حدیث: 1413 لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

بیت المقدس کی مسجد میں نماز کا بیان

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ خاتون حضرت میمونہ بنت سعدؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، میں نے عرض کیا۔
”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمیں بیت المقدس کے بارے میں مسئلہ بتا دیجئے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
”وہ حشر شرکی سرزمین ہے، وہاں جا کر نماز پڑھا کرو کیونکہ اس جگہ میں ایک نماز پڑھنا کسی اور جگہ ہزار نمازیں پڑھنے کی طرح ہے۔“
میں نے عرض کیا۔

”یہ فرمائیے کہ اگر مجھے سفر کر کے وہاں جانے کی طاقت نہ ہو؟“ (تو کیا کروں؟) فرمایا۔

”اس مسجد کے لئے تیل بھیج دو جس سے اس میں چراغ جلائے جائیں جس نے یہ کام کیا، وہ بھی ایسے ہی ہے جیسے وہ شخص جو (زیارت کے لئے) وہاں گیا۔“

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”جب حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اللہ سے تین چیزیں مانگیں۔

”ایسا فیصلہ جو اللہ کے فیصلے کے مطابق ہو۔“

(مسجد نبوی) اور مسجد اقصیٰ۔

فائدہ۔

کسی اور مسجد، قبر، پہاڑ یا غار وغیرہ کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا زیارت کے لئے جانا ممنوع ہے، صرف یہ تین مساجد ایسی ہیں جن کی طرف ثواب کی نیت سے سفر کرنا جائز ہے، حجاج کرام کو چاہیے کہ جب مکہ سے مدینہ جائیں تو نیت مسجد نبوی کی ہونی چاہیے نہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی، کیونکہ قبر کی نیت سے سفر کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”کجاوے کس کر سفر کیا جائے مگر تین مسجدوں کی طرف، مسجد حرام کی طرف، مسجد اقصیٰ کی طرف اور میری اس مسجد کی طرف۔“

فائدہ۔

زیارت کے لئے سفر صرف ان تین مساجد کی طرف جائز ہے، اس کے علاوہ کسی جائز مقصد کے لئے سفر کر کے کسی بھی مقام پر جانا جائز ہے، مثلاً حصول علم کے لئے جہاد کے لئے علماء و صلحاء سے ملاقات کے لئے اقارب اور احباب سے ملاقات کے لئے یا تجارت اور ملازمت کے لئے اسی طرح جو شخص مدینہ میں موجود ہے تو وہ مسجد قباء میں جائے تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ یہ سفر نہیں۔

مسجد قباء میں نماز کی فضیلت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی حضرت اسد بن ظہیر انصاری سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”مسجد قباء میں ایک نماز ایک عمرے کے برابر ہے۔“

فوائد و مسائل:-

مسجد قباء وہ مسجد ہے جو ہجرت کے بعد سب

”ایسی بادشاہت جو ان کے بعد کسی کے

شایان شدہ ہو۔“

”جو شخص بھی اس مسجد میں صرف نماز کی نیت سے آئے وہ گناہوں سے اسی طرح پاک صاف ہو جائے جس طرح اس دن (گناہوں سے پاک) تھا جب اسے اس کی ماں نے جنم دیا تھا۔“

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”دو چیزیں تو انہیں مل چکیں اور مجھے امید ہے کہ تیسری بھی مل ہی گئی ہے۔“

فوائد و مسائل:-

اللہ کے فیصلے کے مطابق کا مطلب یہ ہے کہ انہیں صحیح فیصلے کرنے کی توفیق ملے اور ان سے اجتہاد کی غلطی نہ ہو۔

پہلی دو درخواستوں کی قبولیت قرآن میں مذکور ہے، ارشاد ہے، ترجمہ:- ”ہم نے اسے حکمت دی اور بات کا فیصلہ کرنا۔“ نیز ارشاد ہے۔ ترجمہ:- ”انہوں نے کہا، اے میرے رب! مجھے بخش دے اور مجھے ایسی بادشاہت عطا فرما جو میرے سوا کسی کے لائق نہ ہو، بلاشبہ تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے، چنانچہ ہم نے ہوا کو ان کے ماتحت کر دیا، وہ ان کے حکم سے جہاں وہ چاہے، نرمی سے پہنچا دیا کرتی تھی اور ہر عمارت بنانے والے غوطہ خور شیطین (جنات) کو بھی (ان کے ماتحت کر دیا)، اور دوسرے (جنات) کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔“

اس حدیث میں بیت المقدس کی زیارت اور وہاں نماز پڑھنے کی فضیلت کا بیان ہے۔

ثواب کی نیت

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

”کجاوے کس کر صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کیا جاسکتا ہے، مسجد حرام، میری یہ مسجد

ماہنامہ: () () اگست 2014

تاکہ لوگ آپ کی طرف متوجہ ہو سکیں اور آپ کا خطبہ (اچھی طرح) سن سکیں؟
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"ہاں۔"

اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (منبر کے) تختہ درجے بنا دیے، وہی (تین میٹر حیاں) اب (موجود) منبر کا سب سے بالائی حصہ ہے۔

جب منبر تیار ہو گیا تو صحابہ کرام نے اسے اسی مقام پر رکھا جہاں وہ اب ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں منبر پر جانے لگے تو اس تختے کے پاس سے گزرے جس سے ٹیک لگا خطبہ دیا کرتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے آگے بڑھے تو وہ زور زور سے رونے لگا حتیٰ کہ (شدت غم سے) اس کی آواز پھٹ گئی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جئے (کے رونے) کی آواز سنی تو (منبر سے) نیچے تشریف لے آئے، اس (تختے) پر ہاتھ پھیرتے رہے حتیٰ کہ وہ خاموش ہو گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر منبر پر تشریف لے گئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز پڑھتے تھے تو اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، جب مسجد نبوی کو (دوبارہ تعمیر کرنے کے لئے) مہندم کیا گیا اور مسجد کی عمارت میں تہہ بلی (اور توسیع) کی گئی تو وہ تاح حضرت ابی بن کعبؓ نے لے لیا، وہ ان کے پاس ان کے گھر ہی میں رہا، حتیٰ کہ بہت پرانا ہو گیا پھر اسے دیوےک نے کھالیا اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔

نوائد مسائل:-

خطبہ کھڑے ہو کر دینا مسنون خطبہ منبر پر دینا چاہیے۔

بڑھتی کا پیشہ ایک جائز پیشہ ہے۔

سے پہلے تعمیر ہوئی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچنے سے پہلے چند روز قبا تشریف فرما رہے اور وہاں مسجد کی بنیاد رکھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت میں ایک بار وہاں جا کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

مدینہ میں قیام کے دوران میں مسجد قبا کی زیارت کے لئے جانا چاہیے تاکہ عمرے کا ثواب حاصل ہو اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کا ثواب بھی مل جائے۔

جامع مسجد میں نماز کا ثواب

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"آرمی کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کے برابر ہے اور اس کا قبیلے (یا محلے) کی مسجد میں نماز پڑھنا پچاس نمازوں کے برابر ہے اور جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں نماز پڑھنا ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔"

سب سے پہلے منبر کیسے بننا؟

حضرت ابی بن کعبؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔
جب مسجد نبوی ایک پچھری صورت میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجبور کے ایک تنے کی طرف (منہ کر کے) نماز پڑھا کرتے تھے اور اسی تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے، ایک صحابی نے عرض کیا۔

"کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کوئی ایسی چیز نہ بنا دیں جس پر آپ جمعہ کے دن (خطبہ دینے کے لئے) کھڑے ہوا کریں

ماہنامہ حنا (۱۱) اگست 2014

اب اتباع اور محبت کا تقاضا ہے کہ اس نیکی میں آخر تک ساتھ دیا جائے، اس لئے بیٹھ جانے کو انہوں نے برا سمجھا کہ یہ محبت کے تقاضے کے خلاف ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیام فرمایا، حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوچ گئے، عرض کیا گیا۔

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اللہ نے آپ کے قوائے جھیلے گناہ معاف کر دیے ہیں (پھر آپ اتنی مشقت کیوں کرتے ہیں؟)“

فرمایا۔
”کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟“
قوائد و مسائل:-

مغیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ کوئی گناہ سرزد ہو جائے گا تو اس کو پہلے سے معاف کرنے کا اعلان کر دیا گیا، اس سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند مقام کا اظہار ہے یا ”گناہ“ سے مراد وہ اعمال ہو سکتے ہیں جہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی تعلیم کی بنا پر افضل کام کو چھوڑ کر دوسرا جائز کام اختیار فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اعلا مقام دے تو اسے چاہیے کہ شکر کا زیادہ اہتمام کرے۔
شکر کا بہترین طریقہ عبادت میں محنت کرنا ہے، خصوصاً نماز اور تلاوت قرآن مجید میں، نماز تہجد میں یہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔



نماز باجماعت میں امام اگر مقتدیوں سے بلند مقام پر ہو تو کوئی حرج نہیں۔

نماز کے دوران کسی ضرورت سے پیچھے ہٹنے یا آگے بڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔
منبر پر کھڑے ہو کر جماعت کرانے کا مقصد یہ تھا کہ لوگ اچھی طرح نماز کا طریقہ دیکھ اور سمجھ لیں۔

نماز میں لمبا قیام کرنے کا بیان

حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا۔

”ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز (تہجد) پڑھی، آپ اتنا عرصہ کھڑے رہے کہ میں نے ایک بڑے کام کا ارادہ کر لیا، (ابو داؤد) فرماتے ہیں۔

میں نے کہا۔

”وہ کون سا کام تھا؟“

فرمایا۔

”میں نے ارادہ کیا کہ میں بیٹھ جاؤں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھڑا رہنے دوں۔“

قوائد و مسائل:-

نماز تہجد باجماعت جائز ہے نماز تہجد میں طویل قرأت افضل ہے
شاگردوں کو تربیت دینے کے لئے ان سے مشکل کام کروانا جائز ہے، اگرچہ اس میں مشقت ہو۔

استاد کا خود نیک عمل کرنا شاگردوں کو اس کا شوق دلانا اور ہمت پیدا کرنا ہے۔

صحابہ کرامؓ نیکی کا اس قدر شوق رکھتے تھے کہ افضل کام کو چھوڑ کر جائز کام اختیار کرنے کو انہوں نے ”برا کام“ قرار دیا۔

حضرت ابن مسعودؓ کا ارادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا تھا،

ماہنامہ حسنا (۱۱) اگست 2014

سچ سچ بننا کچھ درکار نہیں

وہ دوست جنہوں نے من میں مرے
مرے درد کا پورا پورا تھا

وہ دوست تو رخصت ہو بھی چکے
اور ہمارے دل ساتھ مرا

اب چارہ مگر کچھ یوں نہیں
ان باتوں سے اب تمہیں حاصل کیا

مے دوست تو شہد کے گھونٹ پیے
کچھ تلخ مرے کا پتہ ہی نہیں

ترے دوست تو ہوں مے جلا میں ترے
ترا دل تو مگر ہے غلوں کا اس

جس جی جی لوگ ہیں ان کی بنا
تجھی ان کو بھی یاد کر کے گا کہیں

بھی طر سے پوچھیں مے ال جہاں
ترے دوست کا ہاتھ کہاں ہے بنا

مگر اہل وفا تو سمجھتے نہیں
جہاں سر پہ چمکتی ہے قفا حنا

بڑے باز سے دیتے ہیں سر کو جھکا
نہیں مانگتے کچھ بھی اہل کے سوا



عید کی رسمیں اور رسمیں

عید کا دن رنگوں، خوشبوؤں اور خوشیوں سے عبارت ہے یوں تو عید کے کتنے ہی رنگ ہیں، لیکن عید کا اصل اہتمام خواتین اور بچوں کا ہی ہوتا ہے، گھر کی آرائش و زیبائش عمدہ اور لذتہ کھانوں کی تیاریاں اور مہمان داری سے لے کر سنے سنور نے تک خواتین ہی سرگرم نظر آتی ہیں۔

اسی مناسبت سے عید کے اس پر سرت موقع پر ہم نے مضمین سے عید سروے کیا آئیے دیکھتے ہیں انہوں نے کیا جواب دیے ہیں۔

عید سروے کا سوال تھا۔
آپ ہر سال عید کے موقع پر خصوصی اہتمام اپنے لئے، اپنے دوست احباب کے لئے کرتی ہوں گی ہمیں اس کی تفصیل لکھ کر بھجوا میں؟

ہے، بڑی سسٹر ناظرہ کا حال بھی مجھ سے کچھ الگ نہیں لیکن پھر بھی جب بھی عید یا کسی شادی بیاہ کی تقریب پر دل سے تیار ہوتے ہیں تو خوب خوب تعریف سننے کو ملتی ہے ہر ایک سے، خیر اپنے چھوٹے بھائیوں اور بابا جانی کے لئے عید کی اپنی تیاری کرنے کا بہت مزہ آتا ہے اور بھائیوں، آبیوں، بھانجیوں، بھینچوں اور بھینچوں کی ہر چھوٹی چھوٹی چیز پسند کرنے میں ہم پیش پیش ہوتے ہیں، ڈریس ڈیزائننگ سے لے کر ہیر پن تک کی بچوں کی تیاری ان کی پسند کے ساتھ اب تک مکمل کر لی گئی ہے ہم عمر کزنز تو ہمارے نہیں ہیں زیادہ لیکن بھانجے، بھینچے اور بھانجیوں وغیرہ جو کہ ہم سے بھی بڑے لگتے ہیں ماشا اللہ مل کر خوب ہلہ گلہ اور انجوائے کرتے ہیں، بڑوں کی تیاری ابھی باقی ہے، روزے اس بار چونکہ گرمیوں کے ہیں اور بھانجے بے حد مشکل تو جن جن حضرات نے روزے پورے کیے ہیں وہ تو یقیناً عید کی خوشیوں کے مستحق ہیں اور ہم

عالی نازہ کو جراثوالہ

عالی نازہ کی طرف سے بہت بہت عید مبارک، عید کے اس پر سرت موقع پر حنا میں عید سروے کے ذریعے آپ سب سے ملاقات کر کے عید کی خوشیاں اور بھی دوایا ہو جاتی ہیں، اس بار سروے میں سوال کیا گیا ہے کہ عید پر ہم نے اپنے یا دوست عزیزوں کے لئے کیا خصوصی اہتمام کیا ہے؟ تو جناب میں ایسی بات آپ کے ساتھ شیئر تو نہیں کرنا چاہتی تھی مگر اب چونکہ آپ غیر نہیں رہے سو آپ سے کیا پردہ؟

تو سنئے جب سے میری ماما اور جوان بھائی کی آل سوٹ ایک ساتھ ڈھلے ہوئی ہے تب سے اب تک سات سالوں میں ہم نے اپنے میں نے اپنے لئے خصوصی اہتمام کرنا بھی کیا ہے؟ کیونکہ نہ تو مجھے لڑکیوں کی طرح میک اپ، گھڑے، گولڈ جیولری یا ڈریسز وغیرہ کے ذریعے سنے سنورے کا قطعی کوئی شوق ہے اور نہ ہی گرلز کی طرح ناز و انداز آتے ہیں بلکہ بوائز کی طرح سادہ رہنا زیادہ پسند

ماہنامہ حنا (13) اگست 2014

خوشیوں کے کسی بھی موقع پر ماما اور بھائی یاد نہ آئے یہ کیسے ممکن ہے؟ ان کے بغیر ہر خوشی نامکمل اور ادھوری سی لگتی ہے لیکن خیر جو نعمتیں اور برکتیں اللہ تعالیٰ نے آپ بھی ہمیں لوہڑے رکھے ہیں میں انہی پر اس کی بے حد شکر گزار ہوں اور خوش بھی، خدا ہم سب کی خوشیوں کو دوہلا کرے اور ہمیں اپنا شکر گزار بنائے رکھے، آمین۔

تحسین اختر فیصل آباد

سب سے پہلے آپ سب کو دل کی بے پناہ گہرائیوں سے بہت بہت عید مبارک، نوذیہ آتی ہر بار سوالوں کے جوابات کے لئے گھیر لیٹی ہیں اور پھر اتنی محبت سے گھیرتی ہیں کہ بندہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی محبت کے جال میں پھنس جاتا ہے، حالانکہ اس بار میری کوشش تھی کہ میں ان کی پکڑ سے ہا ہری رہوں کیونکہ عید اتنی گرمی اور جس کے موسم میں آ رہی ہے کہ کچھ بھی خاص کرنے کو دل نہیں چاہ رہا، پھر خاص کیا نکھوں کیا بتاؤں۔ بہر حال بس اتنی تیاری کی ہے کہ رمضان المبارک شروع ہونے سے پہلے اپنے لئے اور بچوں کے لئے شاپنگ کرنی ہے (ہاں بچوں کے اہا کے لئے بھی) بس ایک دن ہی بازار گئی تھی اور اتنی خواری ہوئی اتنی گرمی لگی کہ دوبارہ بازار آنے سے اس موسم میں توبہ کر لی، بس جو رہ گیا اس کے لئے یہی سوچا ہے کہ کسی بھی خریدا مارکیٹ سے لے لوں گی۔

رہی بات مہندی اور چوڑیوں کی، ان کے بغیر اور کسی کی عید ہو جالی ہو میری نہیں ہوتی، عید کے موسم کے علاوہ عام دنوں میں بھی میں اکثر ہی مہندی اور چوڑیوں کی شاپنگ

سب گھر والے ماشاء اللہ روزے پورے رکھ رہے ہیں اس لئے کم از کم ایک ایک ایکسٹرا چیز تو اپنی پسند کی نہیں ہی لیں گے اس سال، اس کے علاوہ گھر کی سینک پیسج کی ہے اور مقامی سٹھرائی پر عید کی تیاری کے ہم کی مہر لگا کر بالخصوص توجہ دی گئی ہے، عید کے روز آنے والے مہمانوں کو کیا کیا سرو کیا جاتا ہے اس کی فہرست ابھی نہیں بنی البتہ فہرست کوئی اور بھی چیز صبح ہی صبح یا پھر چاند رات کو ہی بنا کر رہتی ہے یہ ضرور دوہرائی رہتی ہوں ذہن میں۔

ہائے اللہ، عید کے دن جس قدر مہمان ہمارے گھر آتے ہیں ماشاء اللہ ان کا سوچ سوچ کر ابھی سے ایڈوائس میں ہی تھکاوٹ ہونے لگی ہے، ابھی تو رمضان المبارک کا یہ پہلا عشرہ ختم ہو رہا ہے جیسے عید کے دن قریب آتے جائیں گے ہماری تیاریاں جو کہ نا چاہتے ہوئے بھی بڑھتی ہی جاتی ہیں اور عید کا دن مکمل ہو جانے تک نامکمل ہی رہتا ہے ان میں بھی زور و شور سے اضافہ ہوتا جائے گا، ہماری مصروفیات کا تو قصہ نہ ہی چھیڑے گھر یلو امور کی اسی فیصد ذمہ داری مابدولت کے کھاتے میں آتی ہے، لیکن پھر بھی اس عید پر ہم اپنی، گھر کی اور کھانے پکانے کی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ بڑے بھائی کے سنے تعمیر شدہ گھر کی تیاریوں میں بھی بے حد بڑی ہیں، ہر سال کی طرح یہ عید بھی بہت سی مصروفیات، خوشیاں اور بہت سے اپنوں کا ساتھ لائے گی لیکن ہر بار کی طرح ماما اور بھائی کی یاد ان سب چیزوں پر حاوی ہو کر ہمیں بے حد رلائے گی، عید خوشیوں کا تہوار ہے اور

ماہنامہ حنا (۱۴) اگست 2014

کرتی رہتی ہوں اس لئے اور کچھ خریدوں یا نہ خریدوں مہندی اور چوڑیاں اپنے لئے، اپنی بچی ایٹل کے لئے اور ہائی لوگوں کے لئے بھی ضرور خریدوں گی اور پھر چاہوں گی کہ وہ ان کو محبت سے استعمال بھی کریں۔

کبھی کبھی میں سوچتی ہوں خدا نے مجھے بیٹی دی ہے اس لئے ہے کہ میں اس کے لئے مہندی، چوڑیاں، کپڑے اور جیولری خریدتے نہ ٹھکوں، وہ بھی ماں کی طرح ان چیزوں کی بہت شوقین ہے سارے تین سال کی عمر میں ہی اسے ان سب چیزوں کا جنون ہے اور پہننے کا سلیقہ بھی، نت نئے ڈیزائن کی ٹینس، ریشم اور ہینر کچر کیسے نہیں بالوں میں سجاتا ہے اور پھر کیسے سنبھال کر رکھتا ہے اپنی یہ چیزیں کسی کو نہیں دینا وہ سب جانتی ہے اور خوب جانتی ہے۔

وہ گئی گھر کی آرائش و زیبائش تو دو وقتا فوقتا جب بھی موقع ملے پورے رمضان المبارک میں ہی چلتی رہتی ہے، کیونکہ سارا دن آفس میں گزارتا ہے اس لئے جتنی بھی بھاگ دوڑ گھر کے لئے ہوتی ہے بس چھٹی والے دن ہی ہوتی ہے۔

اب آجاتے ہیں چٹ پٹے پکوان کی طرف، جہاں بات ذائقوں کی آجاتی ہے وہاں سے میرا کام شروع ہوتا ہے، مصروف رہنے کے باوجود جاب کرنے کے ساتھ ساتھ مجھے ہر قسم کا کھانا پکانا آتا ہے، میں سمجھتی ہوں ایک لڑکی کتنا بھی بڑھ لکھ کیوں نہ جائے جس مرضی سیٹ پر پہنچ جائے مگر اپنا کھانا اسے آپ ہی سنبھالنا پڑتا ہے، میں بھی عید پہ پٹاؤ پر پائی، چکن فورسہ، ہاربی کیو کی قسم کی چاٹ، کباب وغیرہ کا خصوصی اہتمام کرتی ہوں،

خود کھاتے ہیں دوسروں کو کھلاتے ہیں، محبت کرتے ہیں محبت بانٹتے ہیں، اس کے ساتھ ہی اس مختصر سے سوالنامے کے ساتھ اجازت دیں، اس امید پر کہ آپ سب دوستوں، محبت کرنے والوں، چاہنے والوں کی عید میں بے حد حساب خوشیوں میں گزر رہیں، بہت سی دعاؤں اور محبت کے ساتھ خدا حافظ۔

مصباح نوہین.....جھنگ

سب سے پہلے قارئین کو اور حنا شاف بالخصوص فوزیہ شتیق کو رمضان المبارک اور عید کی ایڈوائس مبارکباد قبول ہو، پیار بھری دھونس اور مان کے ساتھ ملنے والا فوزیہ آبی کا بیج، کہ عید سروے میں تمہاری شرکت یقینی ہوئی چاہے سروے لکھ کر فوراً بھیج دو، میں نے فوراً کہا جی آبی ضرور، آپ کا حکم سر آنکھوں پر (کہ آپ کی محبت سے انکار ممکن نہیں ہوتا) تھوڑی دیر بعد ان کا دوسرا بیج موصول ہوا، شکریہ مصباح، ایک عداوت سنا رہی، اب میں رونے والی ہو گئی تھی نہ ٹال سکتی تھی نہ صفا چٹ جواب دے سکتی تھی کیونکہ مقابل فوزیہ آبی تھیں، مرنے کیانہ کرنا حامی بھری کہ کوشش کروں گی، فوزیہ آبی کو مصروفیت کی وجہ سے بتلائی مگر انہوں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتی، افسانہ تو لازمی چاہیے۔

خیر پچھلی عید پر بھی بے پناہ مصروفیت تھی اور اس بار بھی ایک برس کا عرصہ گزر گیا مگر میری مصروفیت میں الحمد للہ اضافہ ہی ہوا اور یہ بہت خوش آئند بات ہے میرے لئے کیونکہ اب میں بہت جلد انشاء اللہ چینلو پر اپنی دھاک بٹھانے والی ہوں۔

گھر کی زیبائش و آرائش پر اس عید مجھے کوئی

ماہنامہ حنا (15) اگست 2014

توجہ نہیں اپنی کیونکہ ابھی ایک ماہ پہلے میں پورے گھر کو وائٹ واش کروانے کے ساتھ فرنیچر کی بھی تھوڑی بہت ترمیم کی ہے، پورے چیمبر کے کچھ کارپس اور پلاسٹک فینس خرید کر بچائے ہیں، سو گھر بہت خوبصورت ہو گیا ہے اور شاپنگ بھی اس بار میں نے بہت ڈھیر ساری کی ہے، چونکہ اس مرتبہ عید گرمیوں میں آ رہی ہے اور وہ بھی شدید گرمی میں سو کافی سارے جوڑے ابھی تک ہنگرز میں لٹکے ہوئے ہیں کہیں جانا نہیں ہوا اور وہ استعمال نہیں ہوئے سو شاید عید کا جوڑا نہ بناؤں، مگر یہ بھی ناممکن کی بات ہے کہ عید ہو اور میں مکمل اور بھرپور تیاری نہ کروں، دل اس بات پر بھی نہیں مانتا، عید کی شاپنگ ہم میاں بیوی اور بچے ایک ساتھ جا کر کرتے ہیں عید سے چند دن پہلے، پھر کھانا وغیرہ بھی باہر کھاتے ہیں بہت مزہ آتا ہے آؤنگ بھی ہو جاتی ہے اور شاپنگ بھی اور مزے کی بات کچھل دفعہ بہت پیارا شخص سر پر اڑتھ تھکے مجھے میرے شوہر کی طرف سے ملتا تھا اور جوانیوں نے گھر آنے کے بعد مجھے دیا تھا اور قارئین حیرت کے مارے میرا منہ کھل گیا تھا اس وقت، تھا تو وہ عام اور روٹین میں استعمال کرنے والا پروڈکٹ مگر میرا سب سے مہنگا پروڈکٹ تھا جو ختم ہو گیا تھا اور زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے میں نے دو بارہ خرید ابھی نہیں تھا مگر میرے ہر جینڈ کو معلوم تھا کہ یہ مجھے پسند ہے اور وہ انہوں نے عید کے تحفے کے طور پر مجھے دیا تھا، کچھل عید اس لحاظ سے یادگار بھی دعا کریں کہ اس مرتبہ پھر وہ ایسا ہی کریں۔

اسوہ اور حذیفہ کی تیاری پر بہت زیادہ توجہ

دی جاتی ہے، اسوہ کو ہر چیز پر ٹیکٹ چاہیے بالوں کی پن سے لے کر شوژ تک حتیٰ کہ نیل پالش بھی سیم کمر کی، سو اس کی ساری تیاری میں بہت بہت شوق سے کرتی ہوں اور پھر وہ سب کو جا کر دکھاتی ہے تو بہت تعریفیں بھی وصول کرتی ہے، میری جینٹائی فریج پھپھو اور ایمان میں اسوہ کی جان ہے، سو گاڑی سے اترتے ہی اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ وہ جا کر آئی فریج اور ایمان آئی کو اپنی شاپنگ دکھائے، حذیفہ نے بھی بہن کی تقلید کرنی ہوتی ہے، سب بچے ایک ساتھ ہمارے گھر اکٹھے ہو جاتے ہیں اپنی اپنی تیاری دکھاتے ہیں بچوں کی معصومیت، خوشی اور چہکار مجھے اپنا بچپن یاد دلاتی ہے، جب میرے بچے راتوں کو اٹھ اٹھ کر بار بار نکال نکال کر اپنی شاپنگ دیکھتے ہیں تو مجھے وہی بے فکری کا زمانہ یاد آتا ہے جب ہم بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

چاند رات کو تمام کزنز مہندی لگاتی تھیں ہمیں کچھلے ہاتھں جگت بازی کیا کیا نہیں کرتی تھیں، بس مزہ ہی مزہ تھا اور بے فکری ہی فکری۔

ای می مزے مزے کے پکوان بناتی تھیں اور ہم کھانا کرتے تھے آج بھی شادی کے پانچ برس گزرنے کے باوجود بھی بیشمار ہمیشہ امی کے گھر سے بن کر آتا ہے، میں نے کبھی نہیں بنایا کبیر ہمیشہ وہی بنا کر بھجھتی ہیں اور کیا کمال کی بناتی ہیں۔

پکوان اس دفعہ بھی کافی سارے بناؤں کی خاص میں ارادہ ہے کہ اگلے ہوئے قصبے کے کھاپ بناؤں اور دوست میرا بہت زیادہ پسند کیا جاتا ہے میرے بھائی اور بہنوں نے

تو یہاں تک کہہ دیا کہ بڑے بڑے ہوٹلز کے
شیف بھی اتنا عمدہ کھانا نہیں بنا سکتے جتنا
مصباح بناتی ہے، بہنوئی نے تو میری بہن
مہرین کو یہاں تک کہہ دیا، کہ تم مر کر بھی
مصباح جیسا دوست نہیں بنا سکتی ہو (لوجی
کر لو گل اللہ بھرم رکھ ہی دیا کرتا ہے) چلیں
آج اسی کی ترکیب لکھ رہی ہوں آپ بھی بنا
کر داد وصول کیجئے گا۔

اشیاء
چکن

لیہوں کا پانی
نمک

ثابت مرچیں سرخ

پسی کالی مرچیں

چائیز سالٹ

سفید زیرہ

سوکھا دھنیا

لہسن اور گ پیسٹ

ترکیب

حسب ضرورت

آدھا کب

حسب ذائقہ

پس سے پھیں

چکنی بھر

چکنی بھر

آدھا چمچ

آدھا چمچ

کم از کم پانچ چمچ

چکن کو دھو کر نیچو ڈکرت لگا لیں اور تھوڑا سا
نمک اور لیہوں ان پر لگا کر رکھ دیں، لہسن اور گ
کا پیسٹ بنا لیں اس میں سرخ مرچیں پس لیں
ساتھ ہی نمک تھوڑی سی کالی مرچوں کا پیسٹ،
چائیز سالٹ کس کر لیں، پھر چکن پر اچھی طرح
سے لگا کر چند دس منٹ کے لئے رکھ دیں، اس کے
بعد اس چکن کو دہی میں ڈال کر بغیر پانی ڈالے
لگی آگ پر گھنے کے لئے رکھ دیں، چکن اپنے ہی
پانی میں گل بھی جائے گا اور تمام مصالحے اندر تک
جذب کرے گا اور چکن کی مخصوص کچے پن کی
بساند بھی ختم ہو جائے گی، جب پانی سوکھ جائے
اور چکن گل جاتے تو کڑا ہی میں تیل گرم کر کے
اسے تلنا شروع کر دیں، مگا ہوا جو مصالحہ دہی میں

رہ جائے اسے رہنے دیں، چکن گل کر گولڈن
براؤن کرنے کے بعد اسی دہی میں دوبارہ ڈالتی
جائیں جب سارا چکن گل لیں تو پس، ہلکا سا اس
گلے ہوئے مصالحے کو بھی گل میں گل لیں اس کے
اوپر پسا سفید زیرہ اور سوکھا دھنیا ڈال کر باقی ماندہ
تیل ڈال کر صرف پانچ منٹ کے لئے دم دے
لیں اس کے بعد سرد کر دیں لیہوں اور پودینے کی
پٹنی اور کچپ کے ساتھ پیش کریں، چکن کا ہر
پس نرم بھی ہو گا اور ذست بھی، آزمائش شرط ہے،
دیے آج کل روزے ہیں تو میں اکثر افطاری
میں بنالیا کرتی ہوں سو آپ بھی انجوائے کریں بنا
کر اور مجھے ضرور بتانا ہے کہ کیسا بنا؟

باقی میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو عید کی
خوشی سے لوازے ہر طرف امن سکون اور خوشی
ہو، ہر پاکستانی خوشی سے عید منائے اور وزیرستان
سے در بدر ہوئے ہمارے پاکستانی بہن بھائیوں
اور معصوم بچے بھی جو بغیر کسی وجہ سے گھر بدر
ہوئے ہیں شمالی وزیرستان کے وہ لوگ بھی دل
سے عید منائیں انہیں صہبان سمجھ کر اللہ کی رحمت
جان کر لیت کریں کہ ایک نہ ایک دن جب ہم
دشمن پر فتح پائیں گے تو وہ اپنے گھر لوٹ جائیں
گے انشاء اللہ، مگر اس واسطے کہ سفر میں ان کے
پاس اچھی یادیں اور محبتیں ضرور ہوں جو ہماری
طرف سے ان کو تحفہ ملی ہوں، فطرانہ ضرور دیں،
زکوٰۃ ضرور نکالیں افطاری پر زیادہ اہتمام کریں
مسائیوں کو ضرور کچھ نہ کچھ بھیجیں کہ اس شیر میں
بھی ثواب اور آخرت کی کامیابی ہے، سکون خوشی
کا بے پایاں احساس، آپ کو کسی ضرورت مند کی
مدد کر کے ہی حاصل ہو گا دعاؤں میں یاد رکھیے گا
اللہ تعالیٰ مجھے میری محنت سے بڑھ کر نوازے،
مرا ہے اور کامیاب کرے اور اللہ تعالیٰ ہم سب پر
اپنا رحم فرمائے ہمارا خاتمہ ایمان پانچیر ہو اور

ماہنامہ منار (۱۰) اگست 2014

سب کو اپنی حفظ و امان میں رکھے، آمین ثم آمین۔
نوشین اقبال نوشی..... گاؤں بدرمرجان
آپنی آپ کو اور سب قارئین، فریڈنڈز سب کو
عید کی مبارک کہاوا اللہ آپ سب کو ہمیشہ
خوش رکھے آمین۔

جی ہاں واقعی عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی
تیا ریاں شروع ہو جاتی ہیں، بلکہ رمضان
سے بھی پہلے سوچا جا رہا ہوتا ہے کہ اس بار کیا
کیا کرنا ہے، سوا ب کی بار بھی یہی کچھ ہے
کہ رمضان کی برکتوں کو سمیٹ لینے کے
ساتھ ساتھ گھر، صفائی، کام کا بج پھر تیا ریاں
بھی عید کی سارا ماہ ہی ساتھ چلتی رہتی ہیں،
گھر کی آرائش پر تو سب سے زیادہ توجہ ہوتی
ہے، اپنے کپڑے جوتوں سے بھی زیادہ۔

پندرہ رمضان کے بعد بس ہم عید کی تیا ری
کے لئے جو پہلا اقدام اٹھاتے ہیں جناب
وہ گھر کی ساری مکمل نئے سرے سے خوب
صفائیاں، سینٹف کچھ نہ کچھ نئی اور چھینچ کرنا،
کو نہ کو نہ خوب رگڑ کر چمکایا جاتا ہے، ویسے
بھی شکر ہے عام دنوں میں بھی ہمارے ہاں
صفائی کا بہت خیال رکھا جاتا ہے، پھر
بازاروں کے پھر بھی ساتھ ساتھ لگ رہے
ہوتے ہیں شاپنگ سب کی کیونکہ میرے بنا
تکمل نہیں ہوتی کیونکہ ہماری چوائس ہی بر
شے میں اعلیٰ اور بہت شاندار ہوتی ہے
جناب (اپنے منہ میاں مشو ہر گز نہ سمجھئے گا
جی، چکی بات بتا رہے ہیں) سو بھی اماں جی
کے ساتھ، کبھی بھائی لوگوں کے ساتھ پھر
ممائیاں، پھپھو، خالہ سب کزنز سب لوگ ہی
مجھے ساتھ لے کر جا رہے ہوتے کہ نوشی پلیز
پلو ساتھ اور نوشی بے چاری مروت کی ماری
انکار بھی نہیں کر سکتی کہ اس قدر مگر میں

بازار میں محوم محوم کے شاپنگ کرنا کوئی
آسان بات تھوڑی ہے اور سے روزہ بھی،
خود سوچیں میرا کیا حال ہوتا ہو گا، مگر خیر
جناب ہم سب کی شاپنگ میں چوائس کرنے
میں ہر چیز کپڑے جوتے سے لے کر جیولری
ایون ایک رنگ خریدنے میں بھی سب مجھ پر
بھروسہ کرتے ہیں اور میں سب خاندان
والوں کا یہ بھروسہ قائم رکھتی ہوں اللہ کا شکر
ہے بہت۔

اس بار بھی ہمیشہ کی طرح ایسی ہی مصروفیات
ہیں، گھر اور ساتھ عید کی شاپنگ بھی،
دوستوں کے لئے اور اپنی شاپنگ بھی،
ساری فریڈنڈز کے لئے عید کے کنسلٹس ہمیشہ
کی طرح اب بھی لئے ہیں، کپڑے جوتے
جیولری وغیرہ تو ہم سب چیزیں پہلے ہی لے
آتے ہیں مطلب رمضان میں، یعنی پورے
ماہ آرام آرام سے سب تیا ریاں ساتھ
ساتھ، باقی چاند رات کو ہم کچھ نہیں لیتے
بازار سے نہ جاتے ہیں، ہاں مہندی اور
چوڑیاں عید سے ایک دو دن پہلے لے کر
آتے ہیں۔

عید کے دن ظاہر ہے عام دنوں سے ہٹ کر
خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے مہمانوں اور
دوستوں کے لئے ڈھیروں کھانے پینے کی
مختلف ڈشز وغیرہ، ہماری سب فریڈنڈز کی
پسند بھی الگ ہے جناب، کسی کو ہماری ویاں
جی کے ہاتھ کی بریانی پسند، کسی کو چھوٹی بھین
کے ہاتھ کی بنی فیش، کہاب، گڑ والے چادل
پسند، کسی کو ہمارے ہاتھ کی کھوئے والی
ایچمیل کھیر، چاٹ، یک اور ہماری خاص طور
پر بنائی گئی دس ملائی جو کبھی کو بہت پسند آتی
ہے، سوا ب بھی عید سے پہلے ہی سب کی

ماہنامہ - جنت (18) اگست 2014

ایک ایک ڈیمانڈ شروع ہو گئی ہیں، کہ میرے لئے یہ بتانا میرے لئے فلاں ڈش، سوہم سب کی پسند کو مد نظر رکھیں گے ہر بار کی طرح سب کی پسند کی ہی سب ڈشز بنے گی۔

عید کا دن پہلا تو یونہی کچن اور پھر گھر آئے مہمانوں اور دوستوں کے ساتھ گزرتا ہے پھر عید کے دوسرے دن سب اکٹھے ہو کر کہیں نہ کہیں گھومنے پھرنے لازمی جاتے ہیں سارے خاندان والے ہی ایک ساتھ مل کر عید کی خوشیوں کو مناتے ہیں، اس بار بھی عید پر کہیں نہ کہیں گھومنے کا پروگرام بن رہا ہے، اسلام آباد ہو سکتا ہے سب چلیں، ویسے تو بہت بار سب دیکھا ہے پر یوں عید پر سب ہی ایک ساتھ مل کر جب جاتے ہیں کہیں بھی تو بہت اچھا لگتا ہے عید ہمیشہ کے لئے یادگار بن جاتی ہے کہ ماموں، چچا اور خالہ لوگ بھی اپنی فیملی کے ساتھ اکٹھے ہوتے سب کزنز مل کر الجوائے کرتے ہیں تو عید کا مزہ واقعی حقیقی معانوں میں دو بالا ہو جاتا ہے۔

اللہ کرے آئندہ آنے والی سب عیدیں بھی یونہی خیر سے اپنے ساتھ بہت سی خوشیاں ہی لے کر آئیں سب کے لئے، آمین اور اللہ ہمیشہ اپنی رحمتوں اور محبتوں کے حصار میں رکھے، آپ سب کے لئے بھی دعا ہے اور ڈھیروں نیک تمناؤں، اللہ سب کو آسائیاں عطا کریں، آپ سب دوستوں، قارئین اور حنا کی پوری فیملی کو عید کی ڈھیروں مبارکباد قبول ہو۔

روبینہ سعید..... لاہور

عید ہو اور اس کی تیاری نہ ہو یہ تو ایسے ہی

ہے جیسے خوش رنگ پلاڈیغیر نمک کے سامنے آ جائے، لہذا عید اور تیاری تو لازم و ملزوم ہے، عید کی تیاری رمضان المبارک کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہے، ہمارے ہاں رمضان المبارک میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے، چاند نظر آتے ہی گھر میں گھبراہٹ مچ جاتی ہے الحمد للہ میں جو انٹرنیٹ سسٹم میں رہتی ہوں لہذا سحر و انظار میں سب کی پسند و ناپسند کا خیال رکھا جاتا ہے، پھر ساتھ ساتھ یہ بات بھی مد نظر رکھتی ہوں کہ جو کچھ بھی بناؤں صحت بخش ہو، سحر میں چونکہ ٹائم کم ہوتا ہے لہذا سب کچھ جھٹ پٹ کرنا ہوتا ہے۔

جی دوستو، میں لاہور میں رہتی ہوں اور یہاں روزہ بہت جلد بند ہو جاتا ہے اس لئے سحر میں سب کی پھرتیاں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں (پکانے والوں کی بھی اور جی ہاں کھانے والوں کی بھی) ویسے تو عائشہ اور حرا ساتھ دیتی ہیں لیکن پھر بھی میری کوشش ہوتی ہے کہ سب کچھ جلدی جلدی ہو جائے، سحر میں عام طور پر پرائیڈ رات کا سالن، انڈے اور کسی ہوتی ہے، البتہ بھجیا نیاں، حلوا اور رنگین سویاں بھی بنتی رہتی ہیں۔

قارئین مجھے بیٹھا بہت پسند ہے، لہذا میری کوشش ہوتی ہے کہ سحر میں کوئی نہ کوئی بیٹھا ضرور ہو، ویسے اکثر میں جھٹ پٹ میسن کا حلوا بناتی ہوں جو ذرا سی دیر میں بن جاتا ہے اور لذت اور غذاہیت میں اپنی مثال آپ ہے ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتائیے گا۔

اشیاء

بیسکٹ
دیکھی

ایک کپ
تین چوٹائی کپ

ماہنامہ حنا (19) اگست 2014

چینی
الابگی (پس لیس)
پسا ہوا کھوپرا
سوکھا دودھ
ترکیب
حسب ذائقہ
چند دانے
آدھا کپ
آدھا کپ

کرتی ہوں۔

جیسے ہی رمضان چوتھے پانچویں روزے کو پہنچتا ہے میری لاریب روح بازار کے چکروں کے لئے پھڑپھڑانے لگتی ہے اسی کہتی ہیں کہ رمضان میں ہم جتنا بھی خرچ کر لیں اس مہینے میں حساب کتاب نہیں ہوتا اور اللہ پاک اس مبارک مہینے میں رزق بھی کشادہ کر دیتا ہے، کچھ لوگ رمضان کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاری کر لیتے ہیں، لیکن میں تو عید کو پورا پورا انجوائے کرتی ہوں، دن تو افطار کی تیاری میں گزر جاتا ہے البتہ افطار کے بعد چائے سے فارغ ہو کر میں بازار جانے کے لئے تیار ہوتی ہوں، چلو بھئی چلو، کیا کیا لانا ہے، ہر دو تین دن کے بعد میں بھی اسی کے ساتھ اور بھی شہینہ باگی کے ساتھ بازار ضرور جاتی ہوں، بازار میں پہنچتے ہی آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، جو لینے جاتی ہوں اسی چیز کو بھول آتی ہوں، ہنس رہے ہیں آپ، چھوڑیں جی اکثر خواتین ایسے ہی کرتی ہیں، یعنی لینے گئی ہیں کپڑا اور نظر پڑ گئی جوتوں پر ہنس جی ندا ہو گئے وہیں، اب بھاؤ تاؤ شروع ہے ویسے تو میں ایک پھر ہوں اور سیکنڈری کلاسز کو انگلش پڑھاتی ہوں مگر بازار میں اپنی ساری بیچنگ ایک طرف رکھ کر خریداری کرتی ہوں اور کچھ تاؤں مجھے بڑا مزہ آتا ہے بھاؤ تاؤ کرتے ہیں۔

اللہ اللہ کر کے سوا ہوتا ہے تو گھڑی پر نظر پڑتے ہی گھر کی راہ لیتے ہیں اب دو تین دن بعد پھر تازہ دم ہو کر بازار کا رخ کرتا ہے، خدا خدا کر کے عید کی خریداری مکمل ہوتی ہے، کپڑے خرید کر ٹیلر کو دیتا، جوتے، چوڑیاں، مہندی، پردے، چادریں وغیرہ وغیرہ، عید سے دو تین دن پہلے سے بچن کی مصروفیات بڑھ جاتی ہیں، شامی کباب بنا کر فریز کرنا، بسن اور ک محفوظ کرنا غرض

دنیں گئی کو برتن میں ڈال کر بیسن بھون لیں، ساتھ الابگی بھی ڈال دیں، جب بیسن بھننے کی خوشبو آنے لگے تو چینی ڈال کر تھوڑا سا پانی ڈالیں، چینی کا پانی خشک ہو جائے اور حلوہ بھاری ہونے لگے تو برتن کو چولہے سے اتار لیں اور پسا ہوا کھوپرا اور سوکھا دودھ ملا کر اچھی طرح مکس کریں اور دم پر رکھیں، کچی جیسے ہی اوپر آئے تو فٹ ڈش میں ڈالیں اور گرم گرم سرو کریں۔

یقین چائے مزہ آ جائے گا سحری میں حلوہ کھا کر، ضرور غرائی کہتے گا، یقیناً گھر والوں سے داد ملے گی اور گھر والے انگلیاں چاٹتے رہ جائیں گے (ارے بھئی آپ کی نہیں اپنی ایک تو آپ بھی نہ کسی اور ہی خیالوں میں پکچھ جاتے ہیں) افطار میں وہی روایتی چیزیں بنتی ہیں جو تقریباً ہر گھر میں بنتی ہیں یعنی سمو سے، کپوڑے، وہی بھلے، فوٹ جات وغیرہ لہذا اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

دوستو اللہ پاک رمضان المبارک کے ذریعے ہم پر اپنی بے پناہ نوازشیں کرتا ہے، رمضان کے روزے واحد عبادت ہے جو اپنے اندر عنایات کا جہان سموئے ہوئے ہیں یعنی یہ مہینہ رحمت بھی ہے مغفرت بھی، صبر بھی ہے اور شکر بھی، ذکر بھی ہے فکر بھی، گناہوں کی بخشش بھی ہے اور جہنم سے نجات بھی اور پھر ساتھیوں روزوں کے انتقام پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود خوشیاں منانے کا حکم دیا ہے تو ہم نا فراموش کیوں کریں، میں تو عید کی تیاری بہت زور و شور سے

ہوتا کام سٹ سکتا ہے سیٹ لیتی ہوں۔

انیسویں روزے کی عید کی کیا ہی بات ہے، جیسے ہی چاند نظر آتا ہے گھر میں ایسی چہل پھل ہو جاتی ہے جیسے شادی کا سماں ہے، عائشہ مہندی بہت اچھی لگاتی ہے لہذا اس کے پاس بچیوں کا رش لگ جاتا ہے، خراپہڑے پر لیں کرنے بیٹھ جاتی ہے امی شیر خورمہ بنانے کے لئے میوہ کا ثنا شروع کر دیتیں ہیں۔

عید کے حوالے سے بریالی، کوفتہ کڑا، تورمہ، لب شیریں وغیرہ عید کے تینوں دن کی مختلف ڈشیں ہیں البتہ ہمارے گھر کی عید کے حوالے سے خاص ڈش شیر خورمہ ہے اس کی ترکیب لکھ رہی ہوں ضرور بتائے گا۔

شیر خورمہ

اشیاء

دودھ

چینی

کھن

چاول رات کو بھگو دیں

سویاں میوہ جات

پا ہوا کھوپرا

بادام کی گریاں کاٹ لیں

پستہ کاٹ لیں

چھوہارے دودھ میں بھگو دیں دس عدد

الہی باریک نہیں لیں دس دانے

ترکیب

دودھ میں الہی پاؤڈر ڈال کر پکنے دیں، چاول رات کو پانی میں بھگو دیں صبح اسے باریک نہیں لیں، پسے ہوئے چاول دودھ میں شامل کر کے پکنے دیں، فرینج چین کی سطح پر ایک چمچ کھن سے چھنی کریں اور سویاں تل لیں، اب سویاں اور سارا میوہ دودھ میں شامل کر کے گاڑھا

ہونے تک پکنے دیں، جب گاڑھا ہو جائے تو چوبیسے سے برتن اتار لیں۔

سرد کرنے سے پہلے رات کو جو چھوہارے بھگوئے تھے وہ اب پھول چکے ہوں گے ڈش میں چھوہارے ڈالیں اور ان پر شیر خورمہ ڈالیں، سرد اس طرح کریں کہ ایک پیالی میں ایک چھوہارہ آئے بہت مزے دار ڈش ہے ضرور آزمائیے گا۔

دوستو عید کے دن ہمارے گھر میں ناشتہ نہیں ہوتا، ہمارے گھر کی روایت ہے کہ عید کی نماز پڑھنے الو کے ساتھ سارے گھر کے مرد حضرات جاتے ہیں تو واپسی میں کوئی نہ کوئی سوغات لے کر آتے ہیں لہذا الور، منور، ظفر اور حماد جب آتے ہیں تو ساتھ ہنسی کی کچھوہیاں، مٹھائی، حلوے اور کیک وغیرہ بھی گھر پہنچ جاتے ہیں، لہذا ناشتہ کچھوہیوں کا ہو جاتا ہے اور پھر اسی طرح ملنے ملائے والے آتے رہتے ہیں، سارا دن خوش خوش گزر جاتا ہے، شام اور دوپہر میں بریالی، کڑا، شامی کباب وغیرہ بنتے ہیں اور یونہی عید کا دن بے شمار سرتوں کو ہماری زندگی میں شامل کر جاتا ہے۔

صاحبو، آخر میں ایک بات کہنا چاہوں گی کہ ہم روایتوں کے امین ہیں، ہم نے نئی نسل کو اپنی روایتیں منتقل کرنی ہیں میں عید اگر جوش و خروش سے منائی ہوں تو نہ صرف اس لئے کہ رمضان کے روزوں کے انعام ہے بلکہ اس لئے بھی کہ ہم نے اپنے بچوں کو عید کی اہمیت بتائی ہے تاکہ کل جب ہمارے بچے عید منائیں تو انہیں پتہ ہو کہ عید کیا ہے اور مسلمانوں کے نزدیک اس کی کتنی اہمیت ہے۔

سیس کرنا..... فیصل آباد

پیاری نوزیہ جب تمہارا حکم نامہ ملا کہ سروے میں شرکت، عید کی تیاری تو واقعی عید سے قبل

ماہنامہ حنا (21) اگست 2014

ہی ہوتی ہے بلکہ رمضان کی کہوں تو زیادہ مناسب ہوگا۔

رمضان سے دو ہفتے قبل لاہور کا چکر لگا کر بہمن بھائیوں کو عیدی دے آئی تھی، بھانجیوں کے پیارے پیارے فراک جنہیں چھو چھو کر وہ لاڈ سے کہتیں تھیں "خالہ آپ کتنی اچھی کتنی پیاری ہیں" وہاں سے واپسی پر اگلا ہفتہ ہنگامی تھا، مجھے تھرے بھی لکھنے تھے جو کہ بیمار رہنے کی وجہ سے انکے تھے اور پورے گھر کی کنصلی صفائی سے فارغ بھی ہونا تھا، تھکا دینے والا ہفتہ، الحمد للہ سارے کام سمیت لئے رمضان سے قبل، فریج صاف کر لئے، گھر چمکا دھکا، دھلے دھائے پردے، گوشت دھل کر فریج میں پکٹ تیار، کچھ اسٹیکس بن گئے، گراسری آگئی، لیجئے میں رمضان کے استقبال کو تیار، محکم سے چور خرچائی طور پر آسودہ۔

اب عید کی صفائیں مکمل ہو گئیں تو یہی بڑا کام ہوتا ہے میرا، اپنی کوئی خاص تیاری نہیں ہوتی، اک دوسوٹ جوتی لی اور بس عید گاہ جا کر عید پڑھ آئے، ہاں بچوں کی شاپنگ آخری عشرے میں کروں گی، تمہیں، تمام قارئین کو حنا کے تمام سٹاف کو ڈھیروں ڈھیروں عید کی مبارک، اپنی خوشیوں اور دلیوں میں یاد رکھنا۔

سب اس گل درحیم یار خان چاند اور عید جب بھی آتے ہیں اک خوشی کی نوید لاتے ہیں ہم بھلا کر سبھی آنکھوں کو گل دل سے عید الفطر مناتے ہیں سب سے پہلے تو حنا کے سبھی معزز و محترم ایڈیٹرز، راءٹرز کو بہت بہت عید الفطر مبارک

ہو اور رہی بات عید کی تیاریوں کی تو جناب وہ تو رمضان شروع ہوتے ہی شروع ہو جاتی ہیں، سب گھر والوں کے لئے عید کے کپڑے جوتے اور گھر کی خواتین بالخصوص ہم لڑکیوں کے لئے جوتڑیاں اور مہندی بھی بطور خاص منگوائی جاتی ہے، سوٹ کے ساتھ میچ کرتے بندے، بالیاں یا لپکا خوبصورت اور نفیس سا لاکٹ سیٹ ہو تو کیا ہی بات ہے، ہماری پیاری بہنیں یہ سب چیزیں بہت ذوق و شوق اور اہتمام سے خریدتی اور پہنتی ہیں، ہم ذرا ان کیل کانتوں کو کم ہی لکھتے کراتے ہیں اور ایک ذرا سی لب اسٹک ہونٹوں پر لگا کر سمجھتے ہیں کہ ملکہ وکنور یہ کے حسن کو مات دے ڈالی، جوتڑیاں ہمیں بہت پسند ہیں مگر بہنوں اور سہیلیوں کی کلائیوں میں کشتی دیکھ کر ہی دل و نظر کو سیر کرتے رہتے ہیں کہ خود چند گھڑی سے زیادہ بہمن نہیں پاتے، اصل میں ہمیں کچن میں اپنی خدمات پیش کرنا ہوتی ہیں لہذا جوتڑیوں کی مسلسل چھن چھن ہمارے من میں شور مچانے لگتی ہے سو شور سے ہم ہر ممکن بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عید کا لباس اگر نہیں سی دیں تو جلدی سل جاتا ہے اور اگر ہم خود یہ کارنامہ انجام دینے کی ٹھان لیں تو آخری روزے تک ہی سل جاتا ہے وہ بھی امی حضور کی ڈانٹ من من کر جب ہمارے بے ہنر ہاتھوں کو جوش آتا ہے تو بس چوبیس گھنٹے میں سوٹ سی ہی لیتے ہیں، مشرقی و مغربی، شمال جنوب کی جانب منہ اٹھا کے کی گئیں سلاٹیاں ہمارے سلاٹ کی کے ہنر پر چیخ چیخ کر دہائی دیتی محسوس ہوتی ہیں، جی ہاں ہم دیکھنے والوں کو پہلے سے وارن

ماہنامہ حنا (22) اگست 2014

کر دیتے ہیں کہ خبردار کوئی ہمارے لباس کی تراش، سلائی کٹائی پر زیادہ غور فرمانے کی کوشش نہ کرے، خود بھی حیران ہونے سے بچے اور ہمیں بھی شرمندہ ہونے سے بچائے۔

جناب گھر کی آرائش و زیبائش تو ہر عید پر بطور خاص کی جاتی ہے نئے پردے، نئے کٹن کور، نئی بیڈ ٹیٹس عید سے پہلے یعنی چاند رات تک اپنی اپنی مطلوب جگہوں پر اٹھلانے لگتی ہیں، گھر کی دھلائی صفائی بھی رمضان کے آخری عشرے میں کر لی جاتی ہے چالے اتارے جاتے ہیں، فرش دھوئے جاتے ہیں پردے لگائے جاتے ہیں۔

اب اللہ جانے جو چالے ہماری حکومت کے دماغ پر لگے وہ کب اور کون اتارے گا ہمارے دلوں و نظروں کے فرش پر جو بے بسی، بدگمانی اور خود غرضی کی گرد جم چکی ہے وہ کب دھلے گی اور ہماری عقل اور آنکھوں پر جو لالچ، فرقہ واریت، مسابقت کا پردہ پڑ گیا ہے وہ کب بٹے گا؟

(آپ سب سے دعائے خیر کی درخواست ہے) تو جناب گھر کی سجاوٹ بھی ہوگئی اہل خانہ کے عید کے ملبوسات اور دیگر اشیاء کا اہتمام و انتظام بھی ہو گیا، اب رہ گیا عید کا مینو۔

تو فوزیہ آپنی عید الفطر پر تو ہم شیر خورہ خاص اہتمام سے بناتے ہیں، شامی کہاں، چکن روٹر، چکن فورس، پلاؤ، دہی بھلے، مٹھائی، پیزا، کھجوریں، کولڈ ڈرنک، چائے، جوس، چائینیز میک فروٹ چاٹ اور چائینیز سمو سے ہم عید پر بہت اہتمام سے بناتے ہیں، کچھ چیزیں بازار سے منگواتے ہیں یعنی مٹھائی،

پیزا، کولڈ ڈرنک و غیرہ، (اب ہم اتنے بھی شکستہ نہیں ہیں کہ یہ بھی گھر سے بنالیں) تو یہ سب مزے مزے کے کھانے ہم سب گھر والے بھی کھاتے ہیں اور عید ملنے کے لئے گھر آنے والے دوست احباب کو بھی پیش کر کے ان کی خاطر تواضع کرتے ہیں، اسی طرح کھاتے پیتے، ہنستے مسکراتے، ملتے ملاتے ہم عید مناتے ہیں، اللہ ہم سب کے گھروں میں عید کی رونقیں سلامت رکھیں اور ہمیں ضرورت مند افراد کو بھی عید کی خوشیوں میں شامل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

فرح طاہرہ ملتان

سب سے پہلے میری طرف سے فوزیہ آپنی، حنا کے شاف، تمام رائٹرز اور ایڈیٹرز کو عید مبارک۔

سردار انگل نے بالکل ٹھیک کہا عید کی آمد سے پہلے ہی عید کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں سوشل خواتین کی جنہیں کسی بھی تہوار پر گھر کی آرائش و زیبائش کے ساتھ ساتھ لیکن میں بنائے جانے والے مختلف پکوان کے ساتھ اپنی تیاری کی بھی فکر رہتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح میری تیاری بھی گھر کی آرائش و زیبائش سے شروع ہو جاتی ہے جو پچیسویں روزے سے شروع ہو کر عید کے دن جا کر ختم ہوتی ہے، چھوٹی عید کے پکوان میں چونکہ کبھی چیزیں زیادہ شوق سے کھائی جاتی ہیں، اس لئے سب سے پہلے ہم شیر خورہ کی تیاری کرتے ہیں جو کہ امی جان چاند نظر آنے کی اطلاع ملنے کے بعد سے تیار کرنا شروع کر دیتی ہیں، دوستوں کو گفت دینے والا کام میں پچیسویں روزے

ماہنامہ حنا (23) اگست 2014

تک مکمل کر لیتی ہوں اس لئے اس طرف سے ٹینشن نہیں ہوتی، صرف میری تیاری ایسی ہوتی ہے جو آخر تک لگن رہ جاتی ہے کیونکہ ابھی تک میرا ریکارڈ یہی ہے کہ میرا عید ڈریس چاہے میں پہلے روزے سے ہی کیوں نہ تیار کرنا شروع کر دوں وہ آخر چاند رات تک مکمل نہیں ہو پاتا ہے۔

(میری اپنی ہی کسی کی وجہ سے) ابھی ایسا ہوتا ہے کہ چاند رات میں پوری رات جاگ کر ڈریس کو مکمل کرنا پڑتا ہے یا ابھی ایسا ہوتا ہے کہ عید کی صبح جا کر میرا ڈریس مکمل ہو پاتا ہے، مہندی اور چوڑیوں کو میں خود چاند رات کے لئے چھوڑے رکھتی ہوں کیونکہ چاند رات میں جاگ کر مہندی لگانے کا ایک ہی مزا ہوتا ہے۔

شمینہ بٹ

اورے عزیز یہ جی یہ کیا پوچھ لیا آپ نے، تیاریاں اور وہ بھی عید کی، اف جی ہے جس گھر میں پر یوں جیسی دنیاں ہوں وہاں تو یہ تیاریاں چاند رات تک بھی مکمل نہیں ہوتیں، ارے ابھی بیٹیوں کی مائیں اور بیٹے ناراض نہ ہوں نمیک ہے یہ بھی کہ آج کل تو لڑکیوں سے زیادہ لڑکے تیاریاں کراتے ہیں ہر خصوصی موقع پر، تو پھر ہمسلا وہ عید پر کیسے پیچھے رہیں گے تو جناب یہ سلسلہ تو دائمی چلتا ہے رہتا ہے اور وہ بھی آخر وقت تک۔

میں بھی اپنے بچوں کی تیاریوں میں لگی رہتی ہوں، ساتھ ساتھ گھر کا انتظام اور کام بھی چلتا رہتا ہے اور آپ نے بات کی آرائش و زیبائش کی تو اس مہنگائی کے دور میں اب بندہ یا تو خود کو سناوار لے یا پھر گھر کے در و دیوار چمکائے، (میرا مطلب، پینٹ نئے

پردے وغیرہ سے ہے) تو اس کا آسان حل میں یہ نکلتی ہوں کہ رمضان سے پہلے اور پھر آخری عشرے میں سارے گھر کی بھرپور صفائی کی جاتی ہے، ہر چیز دھو دھلا کر صاف ستھری کر کے چمکادی جاتی ہے، چاند رات کو تمام بیڈ کورز صوف کورز اور پردے دھلے دھلائے صاف ستھرے بدل دیئے جاتے ہیں (جو پہلے سے دھو کر رکھے ہوتے ہیں) بس جی ہو گئی گھر کی تزئین و آرائش مکمل۔

بچوں کی اور امی تیاریاں بھی عموماً آخری عشرے تک مکمل ہو ہی جاتی ہیں، نئے لباس، چوڑیاں، مہندی اور دیگر لوازمات ہر سال امی بھی بھگواتی ہیں اور میں خود بھی بناتی ہوں، اپنے اور ارم قطرے کے کپڑے میں خود سی لیتی ہوں اسد کے البتہ ریڈی میڈ آ جاتے ہیں، یا پھر ٹیلر ماسٹر کی خدمات لی جاتی ہیں، ہاں کچھلے دو سالوں سے میری دیپورانی نادیا ہمارے لئے ریڈی میڈ سوٹ لاتی ہے اور وہ بھی ہاتھ سے سیدھی ادھر ہی آ جاتی ہے کہ اپنی پسند کے ڈریس جن کس شکر یہ نادیا شاید تمہاری محبت اور خلوص کے لئے۔

ہر سال تقریباً ایک جیسی ہی روٹین ہوتی ہے عید اور عید کی تیاریوں کے حوالے سے، مگر اس بار کافی کچھ بدل گیا ہے، اس رمضان میں میری امی جان اور بھائی خیر سے عمرہ کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، بارہ جولائی کو وہ دونوں عمرہ کے لئے فلائی کر گئے ہیں اور عید کے چار روز بعد ان کی خیر سے واپس ہے، اسی لئے امی نے اس بار عیدیاں عید سے پہلے ہی بھجوا دیں اور اب ظاہر ہے ہم عید کے بعد جب وہ واپس آجائیں گی تو پھر

ماہنامہ حنا (24) اگست 2014

ملنے جائیں گے ان سے۔

عید کے دن فجر کے بعد ارم، فاطمہ صفائی وغیرہ سے فارغ ہو کر اپنی تیاریوں میں مصروف ہو جاتی ہیں اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ عید کی نماز سے پہلے پہلے ریڈی ہو جائیں، میں اتنی دیر میں شیر خورہ بنا لیتا ہوں اور پھر خود بھی تیار ہو جاتی ہوں اب اتنی گرمی میں چمک دمک والے کپڑے تو پہنے نہیں جاسکتے اس لئے سب کے لان اور کاشن کے ڈریسز ہی ہوتے ہیں، عید کی نماز کے بعد باری باری میرے بھائی بھتیجے اور دیور عید ملنے آ جاتے ہیں، ان سے عید بھی ملنے ہی اور ان کی خاطر بدارت بھی کی جاتی ہے، گزرتے وقت کے ساتھ جو تبدیلیاں آتی رہتی ہیں ان میں ایک تبدیلی یہ بھی آتی کہ عید کا پہلا دن ہمارا پہلے ای کی طرف (سسرال میں) گزرتا ہے، مگر اب کچھ عرصہ سے دیور عید ملن پارل دیتے ہیں تو وہ دن سارا دن ان کے نام ہوتا ہے، سب بھائی، بہنیں اکٹھے ہوتے ہیں ماشاء اللہ بچوں کی خوب رونق لگی ہوتی ہے اور سارا دن پر بھر پور گزرتا ہے، دوسرے دن ہم امی کی طرف التوائیٹھ ہوتے ہیں اور امی سمیت بھائی، بھابھیاں اور بھتیجے بھتیجیاں صبح سے راہ دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ پچھو جانی کب اپنی سواری بار بھاری سمیت تشریف لائیں اور کب عیدی کے لئے پچھو پر ہلہ بولا جائے، یوں عید کا دوسرا دن بھی بہت اچھا اور بھرپور گزرا کر شام ڈھلے ہم واپس اپنے آشیانے میں لوٹ آتے ہیں اور عید کا تیسرا دن ہم اپنے گھر میں گزارتے ہیں، اس دن بچوں کی اور ان کے والد صاحب کی پسند کے

فرمانشی کھانے بنتے ہیں۔

جن میں بریانی، نور فروٹ، ٹرائفل، سرفہرست ہیں (ان کی ترکیب تو سب کو آتی ہے اب کیا لکھوں) ساتھ ساتھ لی دی سے ماتھا پھوڑا جاتا ہے اور اگر کوئی ملنے ملانے آ جائے تو اسے دیکھ بھی کرتے ہیں، لیس جی یہ تو تھا ہماری عید کا احوال، ہاں اسد کی روٹین تھوڑی مختلف ہے وہ صاحب بہادر شام ڈھلے اپنے دوستوں کے ساتھ آؤٹنگ پر چلے جاتے ہیں اور عید کے چند دن بعد شمالی علاقہ جات روانہ ہوتے ہیں اپنے دوستوں کے ساتھ۔

لیس جی فوز یہ جی یہ تو ہو گیا عید کا احوال، ویسے عید کے ساتھ جو رشتہ عیدی کا ہے اس کا مزہ ہی کچھ اور ہے اور یہ عید یاں لینے میں جتنا مزہ آتا تھا وہ اب دینے میں بھی اتنا ہی سکون اور خوشی ملتی ہے، بچوں کے چہروں پر پھیلنے والی چمک، خوشی اور مسکراہٹ جو اپنی من پسند عیدی وصول کر کے پھیلتی ہے اس کا نعم البدل کوئی ہو ہی نہیں سکتا، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ سب بچوں کے چہروں کی یہ مسکان ہمیشہ سلامت رہے آمین۔

فرحت عمران واہ کینٹ

سروے کا اکلوتا سوال ہی مجھے خاصا مشکل لگا، مشکل اس لئے کہ میں نے کبھی عید کی تیاری کے ضمن میں اپنے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کیا ہے، میں شادی سے پہلے عید کی تیاری (جو کہ کپڑوں اور جوتوں کی خریداری تک محدود ہے) ماہ رمضان سے قبل کر لیتی تھی، مگر شادی کے بعد عمران کے ساتھ چاند رات کو چوڑیاں خریدنے جانے کا

ماہنامہ حنا (25) اگست 2014

اپنا الگ حراہ ہے، مجھے زیور میں چوڑیاں بے حد پسند ہیں، میں دونوں کلائیوں میں بھر بھر کر چوڑیاں ڈالتی ہوں، کپڑوں اور جوتوں کی خریداری میں اب بھی رمضان سے پہلے کر لیتی ہوں، ایک تو گرمی میں روزے سے گھر سے لکھنا محال ہوتا ہے اور دوسرے رمضان میں رش ہونے سے ٹیلرز کے غرے آسمان پر پہنچ جاتے ہیں جو ٹیلرز آغاز میں کپڑے نام پر اور صحیح سلائی کرتا ہے وہی کچھ عرصے بعد ایک ہفتے کا کہہ کر دو ہفتے گزار دیتا ہے اور سلائی بھی صحیح نہیں ہوتی ہے، میں چاند رات کو عید کی بالکل کوئی تیاری نہیں کرتی ہوں چاند رات کو شاپنگ کے بعد صرف مہندی لگاتی ہوں، میں ہر عید پر تین سوئس سلوائی ہوں مگر میں نے پہلی بار اس عید پر پانچ سوئس سلوائے ہیں مگر یہ کسی خصوصی اہتمام کے نتیجے میں نہیں ہے، ہم نے خوشی کی تھی کہ میرے زیور ناقب کی عید کے بعد منگنی ہو جاتی مگر لڑکی والوں نے سہولت سے مل دیا (ناقب کی پھپھو کے گھر زبانی بات طے ہے جسے ہم لوگ پاقادہ نشین کر کے خاندان میں بتانا چاہتے تھے) اگر اس کی منگنی ہو جاتی تو یہی عید پر میرا خصوصی اہتمام ہوتا۔

وہی بات دوست و احباب کی تو میرے بیکے اور میرے سسرال میں بھی بھی عید کے پہلے روز کوئی مہمان نہیں آتا ہے میرے بیکے میں دوسرے روز میرے چاروں چچا اپنی فیملیز کے ساتھ آتے ہیں اور عید کے پہلے روز کی زیورنگ دوسرے روز گھر میں ہونے والی ہے

بقیہ صفحے

یہ روایت اب بھی ہے میرے چچا اپنی فیملیز سمیت دوسرے روز آتے ہیں اور میری بچیاں مجھے بہت یاد کرتی ہیں، میری چھوٹی دونوں بچیاں تو مجھ سے چند برس ہی بڑی ہیں جبکہ بڑی دونوں بچیاں جوان اولاد کی مائیں اور نانیاں بن چکی ہیں۔

سسرال میں بھی دوسرے روز بہت رونق لگتی ہے میری زیوریاں عید کے دوسرے روز اپنے میکے چلی جاتی ہیں، عمران کے کزن یا چچا آ جاتے ہیں، دوسرا روز بہت پر رونق گزرتا ہے۔

اس بار میری ساس نے ابھی سے میرے دونوں زیوروں کو آگاہ کر دیا ہے کہ اس دفعہ عید کا دوسرا روز ناقب کے ساتھ گزارنا ہے اس لئے وہ اپنی بیویوں کو دوسرے روز میکے نہ بھیجیں تاکہ ہم سب گھر والے ناقب کے ساتھ مل کر عید منائیں (بھئی وہ دہائی سے سوشل عید منانے پانچ چھ روز کے لئے پاکستان آ رہا ہے) آخر اس کے ساتھ بھی تو عید منانی ہے، ناقب میرا سب سے چھوٹا اور بہت انس کھد یور ہے، انشاء اللہ اس بار عید کا دوسرا روز ہم سب اعلیٰ گزاریں گے اور یہی اس عید کا دوست و احباب کے لئے خصوصی اہتمام ہو گا سب گھر والے مل کر آؤنگ پر جائیں گے۔

قارئین سوچ رہے ہوں گے کہ فرحت نے زیور اینوں کے عید پر میکے جانے کا ذکر تو کر دیا مگر اپنے متعلق بتانا بھول گئی ہیں جناب میں عید کے پانچ چھ روز بعد میکے جاتی ہوں (واہ کینٹ سے لٹان کا آٹھ نو گھنٹے کا طویل سفر کرنے کے لئے دل گرہ چاہیے ہوتا ہے، اگر یہی سفر ٹرین سے کیا جائے تو بارہ گھنٹے

تم انجی

ہمزاد ہو

ام صہ

چوتھیوں قسط کا خلاصہ

جہان ڈالے کو کھونے کے تصور سے ہراساں ہے، ایسے میں ڈالے اسے نضب سے نکاح کو فوراً کرتی ہے، صرف وہی نہیں جب معاذ بھی وہی بات کہتا ہے اور اس کے علم میں یہ بات آتی ہے کہ یہ پہلا جہان کی خواہش تو جہان کے پاس انکار کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔

معاذ اور پر نیاں کے تعلقات کی سرد مہری جہان کی بہتری کی کوشش اور معاذ کو سمجھانے بھانے کے باوجود بڑھتی جاتی ہے۔

پر نیاں کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے، اسی اہم موقع پر زینب اور جہان کا نکاح ہو جاتا ہے معاذ کی پر نیاں سے غلط فہمی بھی اسی موقع پر دور ہوئی ہے، اک عرصے بعد شاہ ہاؤس کے مکین پھر سے خوشیوں کا منہ دیکھتے ہیں مگر زینب کا رویہ جہان کو ابھانے ہی نہیں پریشان کرنے کا بھی باعث ہے۔

تیور زینب کو جہان کو جان سے مار دینے کی دھمکیاں دیتے اسے اپنے مکروہ ارادوں کے مطابق چلانے کی کوشش میں کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پہلیوں قسط





کچھ عشق تھا کچھ مجبوری تھی
سو میں نے جیون وار دیا
میں کیا زندہ آدمی تھا
اک شخص نے مجھ کو مار دیا
وہ عشق بہت مشکل تھا مگر
آساں نہ تھا یوں جینا بھی
اس عشق نے زندہ رہنے کا
مجھے طرف دیا چدار دیا
یہ سچا سچا گھر ساتھی
میری ذات نہیں میرا حال نہیں
اے کاش کہ تم جان سکو
جو اس نے سکھ آزار یاد

وہ کھڑکی میں کھڑی تھی، نگاہ کے سامنے لائن کا منظر تھا، جہاں ڈالے کے ساتھ جہان تھا، اس کے
ہمراہ چل قدمی کرتا ہوا، کتنا کیسٹرنگ انداز تھا اس کا، بھی اسے سہارا دے کر بٹھاتا بھی اپنے ہمراہ ہاتھ پکڑ
کر چلاتا ہوا اس کا جیسے بس نہ چلتا تھا کہ ڈالے کو گود میں اٹھالے، وہ اس کی محبت تو تھی ہی اب تو اس کی
نسل کی امین بھی بن چکی تھی، کچھ اور اہمیت کچھ اور خاصیت پا گئی تھی گویا، نضب خالی نظروں سے دونوں کو
دیکھتی رہی، یہ مرحلہ اس نے بھی طے کیا تھا، مگر اس کے ساتھی نے بھی اسے یوں سر آنکھوں پہ نہیں بٹھایا
تھا، اسے پتہ ہی نہیں تھا شوہر کی محبت اور اہمیت کا احساس کیسا ہوتا ہے، وہ تشنگی اور شاید تشنہ رہنا چاہتی
تھی، جیسی تو اس نے جہان کو کسی بھی پیش رفت کی اجازت نہیں دی تھی، ڈالے کی باری کا ایک ہفتہ پورا
ہوا تو جہان اس کے پاس آ گیا تھا، وہ با اصول تھا اور دیانتداری کے تقاضوں کو پورا کرنا چاہتا تھا مگر وہ
اپنے دل کا کیا کرتی جسے خالی خالی لڑخوں کی ادا کی نہیں چاہتے تھی، چاہ محبت مان اور خلوص..... سب سے
بڑھ کر جہان کا دلہانہ انداز کا اظہار محبت..... یہی تو طلب تھی جس کی چاہ اور پھرنا کامی نے اسے آبلہ پا
صحرادوں میں بھٹکا کر دیا تھا، کتنا تھک گئی تھی وہ۔

"آج سے آپ یہاں سوئیں گے؟" وہ اسے دیکھے بغیر سوال کر رہی تھی۔

"ہاں۔" جہان کا جواب مختصر تھا، نضب کے رویے کی بدولت وہ خود بھی محدود اور محتاط ہو چکا تھا۔

"آپ کو ڈالے کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے، یونہی اسے آپ کی زیادہ ضرورت ہے۔"

"وہ اکیلی نہیں ہے، اتنے بڑے گھر میں بہت سارے لوگ اس کے آس پاس ہیں، ہاں اگر تمہیں

کوئی اور اعتراض ہے تو کھل کر کہو۔" جہان کی پیشانی پر تل پڑنے لگے تھے، نضب کا یہ انداز اسے صرف
توہین سے ہی نہیں خفت اور ذلت کے احساس سے بھی دوچار کرنے لگا تھا، نضب کچھ مانیوں کو کچھ کہنے
بولنے کے قابل نہ ہو سکی۔

"میں چاہتی ہوں آپ ڈالے کے ساتھ زیادہ وقت گزاریں، ان دنوں عورت بہت حساس ہو رہی
ہوتی ہے اور....."

ماہنامہ حنا (31) اگست 2014

”مجھے تو لگتا ہے تم بھی ان دنوں بہت حساس ہو رہی ہو، صرف ڈالے کو نہیں تمہیں بھی میری زیادہ سے زیادہ ضرورت ہے۔“ جہان پہلو کے بل ڈرا سا اونچا ہو کر اسے بخور دیکھ رہا تھا، نضب کے تو صبح معنوں میں جھکے چھوٹ گئے تھے اس بات پہ جیسے۔

”ایک تو آپ کی خوش فہمیوں کا کوئی انت نہیں ہے، میں آپ سے جان چھڑا رہی ہوں آپ کو ہری ہری سو جھڑ رہی ہیں۔“ اس نے انجام کی پرواہ کیے بغیر خود کو داؤ پر لگا دیا تھا، جہان کے چہرے پہ ایک سایہ آکر گزرا۔

”نضب اگر تمہیں واقعی اس شادی کی ضرورت نہیں تھی تو انکار کر دیتیں پہلے کی طرح، اس طرح سے میرا امتحان لینے کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ بل کے بل خطرناک قسم کی سنجیدگی میں جھٹا ہو چکا تھا، نضب ایک لمحے کو گڑبڑ اسی گئی۔

وہ اس کی توجہ حاصل کرتے کرتے ایک بار پھر اپنا کام خراب کرنے جا رہی تھی، کچھ کہے بغیر وہ ہونٹ کھلتی رہی تھی، جہان چند لمحے اس کے جواب کا منتظر رہا تھا پھر جیسے تھک کر گروٹ بدل لی تھی، نضب ساری رات اس کی جانب سے پیش قدمی کی منتظر رہی تھی مگر جہان یونہی منہ موڑے پڑا رہا تھا اور اس نے جان لیا تھا وہ اپنے لئے مزید اندھیرے خرید چکی ہے، پتہ نہیں اسے ڈھنگ سے اپنے جذبات کا اظہار کرنے کا سلیقہ کیوں نہ آیا تھا، اس نے بے حد یاسیت سے سوچا تھا۔

”جو آپ کو ماما بلا رہی ہیں اپنے کمرے میں۔“ نضب کو چونکانے کا باعث ماریہ کی آواز تھی جو دروازے میں کھڑی تھی۔

”تم چلو آئی ہوں میں۔“ اس نے گہرا سانس بھر کے کہا پھر بیٹے کے نزدیک آ کر سوئی ہوئی فاطمہ کو اٹھالیا، اسے کتنی دیر ہوئی تھی سوئے اسے باہر جانے کتنی دیر لگ جاتی، وہ نہیں جانتی تھی بچی بیدار ہو تو کمرے کی تنہائی سے وحشت زدہ ہو کر روئی رہے۔

”جی ماما آپ نے بلایا؟“ وہ ان کی تلاش میں لاؤنج میں آ گئی تھی، وہاں ماما کے ساتھ ڈالے اور بھابھی کے علاوہ پر نیاں اور نرپا دی بھی موجود تھے، مہمان بھابھی کی گود میں تھا اور وہ اس سے کھیل رہی تھیں۔

”لائیں زینٹی آپا فاطمہ کو مجھے دے دیں۔“ ڈالے نے اسے دیکھتے ہی فاطمہ کو لینے کو ہاتھ پھیلا دیا تھا، نضب نے کچھ کہے بغیر فاطمہ کو اسے تھا دیا اور خود ماما کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

”کچھ کام تھا ماما!“ اس نے پھر اپنا سوال دہرایا تھا، ماما مسکرا دیں۔

”کیا کام کے بغیر ہماری بیٹی ہمارے پاس نہیں بیٹھ سکتی؟“ وہ کس قدر پچھکے انداز میں مسکرائی تھی۔

”آپ بہت خاموش رہنے لگی ہوں نضب؟ اپنا خیال بھی نہیں رکھتیں؟“ ماما جان کو بھی لگتا ستانے لگی تھی۔

”حالانکہ اتنا پیارا اور شاندار دولہا مل گیا ہے آپ کو، قسم سے میری سب فریڈ راتیں تعریف کر رہی تھیں جہان بھائی کی۔“ ماریہ نے مڑے سے لقمہ دیا تھا، نضب کے چہرے پہ ایک سایہ آکر گزرا گیا۔

”جہان کے کسی دوست کی شادی ہے لاہور، وہ ٹیلی جانا ہے اسے لازماً، آپ اتنی تیاری کر لو بیٹے، شادی میں آپ کو ہی شریک ہونا ہے جہان کے ساتھ۔“ ماما کی بات پہ نضب کے اندر غصہ کی جھنجھلاہٹ اور احتجاج اٹھ آیا تھا۔

ماہنامہ حنا (31) اگست 2014

"میں کیوں ماما! ڈالے ہے نا، ڈالے چلے جائے گی ان کے ساتھ۔" اس نے فی الغور اٹکار کیا تھا، ماما کے ساتھ ساتھ ہاتی کے سب افراد کو بھی چپ سی لگی تھی۔
 "ڈالے کی طبیعت ان دلوں ٹھیک نہیں، ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا ہوا ہے، پتہ تو ہے آپ کو۔" ماما نے جیسے اسے ہادی انداز میں سمجھایا تھا مگر وہ اس طرح بے زار نظر آ رہی تھی۔
 "تو ٹھیک ہے وہ اکیلے چلے جائیں، میرا نہیں سوڑ۔"
 "یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کہا نا وہ ٹھیک ہے، دوست ہے جہان کا بہت قریبی۔" ماما کے لہجے میں اب کے صرف سختی نہیں تھا، نینب بری طرح زچ ہوئی۔
 "مگر ماما....."

"اگر مگر کچھ نہیں نینب، کہہ دیا نا آپ کو ساتھ جانا ہے۔" ماما نے اسے گھورتے ہوئے کہا تھا، وہ ہونٹ بھیج کر جلتی آنکھوں سے انہیں کچھ دیر دیکھتی رہی تھی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی، جب وہ کچن میں کام کرتے ہوئے برتنوں کو منج کر اپنا طے نکل رہی تھی پر نیاں وہیں اس کے پاس آگئی تھیں۔
 "تم ٹینس کیوں ہون نینب؟" نینب نے پلٹ کر آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا مگر منہ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

"مجھے تم پریشان لگتی ہو، جہان بھائی تو بے حد ناکس ہیں اور....."
 "میں خوش نہیں ہوں ان کے ساتھ پر نیاں، محبت کے بغیر عورت خوش ہو سکتی ہے بھلا؟"
 "کیا مطلب ہے تمہارا؟" پر نیاں کو بھٹکا لگا تھا۔
 "مجھے یہ بتاؤ پری کیا میرے نصیب میں محبت نہیں لکھی؟" وہ جیسے رو پڑی تھی، پر نیاں مشدد رہی۔
 "جہان بھائی نے کچھ کہا نہیں؟" وہ کچھ سمجھ نہیں پائی تو یہ اہم سوال کیا تھا۔
 "یہی تو دکھ ہے، وہ کچھ کہتے نہیں ہیں، پر نیاں انہیں مجھ سے جبراً ہاندھا گیا ہے۔"
 "ایسا نہیں ہے نینب، جہان بھائی تو مجھے لگتا ہے محبت ہی تم سے کرتے ہیں۔" وہ ابھی ابھی سی بولی تو نینب نہ ہر چند سے ہنس پڑی تھی۔

"اچھا....." اس کے لہجے میں مسخرکار رنگ اتر آیا۔
 "اور بہت سے احمقوں کی طرح تم بھی یہی سوچتی ہو کیا؟" پر نیاں قدرے کنفیوژ ہو گئی، پھر بات بنانے کو بولی تھی۔
 "اچھا چھوڑو، جو بھی حقیقت ہوگی آخر کھل جائے گی، فی الحال تم ماما کی بات مان لو، بہت پریشان ہیں وہ تمہاری وجہ سے۔"

"تم بھی مجھ سے کہہ رہی ہو پری۔" وہ دکھ سے لبریز ہو گئی جیسے۔
 "ساری دنیا ڈالے کو ان کی وائف کی حیثیت سے جانتی ہے، مجھے ہرگز اچھا نہیں لگ رہا ہے خود کو جا کر اس حوالے سے متعارف کرانا اور لوگوں کی آنکھوں میں حیرت اور سوال دیکھنے کا۔" اس نے جیسے اصل مسئلہ بیان کیا تھا، پر نیاں نے گہرا سانس بھر لیا۔
 "سوری زین، میری ڈیوری کی وجہ سے تم لوگوں کا دلیرہ منسوخ ہو گیا تھا، ورنہ تمہارا تعارف وہاں

ماہنامہ حنا (32) اگست 2014

سب سے ہو جانا تھا، پھر دیکھو آخر تک تم اس صورتحال سے بھاگو گی، اسے تو لیں کرنا ہی ہوگا۔" وہ بہت نرمی اور سجاؤ سے اسے سمجھا رہی تھی، زینب نے بھی پلوں کو آہستگی کے ساتھ رگڑا تھا۔
 "ٹھیک ہے تم ماما سے کہہ دینا میں چلی جاؤں گی۔" اس نے بالآخر ہار تسلیم کر لی تھی، پر نیاں جیسے بے اختیار ریپلیکس ہو کر گہرا سانس بھرنے لگی۔

☆☆☆

ریسورس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا، اس کی رنگت بالکل زرد ہو چکی تھی، یہ محض اتفاق تھا یا پھر وہ واقعی تیمور کو بھلا چکی تھی کہ کال ریسیو کر لی تھی، وہ اس کی آواز پہچانتے ہی اس پہ جڑھ دوڑا تھا۔

"بہت خوب، تو جہان صاحب کے ساتھ نکاح کر کے رنگ رلیاں منانی جا رہی ہیں۔" زینب کے کانوں سے پہلی بات نے ہی دھواں نکال دیا تھا، اس نے ایک دھماکے سے ریسیو کر ٹیل پہ بیٹھ دیا تھا، مگر اس وقت تیل پھر سے زور و شور سے بجتی چلی گئی تھی۔

اس نے ریسیور اٹھا کر سائیڈ پہ رکھا اور بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی تھی تب اس کا سائل فون بجنا تھا سچ فون تھی اس نے ٹیکسٹ کھولا انجان نمبر تھا، اس نے حیرانی سے عبارت پہ نگاہ دوڑائی۔

"میں تمہاری زندگی اجیرن کر دوں گا زینب، بہتر ہے مجھ سے بات کر لو۔" زینب نے نفرت زدہ انداز میں پیغام کو کاٹ دیا تھا، اسی وقت اس نمبر سے اگلا پیغام موصول ہو گیا۔

"اگر چاہتی ہو کہ میں تمہاری ٹیلی کے کسی فرد کا کل نہ کر دوں تو مجھ سے بات کر لو، میرا پہلا نشانہ تمہارا چہرہ جہان ہی ہوگا، اکیلی تم نہیں وہ دوسری لڑکی بھی بیوہ ہو جائے گی خواہ مخواہ۔" الفاظ تھے یا تیر بر جھیاں جو زینب کے وجود میں پیوست ہو گئے تھے، اس کے جسم پہ جیسے لرزہ سا چھا گیا، وہ یکفخت نیچے بیٹھ گئی تھی، تیمور جہان کی سفاکی سے وہ بخوبی آگاہ تھی، کسی کو معمولی سی بات پہ جان سے مار ڈالنا اس کے لئے عام سی بات تھی، خوف و وحشت کا احساس بن کر اس کے وجود میں دھیرے دھیرے نیچے گاڑنے لگا۔

"کیا چاہتے ہو؟" تیمور کی مزید چند ایسی ہی دھمکیوں کے جواب میں اس نے ہار تسلیم کر کے اسے لکھا تھا، چند لمحوں کے توقف سے ہی اسکرین چمکی اور تیمور کا جواب نکلا کہ سامنے تھا، ایک طویل قہقہے کے بعد اس نے بڑے خفاشت بھرے انداز میں لکھا تھا۔

"آئی اتنی محبت کرتی ہو اس لئے سے، سخت جیلز ہو رہا ہوں، خیر نکاح ہو گیا تمہارا بھی تب میں کہنا چاہتا تھا تم سے مگر تم سنی ہی نہ تھیں، اب اس سے طلاق بھی لے لو جان من تا کہ حلالہ کی شرط پوری ہو اور تم پھر سے میری ہانپوں میں آ سکو۔" تیمور کے الفاظ نے زینب کے چہرے پہ گویا آگ سلگا دی تھی، اس نے طیش کے عالم میں سائل فون کو دیوار سے دے مارا تھا، اندر داخل ہوتے جہان نے کس قدر حق دق ہو کر اس کی اس حرکت کو دیکھا تھا۔

"خیر بہت اتنا غصہ کیوں آ رہا ہے؟" وہ اس کے قریب آ گیا، زینب کسی طرح بھی اتنی تیزی سے خود کو سنبھال نہیں سکی تھی جیسی شہنشاہی تھی۔

"پریشان ہونے لگی؟" جہان نے اسے شانوں سے قہام کر مقابل کیا، انداز میں اتنی توجہ اتنی اپنائیت اور محبت تھی کہ جتنی شاید زینب کے اندر ٹوٹ چکی تھی، جیسی وہ اسے دیکھتی رہ گئی تھی۔

ماہنامہ جہان (33) اگست 2014

”مجھے ڈر لگ رہا ہے جے؟“ اس نے بلا جھجک اپنی کیفیت بیان کی تھی۔
 ”ڈر؟ مگر کس سے؟“ جہان حیران رہ گیا تھا۔

”خود اپنے آپ سے، کاش میں ہی مر جاؤں، سارے مسائے خود ہی حل ہو جائیں گے۔“ وہ ضبط کھوتے ہوئے ہاتھوں میں چہرہ اڑھانپ کر رو پڑی تھی، جہان کے اعصاب یکا یک تاؤ کا شکار ہو گئے۔
 ”نوں کس کا تھا؟“ جہان کے سوال نے نضب کو نہ صرف حنا کیا بلکہ مضطرب بھی کر دیا۔
 ”کسی کا نہیں، آپ بتائیں جانا کب ہے؟“ اس نے جلدی سے ہات کا رخ موڑ کر گویا اس کا دھیان بنایا۔

”آج ہی جانا تھا، کیا تم تیار ہو؟“ جہان نے جواب دے کر سوالیہ نگاہوں کو اس پہ بنایا۔
 ”پینک کرفولی تھی میں نے کل اور کیا کرنا ہے؟“ وہ بتا کر اسے دیکھنے لگی تو جہان کے لبوں کے گوشوں میں شریسی مسکان بھل گئی تھی۔

”اور میرا ساتھ دینا ہے بس، دو کی؟“ سوالی معنی خیر تھا، نضب کی پٹکیں ایکدم سے بھکیں۔
 ”کتنے بجے کی فلا میٹ ہے؟ بتا دیں میں اس حساب سے تیار ہو جاؤں گی۔“ وہ طرح دے لگی تھی، جہان گہرا سانس بھر کے رہ گیا، جانے سے قبل جہان ڈالے کے پاس کمرے میں آیا تھا۔
 ”یہاں سب ہی تمہارا بہت خیال رکھتے ہیں، مجھے پتہ ہے ڈالے مگر پھر بھی اپنا خاص طور پہ خیال رکھنا، میں خود بھی کانیکٹ میں رہوں گا مگر تم بھی مجھے کال کر لی رہنا۔“

”او کے جناب آپ نضب آبی اور فاطمہ کے ساتھ اپنا بھی خیال رکھیے گا۔“ ڈالے نے اس کے کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے اسے مسکرا کر مطمئن کیا، جہان نے محض سر اثبات میں ہلایا تھا۔
 ”شاہ نضب بہت اداس لگتی ہیں ابھی بھی، حالانکہ میں سمجھتی ہوں اب ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“
 ڈالے نے کب سے اپنے دل میں اٹکا ہوا سوال اس کے آگے رکھا تو جہان نے ٹھنڈا سانس بھر لیا تھا۔
 ”کیوں اب اسے کون سا قارون کا خزانہ مل گیا ہے بھلا؟“

”آپ کسی قارون کے خزانے سے کم ہیں کیا؟“ ڈالے نے مصنوعی خلگی سے گھور کر تو جہان تسنیر سے ہنس پڑا تھا۔

”ہر کوئی تمہاری طرح سوچتا ہے نہ ہی تمہاری طرح مانع اور شا کر ہوتا ہے۔“
 ”اچھا اب آپ ان کی برائیاں نہ کریں میرے سامنے۔“ ڈالے نے منہ بنا لیا تھا، جہان آہستگی سے مسکراتے لگا۔

”میں محترمہ کی برائیاں نہیں کر رہا، صرف تمہارے سوال کا جواب اور اس کا مزاج بتایا ہے۔“ وہ کاندھے اچکا کر بولا تو ڈالے نے آہستگی سے اس کا ہاتھ قلم لیا تھا۔

”شاہ ان کے لئے آپ نہ سہی مگر وہ آپ کے لئے ضرور اہم اور خاص ہیں، آپ کو یہ بات نہیں ضرور بتانی چاہیے۔“

”مجھے پتہ نہیں نہ کیا کرو ڈالے، مجھے خود بہتر پتہ ہے مجھے کیا کرنا ہے۔“ جہان رد و نظر آنے لگا، ڈالے پرل ہو کر رہ گئی۔

”میں چاہتی ہوں نضب آبی خوش رہا کریں، آپ نہیں جانتے ہیں شاہ ماما اور ماما جان کے علاوہ اس

ماہنامہ حنا (34) اگست 2014

گھر کے ہر فرد کی نگاہ میں کتنی فکر ہوتی ہے ان کے لئے۔ "وہ عاجزی ہو کر کہہ رہی تھی۔
 "یہ تمہاری یا بھر باقی سب گھر والوں کی خواہش تو ہو سکتی ہے، مگر یہ ذنب کی اپنی خواہش نہیں ہے،
 میں اپنی سی کوشش کر چکا ہوں اور کیا چاہتی ہو تم؟" جہان کو قطعاً آنے لگا تھا، ڈالے خائف تو ہوئی بھی مگر
 اپنی بات پھر بھی کہہ ڈالی تھی۔
 "آپ ان کو انڈر اسٹینڈ کرنے کی کوشش کریں شاہ، ان کے اصل پر اہم کو سمجھیں، البتہ ختم ہو
 جائے گی۔" جہان نے سر آہ بھری، بھر اس کو دیکھنے لگا۔
 "اک بات پوچھوں؟"

"جی ضرور۔" ڈالے نے مسکراہٹ دہائی۔
 "میں نے ہمیشہ یہی سنا ہے اور دیکھا ہے کہ ایک شوہر کی بیویاں آپس میں اک دوسرے سے
 رقابت اور حسد محسوس کرتی ہیں مگر تم لوگوں کا معاملہ الٹ کیوں ہے؟ وہ تمہاری اور تم اس کی فکر میں بنگان
 آپس میں لڑنے کی بجائے تم مجھ سے لڑتی ہو، ہے ناجیز بات۔" وہ بے بس سا ہو کر کہہ رہا تھا،
 ڈالے زور سے ہنس پڑی۔
 "انڈر اسٹینڈنگ کا کمال ہے جناب، یہی آپ پیدا کریں ان سے۔" ڈالے نے مفید مشورے
 سے نوازا تھا، جہان نے آہ بھر کے کاندھے اچکا دیئے۔

☆ ☆ ☆
 "ہیلو۔" جہان نے بہت مصروفیت کے عالم میں کال ریسیو کی تھی، انجان نمبر تھا جیسی وہ ضروری کال
 سمجھ کر انکڑ بھی نہیں کر سکا تھا۔
 نظر سے دور نہ کر بھی کسی کی سوچ میں رہنا
 کس کے پاس رہنے کا طریقہ ہو تو تم جیسا
 جواب میں بڑے جذب سے شعر پڑھا گیا تھا، جہان نے حیرت بھرے انداز میں سیل فون کو کان
 سے ہٹا کر عجیب نظروں سے دیکھا ہوں جیسے وہ فون نہ خود کال کرنے والی ہو۔
 "کون؟ آپ نے شاید غلط نمبر ڈائل کر لیا ہے محترمہ۔"
 "آہ....."

تمہاری بے رخی پہ ہی مٹا دی زندگی ہم نے
 ہمارا حال کیا ہوتا اگر تم مہرباں ہوتے
 اس کی رکھائی کے جواب بڑے درد بھرے انداز میں شعر لڑھکا گیا، جہان کا موڈ کا یک بگڑا تھا۔
 "واٹ مان سینس، کون ہیں آپ؟ بات کرنے کی کینز نہیں ہے کسی سے؟" وہ بھٹا کر فون بند کرنے
 لگا تھا کہ اس نے بے اختیار شکوہ کیا تھا۔
 "ایک تو میں شاہ صاحب آپ کی اس یادداشت سے عاجز ہوں، اتنی جلدی انسان یا تو بڑھا ہے
 میں بھولتا ہے اس وقت اگر وہ کسی کو اہمیت نہ دے رہا ہو، نیلما ہوں جی میں۔" جہان کے اعصاب ایکدم
 سے تنفر اور کشیدگی سمیٹ لائے، ایک لفظ کہے بغیر اس نے کال ڈسکلیکٹ کی تھی اور فون کو سائیلنٹ یہ لگا
 دیا، جانتا تھا اب وہ مشکل سے ہی پیچھا چھوڑے گی، لاہور آیا تھا تو سوچا ٹیکسٹ کی کا بھی چکر لگا لے اسی چکر

ماہنامہ دنیا (35) اگست 2014

میں اچھا خاصا لیٹ ہو گیا تھا، یہ رات کی روانگی کا ٹائم تھا اور وہ ابھی اپنے کاموں میں الجھا ہوا تھا، اس نے گاڑی کی رفتار کچھ اور بڑھائی مگر گھر پہنچ کر اسے ایک حریہ الجھن کا سامنا کرنا پڑا تھا، نرسب ٹی وی لائونج میں صوفے پر نیم دراز گھریلو جلیے میں ٹی وی کے آگے جی بیٹھی تھی۔

”تم تیار کیوں نہیں ہوئیں؟ کال کی تھی نا میں نے تمہیں۔“ بے تحاشانہ تے غصے کو دہا کر اس نے کس قدر نرمی سے استفسار کیا تھا مگر اس کی یہ نرمی نرسب کے جواب نے خاک میں ملا کر رکھ دی تھی۔

”اس لئے کہ میں نہیں جا رہی آپ کے ساتھ۔“

”کیا مطلب ہے اس بات سے؟“ وہ کسی طرح بھی خود کو بھڑکنے سے نہیں روک سکا، نرسب کسی کا بھی دماغ خراب کرنے کی بھرپور صلاحیت سے مالا مال تھی یہ اسے یقین ہو چکا تھا۔

”آپ کے ساتھ جانے کا مطلب ہے، اس حوالے کا تعارف، جس کا مجھے ہرگز شوق نہیں ہے۔“

اس نے ہونٹ سکڑ کر کہا تھا اور جہان کی رنگت تو چین کے احساس سے لال ہو گئی تھی۔

”مگر یہ حوالہ اتنی ہی شرمندگی کا باعث تھا تمہارے لئے تو شادی نہیں کرنی تھی پھر مجھ سے۔“ وہ زور سے بھٹکا رہا تھا، نرسب نے جواباً اسے ذہر آلود نظروں سے دیکھا تھا اور بدلتی سی چیخ پڑی تھی۔

”معتلی ہو گئی تھی مجھ سے، جگہ یہ کہنا چاہیے جبر کیا گیا تھا مجھ پہ، بگڑا تو اب بھی کچھ نہیں ہے، چھوڑ دیں مجھے طلاق دے دیں۔“ وہ شاید حواسوں میں تھی یا نہیں البتہ جہان کو ضرور اس نے آئے سے ہا ہر کر دیا تھا، اس نے طیش زدہ انداز میں زور سے اس کا بازو دبوچا اور ایک جھٹکے سے اپنے مقابل کھینچ لیا۔

”کیا کہہ رہی تھی؟“ وہ یکھت سرخ ہو کر دہک اٹھنے والی آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔

”طلاق مانگی ہے، بہت شوق ہے آپ کو بار بار میرے منہ سے یہ بات سننے۔“ اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی، جہان کا ہاتھ زانے کے پھٹری صورت اس کے چہرے پہ پڑا تھا، ایک دو تین، وہ اتنے طیش میں تھا اتنا پھر اٹھا تھا کہ اس اٹھے ہوئے ہاتھ کو روکنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، نرسب تو جیسے سکتے میں آگئی تھی، خود جہان کا تھا ہوا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ گیا تھا اور ہونٹ بھیچے ہوئے تھے، اس کا چوٹھی بار کو اٹھا ہوا ہاتھ معاذ نے مداخلت کر کے روکا تھا، وہ ششدر سا باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا،

نرسب وحشت زدہ سی کھڑی رہی خوف اس کے وجود پہ کچھ کی صورت طاری ہو چکا تھا اور آنکھیں طوفان کی زد میں آئے ہوئے سمندر کا ٹکس پیش کر رہی تھیں، غیر یقینی رنج حیرت اس کے چہرے کے ہر نقش میں جیسے بچھ ہو کر رہ گئی تھی۔

”تم اندر جاؤ نرسب۔“ معاذ اس شاک سے بھکا تو ہا مشکل نرسب کو مخاطب کر پایا تھا، وہ بھی اس بل جیسے حرکت کرنے کے قائل ہوئی تھی ایک دم پلٹ کر بھاگتی دروازے سے نکل گئی، معاذ نے تھما ٹنگا سے جہان کو دیکھا تھا، جس کے چہرے کے عضلات میں تناؤ اور برہمی کا تاثر ہنوز تھا۔

”بیٹھ جاؤ ہے۔“ معاذ نے پہلے گلاس میں جگ سے پانی اٹھایا تھا پھر اسے کہنی سے پکڑ کر خود صوفے تک لایا، جہان یوں گہرے سانس بھر رہا تھا جیسے خود پہ قابو پانے کی کوشش میں مصروف ہو۔

”ریلیکس یار۔۔۔۔۔ کام ڈاؤن، میں ایک آپریشن کے سلسلے میں یہاں آیا تھا، سوچا تم لوگوں سے ملنا چلوں مگر۔۔۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ کر پھر اسے حیرانی سے دیکھا۔

”پلیز معاذ لیوی، لون۔“ وہ سخت عاجز ہو کر بولا تھا، معاذ نے شاکی ہو کر اسے دیکھا، البتہ کہا کچھ

نہیں تھا۔
 ”او کے فائن، مگر پلیز کنٹرول یور سیلف لو کے؟“ اس کا اندھا چپکنا ہوا اٹھ کر نوب کی تلاش میں
 باہر آ گیا۔ وہ اسے بیڈروم میں بستر پہ اونڈھی پڑی سکتی ہوئی ملی تھی، اس کی محض ایک پکار کے جواب میں
 وہ بے تابی سے اٹھ کر اس سے لپٹنے ہی دعا میں مار کر کچھ اس وحشت سے روکی کہ معاذ کو اسے سنبھالنا
 مشکل ہونے لگا۔

”آپ نے خود دیکھا نا لالے، جے نے مارا ہے مجھے، کیا فرق ہے ان میں اور تیمور میں، بتائیں
 مجھے۔“ بری طرح سے ہلکتی ہوئی وہ بار بار ایک ہی سوال کرتی ایک ہی بات کو دہرائی رہی تھی۔
 ”تم لوگ لازماً مجھے پاگل کرو گے، اتنا تو میں بھی جانتا ہوں، جے خواہنا نہیں ہاتھ اٹھا سکتا تم پہ،
 یقیناً تمہارا قصور ہو گا کوئی۔“ معاذ کا یقین اتنا کامل ہو گا یہ تو خود جہان کو بھی اندازہ نہیں تھا، وہ اس درجہ
 شدید فینشن کے باوجود عجیب سے انداز میں مسکرا دیا تھا اور وہیں سے پلٹ گیا، جبکہ نوب سخت بدگمان ہو
 کر معاذ کے کاندھے سے الگ ہو گئی تھی۔

”ہاں میں ہی ملتا ہوں، آپ بھی سزا دیں نا مجھے کوئی۔“ وہ آنسو پونچھتے ہوئے زور سے چلائی تھی،
 معاذ نے جواباً تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا۔

”اپنا مزاج بدلو نوب، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے بات کرنے کا۔“ نوب جواب میں کچھ کہے بغیر
 ہاتھوں میں چہرا اٹھانے لگی۔

”ہوا کیا تھا، ساری بات بتاؤ مجھے، جے کو تم نے کس بات پہ ناراض کیا کہ وہ اس حد تک چلا گیا، مائی
 گاڈ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ وہ جے تھا، اتنا کول بندہ مگر اس وقت اتنے غصے میں۔“ معاذ واقعی ہی
 پریشان اور مضطرب ہو چکا تھا۔

”نوب کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے؟“ نوب کی خاموشی پہ معاذ نے ایک بار پھر اسے جھڑکنے والے
 انداز میں مخاطب کیا تو وہ ایک بار پھر چیخ پڑی۔

”اگر آپ کو مجھ سے زیادہ ان پر اعتبار و یقین ہے تو پھر افسی سے کریں یہ سوال جا کر۔“ اس کے
 جواب نے معاذ کا بھی دماغ گھما کے رکھ دیا تھا۔

”بہت بد تمیز ہو تم زینی، دل تو چاہ رہا ہے دو چار تھپڑ چھیں میں بھی لگا دوں، اسی قابل ہو تم۔“ وہ تلخی
 سے کہتا کرے سے گیتاب نوب کے چہرے پہ کرب آمیز مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

(بس جے اب آپ نہیں میں خود بری بنوں گی، غلطی میری تھی نا، سزا بھی مجھے یہ بھگتنی ہے چاہے وہ
 آپ سے الگ ہونے کی ہو چاہے خود کو بار بار سولی چڑھانے یعنی تیمور کی تحویل میں دینے کی یہ بھی تو
 خود کشی کے برابر ہی ہے۔)

☆☆☆

”کھانا تو ڈھنگ سے کھاؤ تم، کیا ہو گیا ہے یار۔“ معاذ نے اسے چند لوالے لے کر ہاتھ کھینچتے دیکھا
 تو ٹوک دیا تھا۔

”بس اتنی ہی بھوک تھی مجھے۔“ وہ نیپکن سے ہاتھ پونچھ رہا تھا۔

”نوب نے بھی کھانا نہیں کھایا، میں تو حیران ہوں تم لوگوں کا بنے گا کیا؟ وہ اتنی احمق ہے، اپنا

ماہنامہ صنا (37) اگست 2014

غصہ بچی پہ نکال رہی تھی، بددعا میں ”اور ہر کٹائی، بھلا ہے وہ اتنی بڑی کہ یہ سلوک کیا جائے اس سے۔“ معاذ خنت متاسف سا کہہ رہا تھا، جہان نے ہونٹ جھینچے رکھے۔

”میں چائے بنا رہا ہوں، پیو گے یا تم؟“ معاذ نے کرسی دھکیلتے ہوئے اس دیکھا، جہان نے سر کوئی میں جنبش دی۔

"نوشٹکس میں تھا ہوا ہوں، سوڈاں گا۔"
 "واقعی؟" معاذ نے اس کی آنکھوں میں کچھ ایسی غیر یقینی سے جھانکا تھا کہ جہان تنگ پڑنے لگا۔
 "جے میں صرف یہ بات سمجھتا نہیں ہوں مجھے یقین ہے تم بہت سمجھدار ہو، معاملہ یقیناً شیسر نہیں کرنا
 چاہو گے، نو برا بلیم، مگر اسے سدھار دے ضرور۔ ہے نا؟" وہ بے نہیں اس سے وعدہ چاہ رہا تھا یا سلی،
 جہان خاموش نظروں سے اسے دیکھ رہا پھر گہرا سانس نعر کے آہستگی سے سرکواشات میں ہلادیا تھا۔
 "نوشٹکس ہے، مجھے تم آج بھی اتنے ہی عزیز ہو جتنے ہمیشہ تھے اور ہمیشہ رہو گے۔" معاذ نے اسے
 بازو کے حصار میں لے کر کہتے اسی خلوص اور محبت کا اظہار کیا تھا، جوان کے بیچ ہمیشہ سے قائم رہا تھا،
 جہان کی آدمی سے زیادہ کلفت گو یا اسی ایک ٹپ میں دور ہو گئی تھی۔

”تمہاری بہن ذرا تھوڑی سی ٹیڑھے مزاج کی ہیں مگر ڈینٹ دہری میں سدھار لوں گا اسے۔“ اس دوران پہلی بار ہنگی کی مسکان کی جھلک اس کے چہرے پر اتری تھی۔

یہ ہوئی نامردوں والی بات، مگر جان من مادر نہیں پیار، یہ قوم پیار سے ہی رام ہوتی ہے یا در ہے۔"

معاف نے صرف نصیحت نہیں کی، اپنا تجربہ بھی بیان کیا تھا، جہان نے جواب میں اس کے ہاتھ کو نرمی سے دبا کر تسلی سے لواڑا تھا، معاف کے کمرے میں جانے کے بعد جہان خود بھی دل کڑا کر کے بیڈ روم میں آیا تھا، مائٹ باب کی نیٹکوں روشنی میں وہ اسے صولے پہ لیٹی نظر آئی، سینے سے فاطمہ کو چمپایا ہوا تھا، پتہ نہیں سورج بھی کہ جاگ، جہان سست قدموں سے چلتا ہوا قریب آ گیا، جھک کر پہلے فاطمہ کو اس کی بانہوں کے حصار سے نکالا تھا اور احتیاط سے کاٹ میں لٹا دیا، نہ بے نے جی نیند سے ہڑبڑا کر اسے دیکھا ضرور ابنتہ کسی قسم کی مداخلت نہیں کی تھی۔

”نہ سب!“ وہ کروٹ بدل کر درخ دوسری جانب کر چکی تھی جب جہان کی آواز پہ ایک دم سے ساکن ہو کر رہ گئی۔ جانے کس لیے نگام جذبے کے تحت دل پانی بن کر پکھڑا اور آنکھیں شدتوں سے ابل پڑیں۔

”مجھے پتہ ہے تم سو نہیں رہی ہو۔“ جہان نے کہا تھا اور ہاتھ بڑھا کر اس کی کمر میں بازو اس انداز میں مائل کیا کہ ایک ہل میں سارے فاصلے سمٹ گئے تو اس میں سارا جہان کی ہی کوشش کا عمل دخل نہیں تھا اس کا اپنا بھی تھا، وہ اس کے بازو سے لپٹ گئی تھی۔

”آپ نے مجھے مارا ہے۔“ وہ ہچکیوں اور سسکیوں سے روئے گئی، جہان نے اس کے ہر آنسو کو اپنے ہونٹوں سے چٹا تھا۔

”تم نے بات ہی بہت غلط کی تھی زینبی۔“ وہ اسے اپنے بازوؤں میں کسی قیمتی متاع کی طرح سے اٹھا کر بیڈ پر لایا تھا۔

”وہ قہمی مجھے ایسے ہی مارتا تھا پھر کیا فرق رہا اس میں اور آپ میں۔“ وہ ہچکیوں کے سچ بولی تھی، لہجہ میں ہوکتا ہوا کرب اور اذیت کی انتہا تھی، جواب میں جہان کو چپ لگ گئی تھی، اس نے اس بات کا

جواب زبان سے نہیں مل سکا تھا، اس نے اتنی توجہ، اتنی نرمی اتنی محبت سے اسے چھوا تھا اسے برتا تھا کہ وہ خود پہنا اس ہو جاتی، جہان نے بتایا تھا تیمور اگر وحشی درندہ تھا تو وہ عشق کی معراج کو چھو کر لوٹا تھا، تیمور نے اسے لوٹا تھا تو وہ اسے انمول کر رہا تھا، تیمور نے اسے بے پایا کیا تھا، تو وہ اسے مستہر کر رہا تھا، بس یہی فرق تھا، اس میں اور تیمور میں۔

☆☆☆

اگلے دن کی صبح بے حد حسین تھی، چٹیلی روشن اور دکتی ہوئی، جہان نماز پڑھ کے لوٹا تو نوبت ہونے لگی۔ میں موجود تھی، جہان نے ہنس کر آہستگی سے اس کا گال چھسپایا تھا۔
 ”صبح بخیر میم!“ اس کی آنکھوں میں صرف شرارت نہیں تھی، بھرپور آسودگی اور بخار آلودہ بھی تھا، نوبت اسے دیکھتی رہ گئی، دھیرے دھیرے رات کے سارے منظر اس کی نگاہ میں روشن ہوئے تو اس کے وجود پہ سنانے سے چھائی گئے تھے، پہلے نگاہ جھکی پھر وہ خود میں گئی تھی اور جیسے اس نقصان پہ ششدر رہ گئی تھی، یہ کیا ہوا تھا، ہنا چھپا کھیل اس نے خود بگاڑنے میں کسر نہیں چھوڑی تھی، اس نے بے دردی سے ہونٹ کھینچے تھے، کل جو کچھ بھی ہوا تھا اس کے پیچھے تیمور کی شدید اور خوفناک دھمکیاں تھیں اور وہ اتنی خوفزدہ ہو گئی تھی کہ اس کی خواہش کے مطابق ماحول کو خراب کر کے جہان کو پریشان کرنا شروع کر چکی تھی، وہ جانتی تھی کہ قصہ اور نشہ ہی انسان کے ایسے دشمن ہیں جو اسے برہادی کی آخری حد تک لے جاتے ہیں، تیمور نے نشے میں اسے چھوڑا تھا وہ جہان کو غصے میں لا کر یہ کام کرانا چاہتی تھی، ورنہ تیمور جیسا درندہ صفت انسان وہ کرنا جو اسے دھمکیاں دے چکا تھا، اس نے بہت سوچا تھا مگر وہ جہان کو نقصان پہنچانے کے تصور سے ہی لرز اٹھتی تھی، جہان سے صرف اس کی ذات نہیں وابستہ تھی، ڈالنے لگی اس کا ہونے والا بچہ اور خود اس کی پوری فیملی، جبکہ وہ اگر تیمور کی بات مان لیتی تو کیا ہوتا، وہ خود برہاد ہوئی نا تو اس میں کیا تھا، وہ تو پہلے بھی برہاد ہو چکی تھی، فیصلہ ہوا تو اس نے دل پہ پتھر رکھ لیا، مگر جہان کے ہاتھ اٹھانے کے بعد اس کے اندر کی حالت ہی بدل گئی تھی، عقل پہ جذبات غالب آ گئے تھے، یہ وہ جہان تھا جس کی نگاہ نے بھی کبھی سختی سے نہیں چھوا تھا اسے، کہاں اتنی وحشت کہ وہ اس پہ ہاتھ اٹھا چکا تھا، وہ تو جیسے پاگل ہونے لگی تھی دکھ اور صدمے سے ایسے میں جہان کی ذرا سی توجہ اسے پیاسی دھری میں بدل گئی تھی، اگر جہان مہربان بادل بن کر چھایا تھا، اس پہ تو حواسوں میں وہ بھی نہیں رہی تھی، جیسی تو صدیوں کے فاصلے مت گئے تھے، تمام گلے دور ہو گئے تھے، کتنا مہکتا ہوا تھا وہ حصار جس میں مقابل کی بے خودی کے گہرے تاثر میں بھی دھیمان اور توجہ کے رنگ واضح اور اہم تھے، ہاں بس ایک شکایت پھر بھی اسے ہو گئی تھی، اس درجہ قربت میں بھی جہان نے اس پہ اظہار محبت کا ایک موٹی بھی پنچا اور نہیں کیا تھا، اس نے پھر جانا تھا کہ جہان کی محبت جو کوئی بھی تھی مگر وہ نہیں تھی۔

”آج ناشتہ نہیں ملے گا جناب!“ جہان نے اسے چونکانے کو باقاعدہ کھنکار کر کہا تب وہ جیسے گہری نیند سے جاگی۔

”رات کیوں آئے تھے میرے پاس آپ؟“ وہ لہجہ و انداز بدل کر نامن کی طرح سے پھنکار اٹھی، جہان تو ہکا بکا رہ گیا تھا۔

”کیا مطلب ہے؟“ وہ ٹھٹھک کر بولا، چہرے پہ سکی کا احساس چھٹک پڑا تھا۔

ماہنامہ حنا (39) اگست 2014

"ابھی بھی مجھ سے مطلب پوچھتے ہیں، مطلب پرست تو آپ اٹکے، مجھے ہرگز بھی اندازہ نہیں تھا کہ آپ کا نفس اس قدر کمزور ہوگا۔" وہ جہان بوجھ کر ایسے الفاظ کا استعمال کر رہی تھی جس سے جہان کو زیادہ طیش آ سکے۔

"نہیں حواسوں میں ہوشم؟ اندازہ ہے کیا کہہ رہی ہو؟" جہان ہا مشکل خود کو کنٹرول کر رہا تھا، البتہ اس کا چہرہ اب لہجہ سرخ پڑتا جا رہا تھا۔

"ابھی تو حواسوں میں لولی ہوں، آپ نے میری کمزوری سے خوب فائدہ اٹھایا، میں پوچھتی ہوں آپ نے میری اجازت کے بغیر مجھے چھوا بھی کیسے؟" اس نے بھڑکتے ہوئے سائیڈ پہ پڑا گلدان اٹھا کر زور سے زمین پہ مارا تھا، جہان کا ضبط بھی بس یہیں تک تھا۔

"چیچو مت، اپنی گھٹیا اور فضول بکواس بند رکھو، معاذ یہیں ہے اس تک تمہاری آواز نہیں جانی چاہیے۔" وہ آگے بڑھ کر اس کے بازو کو زوردار جھٹکا دیتے ہوئے بولا تھا۔

"چیچو، نا، بکواس بند کرنا چاہتے ہیں؟ میں ساری دنیا کو آپ کی اصلیت دکھاؤں گی۔" وہ طیش میں آئی وہ اسے دھکا دے کر اگلے قدموں پیچھے ہٹ گئی تھی کہ اس ہلے بے اختیار کراہتی بے دم سی ہو کر نیچے بیٹھ گئی، وہ نیچے پاؤں تھی، کچھ دیر قبل نوٹے دانے کے نوکیلے ٹکڑے اس کے پیروں میں کھب کر اسے زخمی کر گئے تھے، خون بہت تیزی سے نکل کر ماربل کے سفید فرش کو رنگین کر لے گا، جہان جو شاکہ کھڑا تھا سب کچھ بھلا کر تیزی سے اس کی جانب آیا۔

"مائی گاڈ..... کیا کیا ہے یہ تم نے؟" وہ جیسے صدے سے چور آواز میں بولا تھا، نہنب بے حس سی بیٹھی رہی۔

"انٹو ادھر بند پہ آؤ۔" جہان نے اس کے پیروں سے پہلے نوکیلے کاٹے کھینچے تو خون کا اخراج کچھ اور تیزی سے بڑھا تھا جسے ایک نگاہ دیکھتے اسے سہارا دینا چاہا مگر وہ بری طرح سے چل گئی۔

"زونت چیچی وہ کے؟" اس کے لہجے میں غراہٹ تھی، جہان سخت عاجز ہوا تھا پھر جیسے اس کی بات پہ دھیان رہے بغیر اٹھا کر اسے قریبی صوفے پہ بٹھا دیا اور خود معاذ کو بلانے بھاگا تھا، نہنب نے دھندلے اور نظروں سے اپنے زخمی پیروں پہ نگاہ کی تو جیسے گلیجہ منہ کو آنے لگا، زخم بے حد گہرے تھے اور خون اتنی تیزی سے بہہ رہا تھا، تکلیف کا احساس تو ایک طرف تھا اسے تو اتنے خون نے عجیب سی وحشت سے دو چار کیا تھا، تب ہی سلپنگ گاؤں کی کھلی ڈوریوں کو غلٹ میں باندھتا بھرے ہالوں اور سرخ آنکھوں میں پریشانی کا تاثر لئے معاذ وہاں آیا تھا اور نہنب کی حالت دیکھ کر وہ چند ثانیوں کو بھونپکا رہ گیا تھا۔

"زینی میرا دھر کرو۔" معاذ تیزی سے حرکت میں آتے ہوئے چھوٹی ٹیبل گھسیٹ کر سامنے رکھنے کے بعد خود اس کے پیراٹھا کر اس انداز سے نکائے تھے کہ زخمیوں کا معائنہ کرنے اور مرہم پٹی کرنے میں سہولت رہے اور اس کی ہل وہاں میڈیکل باکس کے ساتھ پہنچنے والے جہان سے باکس لے لیا تھا، یہ فرسٹ ایڈ کا سامان اس کے پاس بروقت کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں کام آنے کو موجود ہوا کرتا تھا۔

"اسٹینک ہوگی جے تم ایسا کرو زینی کو یہاں سے اٹھا کر وہاں بستر پہ لٹا دو، زخم بہت گہرے ہیں، اسے پہلے انجکشن لگنے ہوں گے۔"

میڈیکل باکس نوکھول کر اپنی مطلوبہ دوائیں اور اوزار نکالتے ہوئے وہ بے حد سنجیدگی کے ساتھ

جہان سے مخاطب ہوا تھا، جہان اپنی جگہ پہ مضطرب سا کھڑا رہ گیا، نذیب کی جو ذہنی حالت تھی کچھ پتہ نہیں تھا وہ معاذ کے سامنے بھی کیا کچھ بول جاتی تھی وہ اس کے پاس جانے کے خیال سے بھی خائف نظر آ رہا تھا، معاذ انجکشن تیار کر چکا تھا اس کی اس پس و پیش کو پنٹ کر حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔

”جے۔۔۔۔۔ کچھ کہا ہے تم سے میں نے۔“ وہ نرمی سے سمجھایا یا تھا، بلکہ حقیقت یہ تھی کہ اسے پہلی بار جہان پہ غصہ آیا تھا، نذیب کی تکلف اور حالت کے باوجود اس کی یہ خاموشی جو بے حسی کی طرف اشارہ کر رہی تھی معاذ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی جہان نے ہونٹ کیلے پھر کسی قدر گریز کرنی نظروں سے نذیب کو دیکھا تھا، وہ سر جھکاتے ہوئے جیسی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات کا وہ ہرگز بھی اندازہ لگانے میں ناکام رہا تھا۔

”میں خود وہاں چلی جاتی ہوں لالے!“ وہ بھینکی اور مدہم آواز میں بولی اور اسی ارادے سے اٹھنا چاہا تھا کہ معاذ نے گھبرا کر اسے تھاما تھا۔

”زینی تم فی الحال تو کیا اب اگلے بہت سارے دن تک چلنے کے قابل نہیں رہی ہو اے؟“ اس نے کس قدر دکھ اور تاسف میں جتلا ہو کر یہ بات کہی تھی، جہان نے اس انکشاف پہ پہلو بدل کر معاذ کو دیکھا تھا۔

”تم کس سوچ میں گم ہو جے؟ کچھ کہا ہے تم سے، اگر میرے سامنے شرمارہے ہو تو میں ہا ہر چلا جاتا ہوں۔“ اب کے معاذ کے لہجے میں جتلائی ہوئی ناراضگی تھی، جہان کو دل کڑا کر کے آگے بڑھنا پڑا، نذیب کو اٹھاتے ہوئے اس کی نگاہ ایک لمبے لمبے چہرے کے چہرے پہ ٹھہری تھی، اسے ہونٹ بھیج کر چہرے کا رخ پھیرتے دیکھ کر اسے اپنا خون کھولتا ہوا محسوس ہوا تھا اور جب وہ اسے بستر پہ لٹا کر سیدھا ہو رہا تھا، جو اس وقت اس کے اعصاب کو جھٹکا لگا تھا اس کی شرٹ نذیب نے سلیپوں میں بھیج رکھی تھی، اتنی شدت سے کہ جہان کو باقاعدہ زور لگا کر پھڑپھڑا پڑی تھی، اس نے حیران و حیرت زدہ نگاہ سے نذیب کا چہرہ دیکھا جو آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا اور لمبی ریشمی پلکوں سے بھی آنکھیں سختی سے بند تھیں، جہان کو عجیب سے احساسات نے گھیر لیا اس نے انہی احساسات سے چچھا چھڑانے کو نذیب کے ہاتھوں کو زور سے جھٹکا تھا اور فاصلے پہ ہو گیا، جب تک معاذ نذیب کے زخموں کی مریم پٹی کرتا رہا نذیب کے آنسو اسی شدت سے بہتے رہے تھے۔

”زینیکیس زینی گڑبا! میں تمہیں چین بھر دیتا ہوں، ابھی درد ختم ہو جائے گی۔“ معاذ نے اپنے تئیں اسے تسلی دی تھی، پھر چند منٹیں ٹکال کر جہان کے آگے رکھی تھیں۔

”یہ نذیب کو کھلا دو جے، نیند کی بھی دوا ہے اس میں۔“ جہان کو ناچار دوا لیتی پڑی تھی، پانی کا گلاس اٹھا اور ٹک سے پانی نکال کر اس کے پاس آگیا تھا، جہان نے کچھ کہے بغیر اس کا ہاتھ پکڑ کر گولیاں ہتھیلی پر منتقل کی تھیں اور گلاس اس کے نزدیک رکھ دیا، نذیب کی آنسوؤں سے چھلکتی نظریں مستعلیٰ اسی پہ جمی ہوئی تھیں، جہان کو اس کی انہی نگاہوں سے تپ چڑھ رہی تھی۔

”کیا ثابت کرنا چاہتی تھی وہ معاذ کے سامنے کہ سارا قصور اسی کا تھا۔“

(وہ وقت گزر گیا نذیب بیگم جب تم ہر الزام مجھ پہ رکھ کر بری ذمہ ہو جاتی تھیں، تمہاری اب کی کوئی بھی بد تمیزی کے جواب میں میں تمہیں ایسا سبق سکھاؤں گا کہ ہمیشہ یاد رکھو گی۔)

ماہنامہ حنا (41) اگست 2014

اس کا دماغ کیسے دھوئیں سے بھرنا چاہتا تھا، زینب نے دوا بھانگی اور پانی کے چند گھونٹ بھرے، گلاس واپس رکھتے ہوئے اس نے دوسرے ہاتھ سے بھیگی آنکھوں کو رگڑا تھا، اس دوران کاٹ سے فاطمہ کے رونے کی آواز آنے لگی، زینب کے ساتھ معاذ اور جہان نے بھی چونک کر اس سمت دیکھا تھا، معاذ نے دانستہ تعافل برتا تھا، جہان البتہ اس کی کیفیت سے انجان آگے بڑھ چکا تھا، فاطمہ کو کاٹ سے اٹھا کر اس نے اپنے طور پر بہلانے کی کوشش کی مگر بچی بے چین ہو رہی تھی ماں کی آغوش کو۔

”تم دونوں آپس میں ابھی تک بات نہیں کر رہے ہو؟“ معاذ نے جہان کے گریز اور زینب کی بے نیازی سے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، جہان نے ٹھنڈا سانس بھر کے فاطمہ کو زینب کی گود میں دیا اور جواب میں کچھ کہے بغیر باہر نکل گیا تھا۔

”جسبیس نہیں گنتا ہے جے کہ تم لوگ ایک معمولی جھگڑے کو طول دیئے جا رہے ہو؟“ معاذ بے بسی سے کہتا اس کے پیچھے آیا تھا۔

”تمہاری بہن کا دماغ خراب ہو گیا ہے معاذ! میری بجائے بہتر ہے یہ بات تم اسے سمجھاؤ۔“ وہ بھڑک کر پھٹ پڑنے کے انداز میں بولا تو معاذ نے اچاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

”کیا سمجھاؤں؟ مجھے کسی بات کا سرا بھی تو تھا، ایسی کون سی راز داری کی بات ہے آخر؟“ معاذ کے سوال پر جہان کا چہرہ ایکلخت سرخی مائل ہو کر رہ گیا۔

”میں ناشتہ بنانے جا رہا ہوں، جو کھانا ہے بنا دو۔“ اس کا سوال یکسر نظر انداز کیے وہ ایک نئی بات کر رہا تھا، معاذ بری طرح سے جھلا گیا، جہان کمرے سے جا چکا تھا، معاذ ہاتھ لے کر تیار ہونے کے بعد وہاں آیا تو جہان ناشتے کی ٹرے وہیں لے آیا تھا۔

”مجھے ابھی واپس جانا ہو گا جے، تم لوگ تو روکو گے نا؟“ معاذ کرسی تھپتھپ کر بیٹھتے ہوئے اسے مخاطب کر چکا تھا۔

”مجھے بھی رگ کر کیا کرنا ہے، آج شام تک ہو سکتا ہے آجائیں۔“ جہان نے سلاکس پہن لگا کر پیٹ اس کے آگے رکھی۔

”جائے پوؤ گے یا جوس دنوں؟“

”تم ناشتہ کرو یا ر میں لے لوں گا اور واپس کیسے آؤ گے، زینب ایک قدم چلنے کے بھی قابل نہیں ہے، اگر یہ واز نوٹا تھا تو تم لوگوں کو چاہیے تھا اس کی گرچیاں کم از کم سائینڈ پہ کر دیتے، حد ہے ادا پر دہی کی۔“ معاذ کو پھر سے تاسف گھیرنے لگا۔

”یہاں بھی تو میں نہیں رگ سکتا نا، اتنے دن، پھر ہر روز اس کی ڈریسنگ چینج ہوتی ہے، میں کہاں ڈائری کے پاس لے کر جاؤں گا، اگر یہاں کے آپس بھی چاؤں تو پیچھے اس کی دیکھ بھال کون کرے گا؟“ جہان کے لہجے میں اتنی جھنجھلاہٹ اور بے زاری تھی کہ معاذ کی آنکھیں حیرت کے واضح اظہار کے طور پر پھٹ چلی گئیں، اسے یقین نہیں آ سکا تھا یہ جہان ہے، وہی جہان جسے زینب کو کھودینے کے احساس سے بے حال ہو کر بار بار مرتبہ آنسو بہاتے وحشت زدگی کے عالم میں وہ دیکھ چکا تھا، اسے ایسی چپ لگی تھی کہ وہ کچھ بول نہیں سکا، ناشتے سے بھی اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا، تب ہی جہان کو اپنے رویے کی شدت کا اندازہ ہوا تھا، جیسی نفقت کا گہرا احساس رگ اپنے میں سرایت کرنا چلا گیا۔

ماہنامہ منا (42) اگست 2014

"جانیں رہے ہو تم؟" جہان اسے اٹھ کر لاؤنج کے صوفے پہ نیم دراز ہوئے دیکھ کر مدہم سے انداز میں استعجابی لہجے میں بولا تھا۔

"میں شام کو تمہارے ساتھ ہی چلوں گا، نینب اور فاطمہ کو اکیلے تم کہاں سنبھال سکو گے، کسی بھی فلائیٹ سے تم سیس کنفرم کرا لو۔" معاذ کے جواب پہ جہان نے ہونٹ کھینچ لئے تھے، صاف پہچن چکا تھا وہ اس کی گفتگو سے ہرٹ ہوا ہے، جو بھی تھا اس میں معاذ کا قصور کہیں بھی نہیں ملتا تھا، اسے کم از کم معاذ کے سامنے یوں ہاتھ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

"آلی ایم ساری فار دیٹ۔" جہان نے اس کے ہاتھ کو تھام کر نرمی سے دہرایا تھا، معاذ نے لمحہ بھر کو سرخ ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اس اوکے، میں سمجھ سکتا ہوں تم لازماً کسی کریم شکل چوئیشن کو فیس کر رہے ہو، میں نے مانیفٹ نہیں کیا بس تمہارا بوجھ بانٹنا چاہتا ہوں۔" اس کا لہجہ صرف مدہم نہیں تھا بوجھ بھی ہو رہا تھا۔

"مجھے نینب بہت پریشان کر رہی ہے معاذ، کل ڈائریس کا مطالبہ کر رہی تھی مجھ سے۔" اس نے ہینچے ہوئے لہجے میں کہہ کر سوطیہ لگا ہوں سے اسے دیکھا تھا، جبکہ معاذ کہتے میں آگیا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو جے؟" اس کے حلق سے سرسراہی آواز نکلی تھی، جس میں غیر یقینی اور استعجاب کا تاثر چمکتا تھا۔

"مجھے نہیں پتہ اس کے دماغ میں کیا چل رہا ہے، تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے؟" اس کے چہرے پہ بے بسی سی بے بسی تھی۔

"کیس وہ اس بات سے تو خائف نہیں کہ تمہاری غلطی ہوئی تو جہاں سے پریشان کرتی ہے؟"

"لیکن اگر ایسا ہے بھی تو اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ سکریٹری فائز ڈالے نے ہی کیا ہے۔" کچھ تاخیر کے بعد معاذ نے پھر کہا تو اس کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

"اتنا تو میں بھی جان سکتا ہوں کہ اس کی کیفیات متضاد ہیں، وہ کسی بات پہ شدید مینشن میں جتا ہے، ایک لمحے اگر فیسے میں ہوتی ہے تو دوسرے لمحے اس قدر بے چین حراساں اور مضطرب، معاذ مجھے لگتا ہے وہ مجھ سے شیر نہیں کرے گی، تم یہ کوشش کر کے دیکھو۔" جہان نے کسی خیال کے تحت کہا تھا، معاذ گہرا سانس بھر کے سر کو ٹٹی میں جنبش دینے لگا۔

"وہ مجھ سے ہرگز بھی اتنی بے تکلف نہیں ہے کہ اپنی الجھن یا پھر پریشانی کو مجھ سے کہنے پہ آمادہ ہو جائے، میری نسبت وہ تم سے زیادہ کلوزر ہی ہے ہمیشہ تم خود کیوں نہیں کرتے یہ کوشش۔"

"انویسار۔۔۔۔۔ اس کی مینشن کا باعث ہی میری ذات ہے، مجھ سے کیسے کہے گی وہ، مجھے کبھی تو لگتا ہے وہ اب بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، ایک بار پھر اس پہ زبردستی ہو گئی ہے۔" جہان بیک وقت پریشانی، فکر اور جھنجھلاہٹ میں جتا تھا۔

"ایسی فضول باتیں مت سوچو جے، نینب ایسا حراج نہیں رکھتی کہ اس پہ زور زبردستی چل سکے۔"

"پھر تم اسے جانتے ہی نہیں ہو، وہ میلے والی نینب کہیں سے بھی نہیں رہی، بالکل بدل گئی ہے۔"

جہان کے پر زور اور پر یقین لہجے پہ اس تشویش زدہ ماحول اور صورتحال کے باوجود معاذ کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھرتی چلی گئی تھی۔

”میں تو پہلے ہی اعتراف کر چکا ہوں جناب کہ مجھ سے کہیں زیادہ آپ اسے جانتے ہیں، سو آپ کی بات پر اتفاق کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں۔“ اس کے گفتگو کیجے نے جہان کے چہرے پر نجات کی سرخی بکھیری تھی وہ جھینپتے ہوئے اسے گھورنے لگا۔

”محترمہ نے کچھ کھائے پیے بغیر بائی پونسی کی دوا کیں نگل لی ہیں، مجھے تو خیال ہی نہیں رہا، ناشتہ دے آؤں۔“ وہ لرے اٹھاتے ہوئے بولا تو معاذ نے اسے بے دریغ گھورا تھا۔

”رات بھر وہ تمہارے ساتھ تھی، تمہیں خیال کرنا چاہیے تھا اس بات کا اگر وہ بھوکی تھی تو دوا نہ کھلاتے، مجھے کیا پتہ تھا۔“ معاذ اس پر چڑھ دوڑا تھا۔

”پریشانی ہی ایسی تھی کہ مجھے کچھ یاد نہیں رہ پایا۔“ جہان نے سخت زورہ انداز میں گویا اپنی صفائی پیش کی، معاذ کو ایک دم وہ بہت اچھا لگا تھا۔

”جے کل اور پھر آج صبح جو کچھ میں نے دیکھا اس کے بعد کئی بات ہے میں بہت خائف ہو گیا تھا تم سے یہ بھی حقیقت ہے نوبت کی ہٹ دھرمی اور ضدی طبیعت کو جاننے کے باوجود مجھ سے اس کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی، پہلے اور بعد میں بھی میں اسے تمہارے حوالے کرنے کے حق میں اسی لئے تھا کہ جانتا تھا تم اس کی بہت اچھے انداز میں کیئر کر لو گے، کل سے تمہارے رویے نے مجھے الجھایا ہی نہیں پریشان بھی کر دیا تھا مگر اب... جے مجھے پھر سلی ہوئی ہے کہ تم وہی ہے جو کیئرنگ اور لوگک ہے جس کو نوبت سے خصوصی طور پر مہبت ہے، اس کی بدتمیزی کو سدھارنا ضرور ہوگا، ہمیشہ کے لئے اس سے خفا نہیں ہونا کہ وہ پہلے ہی بہت دکھ اٹھا چکی ہے، اس نے اپنی تھوڑی سی فسطحی کا بہت بڑا خمیازہ بھگتا ہے۔“ معاذ کی آواز مدہم ہوتے آخر میں بالکل بوجھل ہو گئی تو جہان نے ٹرے واپس رکھ کر اسے تمام کر گئے سے لگا لیا تھا۔

”تمہیں یہ سب کہنے کی ضرورت نہیں ہے معاذ، وہ جتنی بھی بدل گئی ہو، میں وہی ہوں اور اللہ اللہ وہی رہوں گا بھی، صرف اس کے لئے نہیں باقی سب کے لئے بھی، کیا میں نہیں جانتا نوبت میری پوری فیملی کے لئے تھی اہم ہے۔“ وہ استھکتے ہوئے سلی بھرے انداز میں بولا تو معاذ نے اس کے کانڈھے سے سر اٹھایا تھا۔

”صرف فیملی کے لئے؟“

”نہیں میرے لئے بھی، میرے باپ۔“ وہ جھینپ کر اسے ایک دھپ لگاتے ہوئے بولا تو دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے تھے۔

ہٹا ہٹا ہٹ

جہان نے سرے سے اس کے لئے نازہ ناشتہ تیار کر کے لایا تو اسے وہ بیڈ پہ نظر نہیں آئی تھی، وہ حیران پریشان سا نظریں گھما کر اسے پورے کمرے میں دیکھنے لگا، زخمی پیروں کے ساتھ وہ بھلا کہاں جا سکتی تھی، نہ رے رکھ کر وہ سیدھا بورہا تھا جب واش روم کے دروازے کا ہالٹ کرنے کی آواز پہ چونک کر پٹا، سکیلے بالوں کو تو لیے میں لیٹے وہ چہرے پہ تکلیف کے آثار لئے دروازے کا سہارا لئے بچوں کے مل گھڑی نظر آئی تو جہان کا تشویش کے ساتھ غصے سے بھی برا حال ہو کر رہ گیا تھا، وہ سرعت سے اس کی جانب آیا تھا اور ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر اسے ہاتھوں پہ اٹھا لیا تھا، نوبت کو اس کی اس حرکت نے پہلے

نامہ سنا (44) اگست 2014

مشدد کیا پھر وہ بری طرح سے پھر کر رہ گئی تھی، مگر جہان نے اس کی مزاحمت کو خاطر میں لائے بغیر بیڈ پر ہی لا کر اسے چھوڑا تھا۔

”کیا بد تمیزی تھی یہ.....؟ میں کہہ چکی ہوں نا میرے ساتھ زیادہ فرینک ہونے کی ضرورت نہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیچھے دھکیل کر لفت زدہ چہرے کی گریز پائی کے ساتھ دبے لہجے میں چلائی۔

”دماغ تو تمہارا خراب ہو گیا ہے شاید، سنائیں تھا کیا کہا تھا معاذ نے، اگر واٹس روم جانا تھا تو مجھے کہا ہوتا، ناں مار لیا ہو گا زخموں کا، مجھے لگتا ہے نا کئے کئے ہیں۔“ جہان نے اس کے پیروں پر موجود سفید پٹیوں کو پھر سے خون سے رنگین ہوتے دیکھ کر پریشانی سے کہا تھا۔

”میں سر بھی رہی ہوں گی نا، تب بھی آپ کا سہارا لینا مجھے کو اور نہیں ہو گا، سمجھے آپ؟“ اس کی ذہنی حالت پھر سے بگڑنے لگی، جہان نے لب بکھینچ کر اسے دیکھا تھا اور کچھ دیر بوجھتی دیکھتا رہا۔

”میں جانتا ہوں نعناب تم مجھے پسند نہیں کرتی ہو، لیکن پریشان کرنے کا یہ طریقہ بالکل غلط ہے، میرا نہیں کم از کم خود سے وابستہ دوسرے لوگوں کا ہی خیال کر لو، معاذ بہت اپ سیٹ ہے اس وجہ سے۔“ اس نے خود کو کپوڑا رکھتے ہوئے بہت سلی سے اسے سمجھانا چاہا تھا اور ناشتے کی لڑے اس کے آگے رکھی۔

”مجھے نہیں کھانا یہ، اٹھائیں اسے۔“ نعناب نے بے حد بد تمیزی سے طرے کو دور سر کا یا، جہان ہونٹ بھیچنے اسے دیکھتا رہا۔

”آخر کیا چاہتی ہو تم مجھ سے؟“ وہ جیسے تنگ پڑنے لگا تھا۔

”میں کل بتا چکی ہوں آپ کو، بھول گئے ہیں یا پھر سے سننا چاہتے ہیں؟“ نعناب نے طنز آمیز نظروں کو اس پر بھایا، جہان کو پھر سے اپنا ضبط آزمانا پڑ گیا تھا۔

”تم جو مرضی کر لو، میں بھی تمہاری یہ فضول بات نہیں مانوں گا، شادی تمہارے نزدیک کوئی کھیل ہو گی مگر میرے نزدیک ایک مقدس بندھن ہے، جسے بار بار بنایا اور بگاڑا نہیں جاتا۔“ نعناب نے پھیکے پڑتے چہرے کو دیکھے بغیر وہ پلٹ کر باہر چلا گیا تھا، ایسے میں تیمور کی کال پھر سے آنے لگی تو نعناب نے انجام کی پردہا کیے بغیر سیل فون اٹھا کر دیوار سے دے مارا تھا۔

☆☆☆

”میں اب چل سکتی ہوں لالے؟“ معاذ اس کے پیروں کی ڈریننگ بدل کر سیدھا ہوا تو نعناب نے اکتاہٹ آمیز انداز میں استفسار کیا تھا۔

”نا کئے کئے ہیں دھم بھی بہتر ہے پہلے سے، مگر تم کچھ اور ریٹ کر لو گی تو تمہارے حق میں اچھا ہو گا۔“

”میں اکتا گئی ہوں لالے، پلیز مجھے چلنے دیں نا۔“ اس نے بے بس سے انداز میں منت کی تھی، وہ لوگ پرسوں ہی واپس کراچی آ گئے تھے، نعناب کی اس دن سے خصوص دیکھ بھال ہو رہی تھی۔

”تھوڑا بہت چل پھر لیا کرو، مگر زیادہ نہیں، کوشش کرو کسی کا سہارا لے لو، اس سے زخموں پر زیادہ بوجھ نہیں پڑے گا۔“ معاذ نے اس کی حالت پر رحم کھاتے ہوئے جہاں اجازت دی وہاں ساتھ میں ہدایت بھی جاری کی تھی۔

”نرینی آپا آپ میرا سہارا لے کر آ جائیں، میں آپ کو لان میں لے چلتی ہوں، موسم بھی بہت اچھا

ماہنامہ حسنا (45) اگست 2014

ہو رہا ہے۔" ڈالے جو اس کے لئے دودھ کا گلاس لے کر آئی تھی، نرمی سے بولی تھی، نذیب نے جواب میں سر دھکا ہوں سے اسے دیکھا۔

"تم اپنی ساری ہمدردیاں اپنے پاس سنبھال کر رکھو سمجھیں، ضرورت نہیں ہے مجھے ان کی۔" بدلتا علی کے اس مظاہرے نے صرف ڈالے کو ہی غفلت زدہ نہیں کیا معاذ کو بھی اپ سیٹ کیا تھا۔

"ڈالے بھابھی آپ کو جے کچھ دیر پہلے ہار رہا تھا، شاید آپ جگن میں تھیں تب۔" معاذ نے اس کی اڑتی ہوئی رنگت اور غفلت زدہ تاثرات سے خود شرمسار ہوتے ہوئے نرمی سے کہہ کر گویا خود نذیب کے رویے کی عافی کرنا چاہی تھی، وہ محض سر ہلا کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

"نکسن کے احسان کے بدلے برائی کرنے والے لوگ کم ظرف اور پست سوچ کی عکاسی کر رہے ہوتے ہیں نذیب، تمہیں کم از کم ڈالے بھابھی سے یہ رویہ سوت نہیں کرنا۔"

"نکسن؟ کون سا احسان کیا ہے اس نے مجھ پہ لالے؟ اسی کی وجہ سے زندگی تنگ ہو کر رہ گئی ہے مجھ پہ۔" وہ بھڑک کر اس یہ الٹ بڑی تھی۔

"ڈالے بھابھی کی جگہ اگر کوئی اور لڑکی ہے کی بیوی ہوتی تو آج تمہاری بھی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی تھی۔" معاذ نے نا چہتے ہوئے بھی اسے آئینہ دکھایا تھا، نذیب کی رنگت جانے کس احساس کے تحت سرخ پڑ گئی۔

"ہمدردی کی آڑ میں جو چہرہ اس نے میری پشت میں کھوپا ہے اس کی حقیقت سے آپ کہاں آگاہ ہو سکتے ہیں، کاش ایسا نہ کرتی وہ۔" اس نے ہنسنے لگا کہنے پہ معاذ نے جواباً اسے بہت غصے سے دیکھا تھا۔

"تمہارا مطلب دوسرے لفظوں میں یہ ہے کہ تم جے سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟"

"میں اس موضوع پہ اب کسی سے بھی کوئی بات نہیں کرنا چاہتی لالے۔" نذیب نے قطعیت بھرے ٹھوس انداز میں اپنا فیصلہ سنایا تھا، معاذ نے ہنٹ ہنٹ لہجے میں پھر اٹھتے ہوئے دو لوگ انداز میں جھٹکا کر گویا ہوا تھا۔

"اگر تم اپنے مسائل شیئر کرنے پسند نہیں کرتیں تو پھر بہتر ہے اپنا رویہ درست رکھو، مجھے آئندہ شکایت نہیں ملنی چاہیے۔" اس کی سخت تنبیہ کے جواب میں نذیب نے دانت پیچنے لئے تھے، معاذ کمرے سے نکل کر باہر لان میں آیا تو ڈالے کرسی پہ اکیلے بیٹھی فون پہ بات کرنے میں مصروف تھی اور کسی قدر منظر پر لگتی تھی۔

"میں نے کب کہا می کہ آپ نے غلط سنا ہے، میں آپ کو جھٹلا بھی نہیں رہی، اوکے ہم پھر بات کر لیں گے میں خود آپ کو کال بیک کروں گی می، ڈونٹ وری۔" معاذ کو دیکھ کر اس نے گھٹکو سمیٹ دی تھی اور بیل آف کر کے جبری مسکان لبوں پہ سجا کر اسے پیشنے کی آفر کی تھی، وہ جانتا تھا وہ بہت روادار تھی مگر وہ اس حد تک اعلیٰ ظرف ہوگی اسے اندازہ نہیں تھا، نذیب کی سخت سست من کر بھی اور معاذ کی خاموشی کے باوجود بھی وہ جیسے سب کچھ فراموش کیے اپنی اس نرم مسکراہٹ اور لہجے کی چاندی لٹاری تھی، معاذ کے دل میں اس کی عزت و توقیر کچھ اور بڑھنے لگی۔

"مجھے آپ سے نرمی کے ایٹی ٹیوڈ پہ ایکسکیوز کرنا تھا بھابھی، اچھے بچے وہ ان دنوں بہت آپ

ماہنامہ حنا (46) اگست 2014

سیت.....

”کم آن معاذ بھائی..... آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں۔“

”شرمندہ تو میں ہو رہا ہوں آپ سے بھابھی، آپ کی اچھائی اور اعلیٰ ظرفی کے سامنے۔“ معاذ کی نظریں جھکی ہوئی تھیں، ڈالے خفیف سانس پڑی۔

”آپ مجھے انسان ہی رہنے دیں، فرشتوں میں شامل نہ کریں پلیز، جب آپ سے اس قسم کی باتوں کو سختی ہوں تو مجھے شدت سے احساس ہوتا ہے میں اس گھر کے فریقین سے الگ ہوں، جسے اس کی کسی اچھائی کا خصوصی بدلہ دینے کی کوشش کی جا رہی ہو، بھائی انہوں کے لئے تو سب ہی کچھ نہ کچھ کرتے ہیں ناں اس میں احسان یا شکر یہ کی بات نہیں ہوئی، پھر یہ میں نے کوئی خصوصی کام کیا بھی نہیں ہے، شاہ میرے شوہر ضرور ہیں مگر جاگیر ہرگز نہیں تھے کہ میں نے انہیں کسی اور کے نام کر کے فرہانی دی ہو۔“ معاذ نے اس کی بات کے جواب میں مسکرا کر اسے تو صلی نگاہوں سے دیکھا تھا۔

”آپ کی سوچ بھی اعلیٰ ہے ماشاء اللہ! مگر انہوں میں اگر شکر یہ نہیں ہوتا تو اچھائی کے بدلے اچھے جذبات ضرور ہونے چاہیں، اس سے نیکی کے جذبے کو تقویت ملتی ہے اور نیکی پر دان چڑھتی ہے، زینب کا ایسی نیوڈ غلط ہے، مگر وہ کچھ اب سیت ہے، کہنے کا مقصد یہی ہے کہ آپ پلیز ہرٹ نہیں ہونے گا۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں بھائی! آپ پلیز میری وجہ سے پریشان نہ ہوں۔“ ڈالے نے مسکرا کر اس کی تسلی کرائی تب معاذ کسی قدر ریلیکس ہو کر وہاں سے اٹھا تھا، اس کے جاتے ہی ڈالے کا فون پھر سے بجنے لگا، ڈالے نے نمبر پر دھیان دیئے بغیر معاذ کی باتوں کو سوچتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔

”ڈالے کیسی ہو میری جان؟“ نیلمہ کی خوش باش چمکتی آواز پہ ڈالے بری طرح سے خائف ہو کر رہ گئی تھی۔

”کیوں فون کیا ہے؟ تمہیں پتہ ہے نامہری شادی ہو چکی ہے اب۔“ اس کی بے چین نگاہیں ادھر ادھر پھسلیں، دور دور تک کوئی نہیں تھا مگر وہ پھر بھی بری طرح پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔

”شادی ہو جانے کا مقصد یہ تو نہیں ہوتا سویت ہارٹ کہ انہوں سے تعلق ٹوٹ جاتا ہے۔“ نیلمہ نے اس کی بات کا یقیناً پرانا تھا جیسی جتنا نا ضروری سمجھا۔

”میرا تم سے کبھی بھی کوئی تعلق نہیں تھا، یہ بات میں متعدد بار تمہیں بتا چکی ہوں۔“ اب کے ڈالے نے گویا اسے اس کی اوقات یاد دلائی تھی، دوسری جانب جاتے نیلمہ پہ کیا کیا ہوتی تھی۔

”تمہارے کہنے سے تعلق ختم نہیں ہو جائیں گے، میں جب تک زندہ ہوں تم سے تعلق بھائی رہوں گی، اب تک ملک سے باہر تھی، اتنا عرصہ یاد نہ کرنے کی وجہ یہ ہی تھی۔“

”مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، آپ اس بات کو کیوں نہیں سمجھتیں؟“ وہ جھلا اٹھی تھی۔

”اتنا عرصہ ہو گیا ہے تمہاری شادی کو، اپنا دہلیا بھی نہیں دکھایا، ملنے تو خیر کیا آؤ گی، اپنی شادی کی تصویر ہی بھیج دو مجھے، آنکھیں ترس رہی ہیں تمہاری صورت کو۔“ اس کی دل شکن بات کے جواب میں وہ اسی تڑپ سے کہہ رہی تھی جو اس کے لئے ہمیشہ نیلمہ کے لہجہ و انداز سے چھلکا کرتی تھی۔

”اگر میں نے تمہیں تصویر نہیں بھیجی تو تمہیں اندازہ کر لینا چاہیے، اس کی وجہ کیا ہے، کتنی عجیب ہے تمہاری فطرت، جان بوجھ کر ہرٹ ہوئی ہو مجھ سے۔“ ڈالے نے اسے سخت ترین الفاظ میں بے نقط سنا

کر رابطہ منقطع کر دیا تھا، سیل فون واپس رکھتے ہوئے اس کی آنکھوں سے نمی پھیل کر روپے میں گم ہو گئی، کچھ آنسو اتنے بے مایا ہوتے ہیں کہ اپنی حیثیت لکھوں میں کھو جاتے ہیں، پہنے کی وضاحت کیے بغیر، یہ آنسو بھی ایسے ہی تھے، بے مایا، حقیر بغیر وضاحت کیے اپنا وجود کھودینے والے۔

ہوٹا ہوتا ہوتا

میرے طرف کا یہ قصور تھا کہ میں درد دل نہ چھپا سکا
میرے طرف نے بھی دغا دیا میں تو طرف بھی نہ بچا سکا
میرا نفس اک الاؤ تھا میری روح تک کو نگل گیا
کہ میں خواہشوں کے الاؤ کو نہ جلا سکا نہ بجھا سکا
لی مجھ کو جو بھی اذیتیں تھیں وہ انہوں کی عنایتیں
میں تمام عمر اسی خوف سے کوئی اپنا پھر نہ بنا سکا
مجھے مفلسی نے تھکا دیا میرے دلوں کو سلا دیا
مجھے لوگ کہہ کے جدا ہوئے کہ یہ رشتے نہ بھا سکا

بہت طوفانی موسم تھا، آندھی بارش اور بجلی کی گرج چمک، وہ میری پہ کھڑی بارش میں بہہ جھسی رہی عیب سی بے چینی اور وحشت اس کے وجود میں چمک پھریاں کھالی پھرتی تھی، اک طرف دل تھا اک طرف تیمور خان کی دہشت کے حصار میں جکڑنے والی روز بروز بڑھتی ہوئی دھمکیاں، وہ ہر صورت اسے دوبارہ سے حاصل کرنے کو پاگل ہوا چارہا تھا، ابھی کچھ دیر کل پھر اس کے پیچ تسلسل سے آتے رہے تھے، جن میں اپنے مطالبے کی شدت کا اظہار مچھتا نہ کیفیت میں اس تک پہنچایا گیا تھا۔
(اتنی دیر کیوں کر رہی ہو تم؟ ایسا نہ ہو صرف پچھتاوے تمہاری جھولی میں آگریں، خود کشی کے متعلق سوچنا بھی مت، میں تمہاری پوری نیکی کو زندہ درگور کر دوں گا۔)

اسے تیمور خان کے الفاظ ازیر ہو چکے تھے، آنسو بارش کے پانی کے ساتھ ٹھلنے لگے، کون تفریق کرتا بارش کی بوندوں اور کرب آمیزی کی انتہا پہ جا کر بہتے آنسوؤں میں۔۔۔ بظاہر تو وہ بارش ہی انجوائے کر رہی تھی۔

ممانے اسے بھیگتے دیکھ کر لو کا بھی تھا مگر اس پہ جیسے کسی بات کا اثر ہی نہیں ہوتا تھا، اسے قطعی سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ ایسا کیا کرے، جس سے سوائے اس کی اپنی ذات کے نقصان کے سب ٹھیک رہے اور تیمور کا مطالبہ بھی پورا ہو جائے۔

”زینی اندر جاؤ اب، بے موسم کی بارش میں اتنی دیر بیٹھنا بیمار کر دے گا تمہیں۔“ معاذ وہاں سے گزرا تو زنی سے ٹوکا تھا، وہ چونک گئی اور کچھ کہے بغیر پلٹ کر اپنے کمرے میں آگئی، کمرے میں اندھیرا تھا، فاطمہ جانے کہاں تھی، اس نے لابیٹ آن کی اور اپنے لئے کپڑے نکالنے لگی، معاذ کی بات غلط نہیں تھی، اسے ٹھنڈ محسوس ہونا شروع ہو چکی تھی، جیسی جو لباس ہاتھ لگا کھینچ کر دوش روم میں چلی گئی، ہاتھ لے کر کپڑے بدلے وہ باقاعدہ ٹھنڈ کر رہ گئی تھی، ابھی لابیٹ بند ہوئی تو ایک بار پھر گھپ اندھیرا چھا گیا، اس نے گہرا سانس کھینچا اور دروازہ کھول کر اندازے سے چلتی بیڈ تک آئی تھی، ٹھنڈ اور درد سے ٹوٹے بدن کو بستر پہ گرا کر اس کی خواہش سکون پانے کی تھی مگر اس کا سر زور سے کسی کے بازو سے ٹکرایا تو جیسے ری سی

ماہنامہ حسنا (48) اگست 2014

کسر بھی نکل گئی، اس کے اعصاب چنچ کر رہ گئے تھے، شاید نہیں وہ یقیناً جہان تھا جس نے بہت استحقاق بھرے انداز میں اسے بہت نرمی اور سجاؤ سے اپنے بازو کے حلقے میں لے کر خود سے نزدیک کر لیا تھا، حالانکہ وہ فاصلہ بڑھانے اور دور ہونے کو بے قرار ہوئی تھی۔

"اس لو کے، ٹیک اسٹ ایزی۔" جہان کے بھاری لہجے میں قربت کے خمار کا تاثر آتا تھا۔
 "مجھے چھوڑ دیں۔" اس کے لہجے میں اشتعال تھا نہ کی اس کے برعکس عجیب سی بے بسی تھی، جیسے اسے کوئی کند چھری سے ذبح کر رہا ہو اور وہ اس اذیت کے خوف سے نڈھال ہو کر التجاء پہ اتر آئی ہو۔
 "نننب۔۔۔۔۔!"

"پلیز بے۔۔۔۔۔ مجھ پہ جبر نہ کریں، میں نہیں خوش رہ سکتی آپ کے ساتھ۔" وہ جیسے تھک کر اسی کے کاندھے سے چہرہ گزرتے ہوئے ہلک پڑی تھی۔

"تم جانتی ہو میں تمہارا یہ مطالبہ قیامت تک نہیں مانوں گا، البتہ اپنی پریشانی کی وجہ ضرور بتاؤ مجھے۔" جہان نے بھی جواباً غصہ اور مٹی بھلا دی، اس کے لہجے میں ایسی ٹی نرمی اور سجاؤ تھا جیسے کسی چھوٹے بچے کو اس کی شرارت یا ضد سے باز رکھنے کو محبت سے سرزنش کی جائے۔
 "آپ کو یاد ہے جے اس رات آپ نے اک بات کہی تھی مجھ سے۔"

"کون سی بات؟" جہان کی توجہ اس کی بات سے زیادہ اس کے چہرے پہ تھی، اس کی نرم ہنسی پلکوں کو اس کے سینم میں نہائے ہونٹوں کو اور مسکتے مشکوہ بالوں کو وہ ایک بے خودی کے عالم میں چوم رہا تھا، نننب نے اسے روکنے کی سعی کی تھی مگر وہ ایسی رکاوٹ کو خاطر میں کہاں لا رہا تھا، شاید اس نے خود سے عہد کر لیا تھا، غرت اور بے زاری کی کاٹ کو محبت سے کند کرنے کا، نننب کو ایسے ہی لگا تھا۔

"آپ نے کہا تھا آپ کو مجھ سے محبت ہے، یہ سچ ہے ہے؟"
 "مجھے کیا ضرورت پڑی ہے جھوٹ بولنے کی۔" اس نے بے نیازی سے جواب دیا اب وہ اس کے نرم بالوں سے کھیل رہا تھا۔

"اگر میں اس محبت کے عوض آپ سے کچھ مانگوں تو دیں گے؟" نننب کے سوال پہ جہان کی گرفت اس کے وجود پہ مزید سخت ہو گئی۔

"کیا چاہتی ہو مجھ سے نننب؟" وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگا، لاسٹ ایکدم سے آگئی تھی، پورا کمرہ اس روشنی سے جگمگا اٹھا مگر وہ دونوں اسی طرح ایک دوسرے کے نزدیک رہے تھے، جہان کے چہرے پہ اس سول کے بعد اک الجھن اور کس قدر اضطراب در آیا تھا، نننب کی رنگت البتہ گلابی گلابی سی تھی، جہان اندازہ نہیں کر پایا یہ اس کی قربت کے باعث حجاب کا رنگ ہے یا پھر ضبط اور ناگواری کا تاثر۔

"مجھے اس محبت کا ثبوت چاہیے، دے سکتے ہیں؟" وہ اسے عجیب سے امتحان سے دوچار کر گئی، جہان اس کا مطلب سمجھ کر ہی ساکن ہوا تھا، مگر پھر خود کو سنبھال لیا اور اپنا چہرہ اس کے کچھ اور قریب لا کر سرگوشتی سے مشابہہ آواز میں بولا تھا۔

"حیرت ہے، تمہیں اسی رات ثبوت دے چکا تھا میں لیکن خیر پھر سکی۔" اس نے کاندھے اچکائے اور اس پہ مزید جنک کر خاصی گستاخی بھرے انداز میں اس کے ہونٹوں کو چوم لیا تھا۔

"بس اتنا ثبوت کافی ہے یا اور فراہم کروں؟" اس کے لہجے و انداز میں جگمگاتا ہوا ہی نہیں شرارت کا

ماہنامہ حنا (49) اگست 2014

بھی رنگ گہرا تھا، نسب کو اس سے کہاں ایسے جواب کی امید تھی، پہلے ہونٹ ہوئی پھر اسی لحاظ سے گفت زدہ شرم سے اس کا چہرہ ادبک کر سرخ ہوا تھا تو پلکوں پہ جیسے ایک دم بوجھ اتر آیا، جہان کی نگاہوں شوق و شرارت اور گستاخی کے بھرپور احساس کی لپکتی شعاعیں اس کے اندر تک اترتی چلی گئیں، اس نے بے دردی سے ہونٹ کاٹے تھے، مگر یہ کیفیت وقتی تھی اگلا احساس شدید سکی کا تھا، جہان کی اس فضول حرکت نے اس کا دماغ گھما ڈالا تھا۔

”آپ کو جرأت کیسے ہوئی اس گھٹیا حرکت کی؟“ وہ چیخ کر بولی تھی، جواب میں جہان کے مغرور چہرے کی معنی خیز مسکراہٹ اسے جلا کر خاستہ کر گئی تھی۔

”محترمہ اظلاما عرض ہے آپ بیوی ہو میری، اس قسم کی حرکتیں میں پہلے بھی سرانجام دے چکا ہوں مگر اس وقت محض آپ کی فرمائش پہ یہ سب ہوا ہے، یاد دلاؤں کہ ثبوت مانگ رہی نہیں آپ۔“ وہ اپنی سرانگیز مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھتے ہوئے بولا تو نسب اتنا جھلائی تھی کہ اس کی شرٹ کا کالر پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا تھا، اس سے قبل کہ وہ کوئی سخت بات کہتی دروازے پہ بڑے زوردار طریقے سے دستک ہوئی تھی۔

اس کے ساتھ جہان نے بھی چونک کر دروازے کی جانب دیکھ، نسب کو اسی ہل اپنی پوزیشن کا خیال آیا تو سنبھل کر تیزی سے فاصلے پہ ہوئی اور کچھ فاصلے پہ پڑا دوپٹہ اٹھا کر شالوں پہ پھیلائے لگی، جہان اٹھ کر دروازہ کھول چکا تھا۔

”جہان بھائی آپ کو اور زینی بجو دونوں کو لالے نے نیچے لائونج میں بلوایا ہے۔“ حسان پیغام پہنچا کر پلٹے لگا تو جہان نے بے اختیار روکا تھا۔

”خیریت ہے نا حسان؟“

”یہ تو آپ کو نیچے آکر پتا چلے گا۔“ حسان نے کہا تھا اور آگے بڑھ گیا، جہان نے اس کے جانے کے بعد گردن موڑ کر نسب کو دیکھا تھا۔

”چلو نیچے چلتے ہیں۔“

”کوئی ضرورت نہیں ہے مجھ سے بات بھی کرنے کی۔“ وہ پھنکارا تھی، جہان نے مسکراہٹ دبائی۔

”اس سے بھی تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، میں ایسے بہت سے کیلو کو جانتا ہوں جن کی ایک لمبے کی بھی نہیں بنتی، کوئی آپس میں بات چیت نہیں مگر ہر سال ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے۔“

”یہ کیا بکو اس ہے؟“ نسب نے اس عجیب و غریب جواب پہ خوشخواری سے اسے گھورا تھا۔

”مطلب ظاہر ہے میری جان! مجھے ابھی چند دن پہلے اندازہ ہوا کہ تم بہت حسین ہو، اسی وقت جب اچانک مجھے تم سے محبت ہوئی تھی اس سے ایک دن پہلے یہ انکشاف ہوا تھا، مجھے صاف لگتا ہے تمہاری ناپسندیدگی کے باوجود میں تم سے دور نہیں رہ سکوں گا۔“ وہ جیسے بہت خاص انداز میں بہت پتے کی بات اسے بتا رہا تھا، نسب کا دل پوری قوت سے پھیل کر سکڑا اور رگوں میں خون کی جگہ انگارے سے دوڑنے لگے، خجالت کا احساس اس کی رنگت میں خون جھلکا گیا۔

”ہاں بے عزتی کی ایک یہ بھی نشانی ہو سکتی ہے۔“ اس نے دانستہ جہان کو آگ لگائی تھی، مگر جہاں ہے اس نے برا مانا ہو، جیسی بے نیازی سے بولا تھا۔

انا ہستی تھی ہر اک خون کے قطرے میں میرے
خیر یہ عشق سے پہلے کی باتیں ہیں
اب کے وہ سراسر اسے جلانے کے سامیں کر رہا تھا، وہ اتنا جھلائی تھی کہ اسے دھکیلتی ہوئی اس سے
پہلے باہر نکل گئی، جہاں اس کے پیچھے لائن میں آیا تو وہاں کے ماحول میں بہت عرصے بعد گرما گری
دیکھنے میں آئی تھی، زیادہ دیر یہ ماریہ حسان کے علاوہ معاذ اور پر نیاں کے ساتھ ڈالے اور بھاگنے کے ساتھ
نہن اور جنید بھائی بھی موجود تھے، ٹیبل پہ موسم کی مناسبت سے پکوان کے علاوہ بیکری سے بھی اسٹیکس
منگوا کر اچھا خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔

بڑی دیر کر دی مہراں آتے آتے
زیادہ اس کا استقبال بہت لہک کر کیا تھا، جس میں معاذ نے بھی اپنا حصہ ڈالا تھا۔
"وہ ہی لڈو تھے کھا لئے میں نے
اک تیرے آنے سے پہلے دوسرا تیرے جانے کے بعد
اس نے پلیٹ میں بچی آخری گلاب جاسن گومنہ میں ٹھنک گیا اور برجنکلی سے شعر لڑھا دیا۔
ایک زبردست مشترکہ قہقہہ اٹھا تھا، جہاں بھی مسکراہٹ ضبط نہ کر سکا اور ڈالنے کے ساتھ کونے والی
نشست پہ براجمان ہو گیا مگر اس طرح کہ نہن بھی لگا ہوں کی زد پہ تھی۔
"جیسا کہ مغل میں جیلنے کی شرط ہے کچھ نہ کچھ عرض کرنا تو اس کے اصول کے مطابق کون آغاز
کرے گا؟" معاذ کے سوال پہ سب نے اسی کا نام لے کر شور مچانا شروع کر دیا تھا۔
"میں تو سنا ہی دوں گا جناب بات تو ان کی ہونی چاہیے، جو ہر بار دامن کترا کر نکل جاتے ہیں۔"
معاذ نے حیرے سے کہا پھر جہاں کی سمت روئے سخن پھیرا تھا۔
"پلو بے آج تم آغاز کرو۔" وہ جو ڈالے کی گود میں سوئی ہوئی فاطمہ کو جھک کر پیار کر رہا تھا گڑبڑ
کر سیدھا ہوا۔

"میں..... کہیں نہیں بھاگا جا رہا اللہ کے بندے، تو سنا دے میں ذرا ذہن کو کھنگالی لوں۔"
"ادا میں دکھانا بند کر، مجھے اچھی طرح سے پہچنے پہ تمہاری یادداشت کا چل سنا۔" معاذ کے پیچھے
پڑنے پہ جہاں کے پاس راہ طرار نہیں پئی تھی، جیسی آہنگی سے مسکرا دیا۔

جدا ہونے کا شوق بھی پورا کر لو
گفتا ہے تمہیں ہم رزمہ دیتے ہیں
اس نے نہن پہ بظاہر سرسری نگاہ ڈال کر کہا تھا مگر در پردہ اسے بہت کچھ جتلا دیا، نہن نے بہت
خوبی سے اس کا مطلب سمجھا تھا اور اپنی جگہ یہ بے چین ہی ہو کر رہ گئی۔

"یہ کیا بھی اتنا چھوٹا سا شعر، ہم نے ایکسپٹ ہی نہیں کیا، کچھ اور سناؤ۔" جنید بھائی کو واقعی مزہ نہیں
آیا تھا، جیسی احتجاج کیا، جہاں بھی پہنچے نہیں کس رزمہ میں تھا کہ اگلی نظم کو گلا کھکا کر شروع کیا تھا۔
میرے عشق کو نہ بڑھ حال کر بھی بے قابو مال کر
میری آنکھ کو نہائی دے میرے قلب کو اجال کر
نہیں دے فنا کا میرا عشق میں برا حال کر

ماہنامہ سنا (51) اگست 2014

مجھے دے سزا کوئی سخت سی
مجھے اس جہاں میں مثال کر
میری اصل صورت بگاڑ دے
کسی عشق بستی میں ڈھال کر
مجھے بھی پلا کوئی ایسی شے
بھی میری آنکھیں بھی لال کر
تیری طلب میں ہوں میں در بدر
بھی اس سمت بھی خیال کر

گو کہ اس مرتبہ جہان نے دانستہ پانا دانستہ ایک بار بھی اس کی جانب نگاہ نہیں اٹھائی تھی مگر نہ بک
دل پھر بھی دھڑکنیں خستہ کر گیا تھا، وہ خوش فہم نہیں تھی پر یقین تھی کہ یہ جہان نے اسی پاپی کیفیت آشکار
کی ہے، جیسا اس کا چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا، جنید بھائی کو اتنی پسند آئی تھی یہ نظم کہ جہان کے پیچھے پڑ گئے
تھے وہ اسے لکھ کر دے۔

”آپ کو کیا ضرورت پیش آگئی ہے اس بڑے چاہے میں؟“ معاذ نے انہیں پھینکے کا آغاز کیا تھا، وہ
بدمعاش تھے۔

”تمہارے خیال میں میں بڑے چاہے ہوں؟“

”تو اور کیا بھی کنپٹیاں دھیان سے دیکھی ہیں؟ آدمی سے زیادہ سفید ہو رہی ہیں۔“ معاذ نے
مسکراہٹ دہائی تھی، جبکہ جنید بھائی نے منہ لٹکا لیا تھا۔

”مما جان اتالی ہیں میری اور تمہاری عمروں میں صرف چھ سال کا فرق ہے، اس کا مطلب چھ
سال بعد تم بھی بڑھے ہو جاؤ گے۔“ اپنی بات کا حوالے کر وہ خود ہی کھلکھلائے تھے۔

”میں خود کوئٹہ رکھوں گا تو یک ہی نظر آؤں گا، ویسے بھی تینیس چونتیس سال کوئی بڑے چاہے کی بات
نہیں ہوتی وہ بھی مردوروں کے لئے، یہ تو آپ نے ہی اپنا حال برا کر لیا، تو بھلائی ہوئی کنپٹیاں سفید اور
سب سے بڑھ کر ماتھے سے سنہری سے اڑتے ہوئے ہال۔“ معاذ انہیں جان بوجھ کر جلا رہا تھا، جبکہ ان کا
رنگ واقعی تشویش زدہ انداز میں اڑتا جا رہا تھا، بھابھی شوہر کی حمایت میں میدان میں اتری تھیں، پہلے
انہیں تسلی سے نوازا پھر معاذ کو کھری کھری ستائی تھیں، معاذ اس اتفاق پر دانت نکالتا رہا تھا۔

”دیکھ رہی ہو پری؟ کیسی ہڑک جاتی ہے بھابھی کو، پاراخمی سے کچھ بہتی تم بھی سیکھ لو، مجھ بچا رہے
کی زیادہ نہیں تھوڑی سی ہی سائیڈ لی ہوئی۔“ اس کے بسور کر کہنے پہ پرچیاں محض جھینپ کر مسکرا دی تھی،
پھر جنید بھائی کے ہی کہنے پہ معاذ نے کچھ منانے پہ آمادگی ظاہر کی تھی۔

”بھلا اسے اپنے اعزاز میں نہ سمجھ لیجئے گا، آپ کی فرمائش میں نے ضرور مانی مگر یہ ڈیڈی کیٹ نہیں
کر رہا آپ کو۔“ اسے پھر سے شرارت سوچ گئی تھی جیسا انہیں چھیننے کو کہا تھا، جنید بھائی اتنا جھینپے تھے
کہ اسے ایک دھب لگا دی۔

”انہو سناؤ تو آخر ہے کیا جس کے لئے پہلے سے حد بندیاں لگنا شروع ہو گئیں۔“ زیادہ کا اشتیاق
بے برا حال ہونے لگا، معاذ بڑے ناز سے کھنکھاتا تھا پھر شرارت بھرے انداز میں گویا ہوا۔

ماہنامہ سنا (52) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سہریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپیڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کماتے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

”اصولاً تو مجھے یہ اپنی شادی کے موقع پر پر نیاں کو سنانی چاہیے تھی مگر کم بخت یادداشت نے دعا دے دیا، لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ دیر آئند درست آید کے مطابق ابھی سہی۔“ اس کی شوخ نگاہیں پر نیاں پہنچی تھیں، جو حجاب سے سرخ ہونے لگی۔

”ہے کیا سنائیں تو میں ممکن ہے کسی اور پہ ٹٹ آ جائے اب۔“ زیاد نے بالخصوص نور یہ کو دیکھ کر مسکراہٹ اٹھائی تھی، معاذ نے اس کی بات سے زبردست اختلاف ظاہر کیا۔

”ہرگز نہیں، یہ میں سنار ہا ہوں تو بس پر نیاں کے لئے ہے۔“

”او کے، سنائیں تو، آپ یہ سمجھتے رہے گا ہائی جس کا جو دل چاہے سمجھے یا سمجھائے۔“ زیاد نے پھر سے اپنی ٹانگ اڑائی تو معاذ نے اسے گھورتے ہوئے بڑے جذب سے کہنا شروع کیا تھا۔

اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹوں کی نشانی چھوڑ آیا ہوں

اس نے مانگی تھی محبت کی نشانی مجھ سے

نہب کی بے ساختگی میں نگاہ اٹھی تھی، یہ دیکھ کر اس کا دل دھک سے رہ گیا کہ جہاں اس کی سمت متوجہ تھا، نگاہ میں تبسم شوخی اور اسی لمحے کی جسارت کا بھرپور تاثر اور جھلکا ہوا احساس تھا، نہب کا چہرہ حجاب شرم اور نفقت سے جل اٹھا، پلکیں لرز کر سرعت سے عارضوں پہ جھکی تھیں، معاذ اسی بھرپور انداز میں کہہ رہا تھا گویا جہاں کے جذبات کا ہی اظہار کر رہا تھا۔

(جاری ہے)

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- حلقے ہو تو چین کو چلئے،
- نگرانی نگرانی پھر مسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوپے میں
- دل و عشق

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرکل روڈ لاہور۔

ماہنامہ حنا (53) اگست 2014

گواہی رفاقِ سرو

”اس میں اتنی طاقت نہ تھی کہ سر اٹھا کر اسے
دیکھ سکتی، اس کی نظریں نو وارد کے شوز پر جمی تھیں
اور شدت ضبط سے جھکا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔“

”حیرت ہے مجھے اتنا سب ہونے کے
باوجود آپ مجھ سے مارل زندگی شروع کرنے کی
توقع رکھتی ہیں، آپ کو کیا لگتا ہے جن حالات
میں ہماری شادی ہوگی اس میں آپ کو یوں میرا
انتظار کرنا چاہیے۔“

اس نے آتے ہی لنگھوں کی گولہ باری
شروع کر دی، اس کے شعلے اگلی زبان کے وار
انشال کو تھمسانے لگے تھے، اس کے بے بسی اور
گرب کے اظہار کو انہاں نے اپنے ہی معافی

”انشال یہ ڈریس کافی ہوی ہے پہنچ کر
لو۔“ زونہیہ نے پیار سے اس کا رخسار چھو دیا اور
مسکراتے ہوئے پلٹ گئی، مگر وہ مردانہ بھی مسکرا
نہیں سکی، بس ہیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر قطرہ
قطرہ پھیلتے آنسوؤں کو پینے لگی۔

اسیثناء میں ہونے سے دروازے پر
دستک ہوئی اور پھر دھیرے سے دروازہ کھل گیا۔
انشال فوراً سیدھی ہوئی، اس کا دل شدتوں سے
بھڑک اٹھا، اس احساس کے تحت نہیں کہ آنے
والے شخص اس کا مڑا جی خدا تھا بلکہ اس احساس نے
اس کا مطلق شک کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھ کیا
سلوک کرے گا، اس کے وجود پر منوں بوجھ آتا

مکمل ناول





پہنائے تھے۔ لب جھپکے وہ اس سے مزید
تضحیک کی توقع رکھتی تھی مگر خلاف توقع وہ وارڈ
رواب سے ٹنٹ ڈرنس اٹھائے ایک لمحو کی تاخیر
کے بغیر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہا ہر نکل گیا، اس کی تلخ
آواز میں بے زاری کے نشتر اسے اب بھی اپنے
وجود میں گزرتے محسوس ہو رہے تھے اس قدر بے
دلچسپی پر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دی، ضبط اس کے
دامن سے چمک گیا۔

"انشال! تم نے چیخ نہیں کیا؟" اسے جوں
کا توں سسکتے دیکھ کر زونہ نے حیرت سے استفسار
کیا۔

"کیا ہوا؟ افغان نے کچھ کہا ہے؟" اسے
بے طرح تشویش ہوئی، انشال نے ٹی وغور لگی
میں گردن ہلائی۔

"پھر.....؟" اس نے استفسار یہ انداز میں
پوچھا اور اسے ہانپوں میں بھر لیا، وہ اس سے
لپٹ گئی جیسے کسی سپارے کی مستلائی ہو اس کے
روئے میں مزید شدت آئی تھی، جو کچھ اس کے
ساتھ ہوا تھا اس کے بعد اسے رونے کے لئے کسی
وجہ کی ضرورت نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

"فی الحال اس سے کام چاؤ، پھر ماما جان
کے ساتھ جا کر تہیارے لئے شاندار شاپنگ
کروں گی۔" مسکراتی نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھتے ہوئے زونہ نے سرخ اور نیلے احتیاج کا
مناسب کاغذ سوٹ اس کی سمت بڑھایا، جسے
انشال نے خاموشی سے تمام لیا۔

"واڈ انشال! تمہارے بال تو بہت
خوبصورت ہیں ان سیاہ زلفوں میں میرے بھائی
کو الجھا لیتا۔" وہ دلربائی سے کہتی تھی اس کے
بال ذرا تیر سے خشک کرتے ہوئے آگے دبا کر
شرارت سے بولی، جو ابا وہ مسکرا بھی نہ سکی۔

"تھوڑا سا میک اپ کر لو انشال بہت
پیاری لگو گی۔" زونہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف
موڑا۔

"نہیں آپنی کچھ مت لگائیں۔" اس نے
گھبرا کر فوراً انکار کیا۔

"اچھا صرف لب گلوڑی لگا لو۔" زونہ نے
بے حد اصرار سے پچرل پنک کلر کا گلوڑ اس کے
ہوتنوں پر لگا دیا۔

"ٹانگس۔" اس کا جائزہ لیتے ہوئے وہ
توصیلی انداز میں بولی۔

"پلو سب ناشتے پر ہمارا ویٹ کر رہے
ہیں، وائٹ پیس کا ایک اصول ہے کہ ناشتہ سب
انگٹھے کرتے ہیں۔"

"آپنی..... میں اس وقت کسی کا بھی سامنا
کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں پلیز مجھے جانے
کے لئے مت کہیں۔" اس بار وہ بولی تو لہجہ کے
ساتھ ساتھ آنکھوں میں بھی نمی پھیلی تھی۔

"او کے نہیں جاتے ہٹ ڈونٹ ویپ۔"
انشال نے فوراً آنکھیں پھٹکی کی پشت سے رگڑ
ڈالیں، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی وہ دونوں
چونک اٹھیں، پھر طاہرہ خاتون اندر داخل ہوئیں،
انشال نے فوراً دوپٹے سر پر اوڑھا۔

"انشال بیٹے آپ کے بڑے پاپا اور پاپا
جان آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔" ماما جان نے
مظہر کیا ساتھ ہی پاپا جان کو بھی بلا لیا۔

"بیٹے ہم جانتے ہیں جس صورتحال میں
آپ کی اور افغان کی شادی ہوئی اس کے بعد
ایڈجسٹ کرنے میں تھوڑی مشکل ہوگی، اس کے
لئے آپ دونوں کو کچھ وقت چاہی، لیکن ہم نے
آپ کو دل سے بیٹی مانا ہے، جو پیار رشتے اور
میں افغان سے منسلک ہیں وہ سب آپ کے بھی
ہیں، ابھی اپنے پاپا جان کی طرف سے یہ چھوٹا سا

تقد قبول کریں ویسے ہر ہم اپنی بیٹی کو سن جا رہا
گفت دیں گے۔" پاپا جان نے اس کے جھکے سر
پر ہاتھ رکھا اور ہرے ہرے ٹوٹوں کی گڈی اس کی
گود میں رکھ دی، اس کا جھکا سر مزید جھک گیا۔
"ہیلو بھابھی..... چہرہ تو اوپر کریں، کل
رات سے ہمارے گھر میں ایک دلہن آئی ہے اور
ہم ابھی تک ان کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پائے۔"
"انشال یہ ارہمن ہے ہمارا دوست کم
کزن۔" زونہ نے مداخلت کر کے تعارف
کروایا۔

انشال نے ہولے سے سر اوپر اٹھایا اور اس
کی متورم دھڑکنے والی آنکھیں دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔
"ابھی کھوڑا کام سے بھابھی، رک نہیں
سکتا، شام کو آپ سے لمبی گفتگو کریں گے۔" اس
کی جھجک کو مد نظر رکھتے ہوئے اس نے مزید گفتگو
کا ارادہ موقوف کر دیا اور زونہ سے مصافحہ کرنے
کے بعد کمرے سے نکل گیا۔

"انشال اس گھر کو اپنا سمجھو، یہ لوگ بھی
تمہارے اپنے ہیں یہ کیسے تمہیں اپنے اندر سمولیں
گے تمہیں پتہ بھی نہیں چلے گا ریلیکس رہو، آرام
کرنا اور سرلیں مت لو۔"

جب سے وہ آئی تھی زونہ اس کے پاس
تھی، وہ حتی المقدور کوشش کر رہی تھی کہ اسے
غیریت اور اجنبیت کا احساس نہ ہو، کسی نے
اسے گزرے اعصاب شکن لمحات کا طعنہ دینے کی
کوشش نہیں کی تھی۔

پہلے ہی اس کا رخم بہت گہرا تھا اس پر ان
لوگوں کی محبت ضرب پر ضرب کا کام کر رہی تھی
اس کھلے منہ کے رخم میں سرچیں سی بھر رہی تھیں
ندامت اور شرمندگی کی صورت میں۔

"یہ آپ نے کیا کیا ایسا، آپ نے اور
قسمت نے مل کر مجھے ان لوگوں کا قرض دار بنادیا

ہے۔" پہلی سی میزمری کی مسافت پر وہ ہاپنے لگی
تھی۔

سمجھوتے کا یہ سفر طویل اور کٹھن ہونے چلا
تھا، اس نے آئینے میں اپنے ادھورے سے ٹکس کو
دیکھا اور آنکھوں میں تیرتی نمی کو خود سے چھپانے
کے لئے نظریں جھکا گئی۔

☆☆☆

عدنان شہزاد کی چار اولادیں تھیں، سب
سے بڑے لیضان عدنان تھے جو زیت کے سفر
میں اپنی زوجہ ام امان اور تین بچوں شامل، نوریا،
اور ارہمن کے سنگ بے حد خوش و خرم تھے،
دوسرے نمبر پر ارسلان عدنان تھے ان کی
زوجیت میں طاہرہ خاتون تھیں ان کی کائنات
افغان، منان اور زونہ نے مکمل کیا، تیسرے نمبر پر
نعمہ تھیں جو دانیال کے سنگ پیادہ کر چکی تھیں،
ان کا ایک بیٹا شاہ میر تھا۔

سب سے چھوٹے نعمان عدنان تھے ان کی
شریک حیات یحیٰ تھیں، جنہوں نے روخیل کا
گفت دے کر ان کا خاندان مکمل کیا۔

شائل، روخیل اور منان ہم عمر تھے، افغان
اور ارہمن کزنز ہونے کے ساتھ بہترین دوست بھی
تھے، افغان سی اے کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے
پاپا جان کے آبائی امپورٹ ایکسپورٹ کے بزنس
کو بھی توجہ دے رہا تھا جبکہ ارہمن بی فارمیسی کے
بعد ایک ملٹی نیشنل میڈیسن فرم میں مینجر کام کر رہا
تھا، زونہ شادی شدہ تھی، اس کا جوڑ خدا نے شاہ
میر کے ساتھ بنایا تھا اور اس کی پھپھو جان اس کا
بے حد خیال رکھتی تھیں۔

طاہرہ خاتون اور پشوار کا بچپن کا دوستانہ
تھا، اتفاق سے دونوں کی شادی بھی ایک ہی شہر
میں ہوئی یوں ان کی دوستی مزید مضبوط ہو گئی،

ساتھ، پلیز یہ بکھیرا میں نہیں سنبھال سکتی، آپ کو ایک لڑکی نہیں رہوٹ چاہیے جو آپ کے کہنے پر اٹھے، بیٹھے، کھائے پیئے وغیرہ، لیکن وہ رہوٹ بہر حال میں نہیں۔"

اس کے اس قدر تلخ رویے پر طاہرہ خاتون کا دل دکھ سے بھر گیا، تاج جان اور بڑے پاپا کے سامنے انہیں بے پناہ سگی کا احساس ہوا جبکہ پشوار بھی حق دہی تھیں۔

دوسری طرف اس طرح رجحان کیے جانے پر ایمان خوب تلخ پاپا ہوا، مثال یہاں بچپن سے آ رہی تھی ان کے محبوبوں سے گندھے رشتوں اور وہ جی کے بنائے گئے گھر کو اس نے بھوت بھنگے اور بکھیرے سے تعبیر کیا تھا انہیں بے پناہ دکھ تھا، ایمان صرف، ماما جان کے احترام میں خاموش تھا۔ کچھ عرصے بعد مثال کی شادی اپنے اکلوتے ماموں کے بیٹے سے ہو گئی تو وہ لندن سے سدھار گئی جبکہ مثال جو بھی کبھار والدین سے ملنے آتی تھی، ان کی تنہائی کا خیال کر کے ہمیشہ کے لئے پاکستان آ گئی، احمد حسن (والد) نے اس کی شادی اپنے قریبی دوست کے بیٹے سے ملے کر دی مگر تین ہا رات کی آمد کے دن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا "کہ ہمارا لڑکا کسی دوسری لڑکی کو پسند کرتا تھا اسی وجہ سے وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے ہم بارات نہیں لا سکتے۔"

احمد حسن نے آدھا شہر اپنی بیٹی کی شادی پر مدعو کیا تھا، ان کی عزت خاک میں ملنے والی تھی، وہ اکلوتے تھے ان کا کوئی بھائی نہیں تھا جو ان کی مدد کرتا، پشوار کا بھی ایک بھائی تھا جس کے بیٹے سے وہ پہلے ہی اپنی ایک بیٹی بیاہ چکی تھیں۔

ان کی پریشانی اور وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے طاہرہ خاتون نے انہیں انڈین کا پر پوزل پیش کیا، ان کی اس قدر اعلیٰ قدرتی پر پشوار احمد

پشوار احمد کی دو بیٹیاں تھیں، انشال اور مثال، انشال بہت چھوٹی تھی جب اس کے ماموں اسے اپنے ساتھ لندن لے گئے، جبکہ مثال اپنے والدین کے ساتھ لاہور میں ہی مقیم تھیں۔

مثال جدید دور کے تقاضے پورے کرتی ایک بے حد خوبصورت اور بولڈ لڑکی تھی، جب وہ اپنی بیڑا گرین آنکھیں اٹھا کر دیکھتی تو مخالف کو چاروں شانے جیت کر دیتی سرخ و سفید رنجت اور مناسب نہیں خوش کے ساتھ اس میں بلا کی کشش تھی، طاہرہ خاتون کی اولین خواہش تھی کہ مثال ان کی بیوی بنے اور وائٹ بلیس کے کسی فرد کو اس پر اعتراض نہ تھا کہ اس لڑکی کو بچپن سے دیکھتے آ رہے تھے۔

مثال کے نو خیز سراپے نے جب شباب کی سرحدوں کو چھوا تو حسن دو چند ہو گیا، طاہرہ خاتون کا انتظار ختم ہوا اور انہوں نے پاپا جان اور بڑے پاپا کے ہمراہ جا کر مثال کا ہاتھ مانگ لیا۔ پشوار احمد کے کسی بھی مثبت یا منفی رد عمل سے پہلے مثال کے دو ٹوک انکار نے وائٹ بلیس کے تینوں کوششیں رد کر دیا، مثال دی بیاہ کے معاملات میں بچوں کی دخل اندازی ان کا اصول نہیں تھا ان کی پسند اور جذبات کو ضرور مد نظر رکھا جاتا مگر اس قدر بولڈ نہیں کی انہیں اجازت نہ تھی۔

"پلیز آئی ایسا سوچنے کا بھی مت، آپ کے ساتھ کے دہائی کے گھر میں، میں نہیں رہ سکتی، ایک سوئیں صدی میں آ کر بھی اتنے ٹیپیکل روڈز اینڈ ریگولیشنز، وہ گاؤں۔" اس نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"اور آپ کا وائٹ بلیس تو مجھے کوئی بھوت بگھلاتا ہے، چاروں طرف جنگل اور درمیان میں سفید بگھ اور اس عمارت کی طرح آپ کا بیٹا بھی پر آئندہ اور قدیم سوچ کا حامی ہے، اس پر سہاگہ جوائنٹ فیملی سسٹم، اتنے سارے خاندان ایک

بھگانا ہے۔" وہ دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر شرارت سے بولے، ان کے بے حد اصرار پر وہ وائٹ پیس کے عقب میں بنے وسیع و عریض گراؤنڈ میں کھیلنے کی نیت سے آگئی۔

دونوں لڑکوں نے شاندار کھیل پیش کیا، جبکہ نوریا نے بھی اچھی پیننگ کی، شامل پہلی بال پر آؤٹ اور روئیل اس کے سامنے آ کر باقاعدہ بھگڑے ڈال رہا تھا۔

"روئیل! عدنان نے کیا شاندار وکٹ اڑائی، شامل عدنان پہلی بال پر ہی ڈھیر۔" منان نے کسٹری کر کے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

"اس بیٹ سے میں تمہارا بھیجا کھول دوں گی منان، دور ہو جاؤ میری نظروں سے۔" وہ احتجاجاً چلائی۔

"لڑنا بھگڑنا چھوڑو اور انشال کی باری ہے اب، اسے ہال کرواؤ۔" نوریا نے ہر وقت مداخلت کر کے میز فائر کروایا۔

"اوہ شامت آ ہی گئی۔" انشال نے بے ساختہ سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو منان مسکراتے ہوئے پوزیشن لینے لگی۔

دو تین بالز لگا مار بیٹ ہوئیں تو انشال کو بھی غصہ آ گیا، اس کے کرکٹ کے شعور پر ہلکا سا ہونے پر منان اسے کافی ہلکی گیندیں کر دیا کرتا تھا چونکہ بال سیدھی پلے پر پڑی تھی اور انشال نے پوری قوت سے بلا ٹھمایا، بیٹ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی پوری محکوم ہوئی۔

"چھکا۔" اڑتی ہوئی بال وائٹ پیس کے سیکنڈ فلور پر بنے کمرے کے ٹیرس کی کھڑکی سے ٹکرائی شیشے کی دھڑ کو پھینا چور کرنی کمرے میں گھس گئی۔

"ہم جیت گئے۔" شامل نے منان اور روئیل کو انگوٹھا دیکھایا، نوریا مسکراتے ہوئے

ندامت سے رد پڑیں اور ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیے، آناٹا باٹن کا نکاح انشال کے ساتھ ہوا، غم و غصے سے اس کا برا حال تھا جبکہ وائٹ پیس کے مکینوں کے لئے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ تھی، دل میں تو طاہرہ خاتون بھی خوف زدہ تھیں مگر وقت کا یہی تقاضا تھا، ہر شخص اپنی جگہ انشال سے ملنے کے لئے بے چین تھا، باسوائے افنان کے، اس گھر میں ہوئی اپنے والدین کی جھگ اور اس لڑکی کی بڑی بہن کے مادر خیالات اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہے تھے۔

آہ آہ

"بھابھی دیکھیں کتنا خوبصورت موسم ہو رہا اور آپ اندر بیٹھ کر بور ہو رہی ہیں۔" منان باہر سے ہی بولتا چلا آ رہا تھا۔

"اوہ گاتا ہے ام نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا، آپ اسٹڈی کر رہی تھیں۔" اس کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر روئیل نے کہا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں پس ایسے ہی ٹاولز پڑھ رہی تھی۔" اس نے Lime and Punishment کا ٹاول بند کر کے ٹیبل پر رکھا۔

"یہ بور کام چھوڑیں لود ہمارے ساتھ کرکٹ کھیلیں۔" منان نے شاہانہ آفر کی۔

"میں اور کرکٹ۔۔۔ نہیں نہیں، میں نہیں کھیل سکتی۔" وہ گھبرائی۔

"بھابھی کھیلیں گی نہیں تو آئے گی کیسے؟" روئیل نے ہاسانہ انداز اٹھایا۔

"مجھے تیز بال پر نہیں کھیلنا آتا۔"

"اف جیسی بال میں آپ کو کروا دیں گا چھکا تو پکا ہے۔" منان نے اس کی ہمت بندھائی۔

"اب آ بھی جائیں بھابھی، نوریا آتی بھی کھیل رہی ہیں، آج اس شامل کی بیٹی کو تو خوب

زیادہ خوبصورت گھر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔
 ”تم یہاں کبھی ہو یا، ادھر تمہارا ولیمہ
 ڈیپانڈ ہو رہا ہے۔“ لوریا نے اس کے قریب
 میز پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”تو اس میں..... میں کیا کر سکتی ہوں۔“
 ”لو اب یہ بھی میں بتاؤں، تم اپنے لئے
 ڈریس تو سلیکٹ کر سکتی ہو نا۔“
 ”مجھے نہیں کرنا۔“ وہ ہدولی سے بولی۔

”کیا بھائی کی وجہ سے پریشان ہو۔“ لوریا
 نے توجہ پیش کی۔
 ”نہیں۔“ وہ آہستگی سے بولی۔

”اگر ایسا ہے تو اپنا دل صاف کر لو، اتنا
 بہت اچھا اور ذمہ دار لڑکا ہے، وہ تمہیں بچوں پر
 بٹھا کر رکھے گا۔“

”تمہارا بھائی ہے تم تو یہی کہو گی۔“ وہ
 مایوسی سے بولی۔

”اے اتنی بدگمانی۔“ لوریا نے اس کے سر
 پر ہلکی سی چپت رسید کی۔

”بدگمانی نہیں اسے حقیقت پسندی کہتے
 ہیں ایئر۔“

”اتنی بھی حقیقت پسند مت ہو، کبھی کبھی
 خواب دیکھنا بھی اچھا لگتا ہے۔“ وہ نجانے اس
 سے کیا اگلوانا چاہتی تھی۔

”لگتا ہے بارش ہو گی۔“ اس نے بات
 پلٹی۔

”تم اتنی معصوم کیوں ہو انشال؟“
 ”کیوں..... کیا ہوا؟“ اس نے ٹاک

سکیڑی۔
 ”تم اس ٹاک سے بھاگنا چاہتی ہو مگر

تمہیں بھاگنا بھی نہیں آتا، کڑی دھوپ ہے اور تم
 کہہ رہی ہے بارش ہو گی۔“ اس نے اس کی غلا
 چوٹن گولی کی نشاندہی کی۔

”اچھا میں نے ایسا کہا۔“ اس نے
 معصومیت سے آنکھیں پٹی میں اور پھر وہ دونوں
 ہی ایک دوسرے پر ہنسی چلی گئیں۔

☆☆☆

”مما جان آپ کے کہنے پر میں نے شادی
 کر لی، اب ولیمہ کیا ضروری ہے۔“ پیشانی پر
 شکنوں کا جال پھیلائے وہ دھیمے مگر مستعل لہجے
 میں بولا۔

”جی بالکل ضروری ہے، ہماری طرف سے
 تو یہی فنکشن آپ کی شادی پر مہر شہت کرے گا نا،
 بیٹے کیلئے سے ہا ہر آپ کے رشتے کو منوانے اور
 انشال کو سب سے متعارف کروانے کا یہی طریقہ
 ہے۔“ جواب بڑے پاپا کی طرف سے آیا۔

”پاپا جان آپ تو میری پوزیشن سمجھیں۔“
 وہ جھنجھلایا۔

”بیٹے ہم نے آپ کی شادی بے شک
 ایئر جنسی میں کی لیکن اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ یہ
 معاملہ ہمیشہ لگتا رہا، آپ کو از رواجی زندگی میں
 خوشحال دیکھنا ہماری اولین خواہش ہے، وہ بھلی
 بچی زبان سے چاہے کچھ نہ کہے مگر اس کے
 روایت کے حقوق تو آپ کو پورے کرنے
 چاہئیں، ہم ہمیشہ اسے یوں بے سرو سامان رکھ کر
 گناہ گار نہیں ہو سکتے۔“ پاپا جان نے تدبیر سے
 اسے سمجھانا چاہا۔

”بڑی ممما میں صرف کچھ وقت چاہتا
 ہوں۔“ اس نے احتجاج کیا۔

”دو ماہ کم وقت نہیں ہے اتنا، ہماری بھی
 معاشرے میں کوئی عزت ہے جسے برقرار رکھنے
 کے لئے آپ کی ایئر جنسی میں کی شادی کو اپنی
 خوشی ثابت کرنا بہت ضروری ہے۔“ ام اماں نے
 اسے اصل پہلو سے روشناس کروایا۔

”تو پھر ایسی لڑکی سے شادی کر کر

2014 (11) اگست

ضرورت تھی جس کے لئے شہادتیں لینی پڑیں،
نجانے کیا بات تھی جو پہلے شادی کے دن بارات
نے آئی اور ہمارے گلے باندھ دی۔"

وہ ایسی سخت بات کہنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے
انشائی سے سخت چڑھ گئی اس لئے ذرا بدلتا ہوا گیا۔
"اذن!" بڑے پاپا صنفی کے بل
دھڑکے اور ان کے زوردار پھرنے اس کے
چہرہ طبعی روشن کر دیئے۔

"کسی معصوم لڑکی کے کردار پر کچھ
اچھا لانا۔ یہ تربیت نہیں کی ہم نے آپ کی ہم
نے آپ کو ہمیشہ نسوانیت کا احترام کرنا سکھایا
ہے۔" پاپا جان بھی غصے سے بھڑک اٹھے۔

اس کے دل میں انشائی کے لئے بدگمانی
کچھ اور بڑھ گئی تھی، وہ کچھ بھی کہے بغیر پلٹ گیا۔
"آج تک بڑے پاپا سے میں نے صرف
تعاریف اور مان ہی سمیٹا ہے یہ تمہارا میری زندگی
میں شامل ہونے کا پہلا انعام ہے مجھے تمہاری
شکل سے بھی نفرت ہے۔" اس کی سوہوں میں
بھی انشائی بد پاتا تھا بے حد غصے میں اس نے گاڑی
ریورس کی اور وائٹ کپکس سے نکل گیا۔

ب منزل راستوں پر کافی دیر گاڑی
دوڑانے کے بعد دو کے قریب گھر پہنچی تو ماما جان
کو لابی میں اپنا انتظار کرتے پایا۔

"کہاں تھے آپ اتنی دیر؟" ماما جان نے
پہلے دو کے بند سے کوچھوئی گھڑی اور پھر اذان کو
دیکھا۔

"سوری ماما جان، میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا
چاہتا تھا۔" ماما جان صوفے پر بیٹھ گئیں اذان نے
سران کی گود میں رکھ دیا، بلیک پیٹ اور گرے
لائنگ والی شرٹ زیب تن کیے پھر بے بالوں اور
بوجھل ضد و خال سمیت وہ بے حد منتشر اور بکھرا ہوا

لگ رہا تھا، ماما جان نے اپنے بے حد شاندار بیٹے
کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں چلائی
شروع کیں۔

"سوری مت کہیں بیٹا، آپ کی پر سنائی
کے مطابق آپ کا جوڑ نہیں تلاش کر پائی، آپ
مجھے معاف کر دیں آپ پر زور زبردستی کر کے میں
نے آپ کے جذبات، خواہاں اور وقار کو ترک پہنچایا
ہے۔"

"ایسا مت کہیں ماما جان، آپ کی اولاد پر
سب سے پہلا حق آپ کا ہی ہے آپ کو تمام
اختیارات حاصل ہیں، لیکن ماما جان میں وہ
انسٹ نہیں بھول سکتا جو اس گھر کے لوگوں نے
آپ کی نوز میری کی، ماما جان، مثال پاکستان میں
رہ کر اس قدر بولڈ اور ماڈرن تھی تو یہ تو لندن میں
لمبی بڑھی ہے، ماما جان میں چاہوں بھی تو مجھ سے
بھگوت نہیں ہوتا، مجھ اس سے کوئی انسیت محسوس
نہیں ہوتی، اپنے رشتے کے حوالے سے نہ کسی اور
طریقے سے۔" اس نے صاف گوئی سے
اعتراف کیا۔

"کاش میں جلدی ہانڈی نہیں کرتی، اپنے
بٹنے کو شہزادوں کی طرح دولہا بناتی۔" ماما جان کو
انسوؤں ہوا۔

"ماما جان آپ رنجیدہ نہ ہوں۔" اس نے
ان کے ہاتھ تھام کر کہا۔

"آپ کو تو طول کیا ہے ما میں نے۔" ان کا
انسوس کسی صورت ذائل نہیں ہو رہا تھا۔

"ماما جان پلیز آپ ولیہ کریں مجھے کوئی
اعتراف نہیں۔" اس نے نرمی سے کہا وہ ماما جان
کو متاسف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"کھانا کھایا آپ نے؟" ماما جان نے
پوچھا، اس کی بے زاری سمجھتے ہوئے انہوں نے
بھی مزید گفتگو کا ارادہ موقوف کر دیا

"نہیں فی الحال کچھ کھانے کا مواد نہیں بس آرام کرنا چاہتا ہوں۔" ان سے لپٹتے ہوئے وہ محبت سے بولا۔

"اوکے بیٹا گنڈ ٹائٹ۔" انہوں نے اٹھان کی پیشانی پر بوسہ دیا، وہ اپنے کمرے کے قریب پہنچا تو اسے ہلکی ہلکی آوازیں آئیں، فطری تجسس کے تحت وہ آگے بڑھا، دروازہ کھلا تھا وہ اندر داخل ہو گیا۔

"ہاں میں نے ڈائریکٹریکٹ لے لیے ہیں، ایک بلند گ بہت خوبصورت ہے میرے خیال میں وہی گھر ٹھیک رہے گا، اس کی بکنگ کر دیتے ہیں۔" انشال کی دھیمی آواز اس کی سماعتوں سے ٹھہرائی، اسے غصہ دلانے کے لئے تو انشال کی پر چھائی ہی کافی تھی اب تو وہ انگ گھریلنے کی بات کر رہی تھی۔

اس نے ایک جھٹکے سے فون اس سے چھٹا اور بیڈ پر دے مارا، اس اچانک افتاد پر انشال بری طرح بوکھلا اٹھی۔

"آتے ہی گھر توڑنے کی باتیں شروع کر دیں، کس میں پر انگ گھریلنے کی بات کر رہی ہو، شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس گھر کی بنیادیں کس قدر مضبوط ہیں انہیں تم جیسی لڑکی تو کم از کم چھو بھی نہیں سکتی۔" اسے بالوں سے دبوج کر وہ اس کے کان میں گھس کر غرایا، انشال نے درد کی شدت سے آنکھیں میچ لیں۔

"انتہا پلیز آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔" اس نے اپنی سخائی میں بولنا چاہا، لیکن اس کے زوردار ٹھہرنے اس کی زبان حق میں ہی ڈال دی۔

"زبان مت چلاؤ میرے سامنے۔" وہ غصے سے پھنکارا اور جھٹکے سے اسے چھوڑا، کم مائیگی کا احساس بول کی طرح اس کے وجود میں گڑھ گیا، اپنی نفرت اور بے زاری وہ اس پر برسا

کر چا چکا تھا، رخسار پر ہاتھ رکھے آنسوؤں سے تر آنکھوں سمیت اس نے پلٹتے ہوئے اٹھان کی عیبہ دھندلائی آنکھوں سے دھیمی۔

وہ شخص جسے دیکھ کر شہزادوں کے قصوں پر یقین کرنے کو دل چاہتا تھا، وہ شخص جس کی بولوں کی دھمک میں انشال کا دل الجھ گیا تھا جس کی آواز پر وہ اندر تک کانپ اٹھتی تھی جس کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی وہ اس کے لئے ہر لمحہ اذیت اور ذلت کا سامان کیے رکھتا تھا، رہائش اور بے وقتی کے ناگ نے بری طرح ڈسواء اس کا وجود نیلوتیل ہو گیا، وہ سسکتی ہوئی بیڈ پر گر گئی۔

☆ ☆ ☆

رمضان المبارک کا آغاز ہو چکا تھا، آج تیسرا روز تھا، وائٹ ہلس کی چیل پہل اور رونق تو مل رہی تھی سب گھنگلو کے دوران سحری کرنے میں مصروف تھے، جب اچانک ارنگی نے انشال کو مخاطب کیا۔

"انشال آپ نے ڈائریکٹریکٹ لے لئے، اگر ضرورت ہے تو میں مزید منگوا سکتا ہوں۔"

"نہیں کافی ہیں میں نے مثال کو سینڈ کر دیئے ہیں۔" نظریں اٹھائے بغیر اس نے جواب دیا۔

"کس چیز کے Designs ارنگی۔" بڑے پاپا نے استفسار کیا۔

"بڑے پاپا مثال انگ گھر لے رہی ہے لندن میں تو اسے انشال سے مشورہ چاہیے تھا، انشال نے مجھ سے کہا تو میں نے اس کی میلپ کر دی۔" اس نے تفصیلی جواب دیا۔

آم کی قاش اٹھاتے ہوئے اٹھان کے ہاتھ وہیں تھم گئے تھے، اس نے دانستہ طور پر انشال کو دیکھا جو خوبانی ہاتھ میں اٹھائے کھا نہیں بلکہ کتر رہی تھی، اٹھان کو ڈھیروں ڈھیر شرمندگی نے آن

ماہنامہ دنیا (3) ت 14

لیا وہ سحری چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

☆☆☆

عید کی شام کو ریسپشن تھا، بلیک ٹوپس میں ملیں وہ جیسے اپنے حسن اور مردانہ جاہت کی داد وصول کر رہا تھا میروں اور اسکن کا مدار لیٹے میں انٹال کی گندی رنگت جیا کے رنگوں سے لبریز مجب یا تلپن لئے ہوئے تھی، ہر چہرے پر خوشی کی چمک تھی، مگر جن کے لئے یہ فنکشن منعقد کیا گیا تھا وہ دونوں ہی ایک دوسرے سے لافلس بنے بیٹھے تھے۔

رات گئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا، ٹھکن سے برا حال تھا مگر ابھی مزید محاذ آرائی باقی تھی اسے اس لڑکی کا سامنا کرنا تھا، مگر جب ہولے سے دستک دے کر اندر داخل ہوا تو کمرے کو خالی پایا۔

ایک ٹھنڈا سانس قضا کے سپرد کر کے اس نے کمرے میں قدم رکھا، تازہ گلاب اور کلیوں غلی بیج نوچ کر صوفے پر رکھی جا چکی تھی، کمرہ دہن کی موجودگی سے خالی تھا، اس نے اسے ہر طرح کی مشکل سے بچا لیا تھا اپنے رشتے کو برتنے کے راستے کا تعین وہ خود ہی کر چکی تھی، گوٹ امار کر اس نے بینک کیا اور بیڈ پر بیٹھ کر اس کے ٹھکنے کا انتظار کرنے لگا جو دواش روم میں یقیناً پہنچ کر رہی تھی، چند لمحوں بعد سادہ سے لی پنک سوٹ میں ملیں وہ برآمد ہوئی، ہاتھوں میں بھاری بھر کم لہنگا تھا، ہال کھلے تھے اور ان سے پانی ٹپک رہا تھا، بڑی بڑی سیاہ آنکھوں پر بنی پلکوں کی جھال پر پانی کا قطرہ اتکا اسے بہت محسوس اور پاک بنا رہا تھا، چہرے پر ہلکے سے میک اپ کے اثرات، وہ افغان عدنان کو اسٹرب کرنے لگی تھی۔

وہ نائٹ ڈریس اٹھائے اس کی سمت بڑھا، نجانے کیوں انٹال اپنی جگہ سے ہل نہیں سکی۔

"اگر آپ یہاں سے سائیڈ پر ہو جائیں تو یقیناً مجھے گزرنے میں آسانی ہوگی۔" طنز یہ لہجے میں کہتا وہ اسے ہوش میں لے آیا، وہ تیزی سے نکلی اسے لمحے افغان نے کس کر دروازہ دوپارہ مقفل کیا، وہ فریٹش ہو کر آیا تو پورا بیڈ خالی پڑا تھا، افغان نے اسٹڈی میں دیکھا تو کمرے سے ملحقہ اسٹڈی روم میں وہ صوفہ کم بیڈ پر بیٹھی تھی، افغان نے اسے ساخت اطمینان کا سانس لیا وہ اس کی ناپسندیدگی سے واقف تھی اسی لئے کم سے کم اس کا سامنا کرنا چاہتی تھی، افغان کو یک گونہ سکون محسوس ہوا، وہ اس کے لئے ایک بوجھ سے زیادہ اور کچھ نہیں تھی، مزید کچھ بھی سوچے بغیر وہ بیڈ پر دراز ہو گیا، کچھ ہی دیر بعد گہری نیند نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔

☆☆☆

اگلی صبح پشاور اور احمد حسن آ کر اسے اپنے ساتھ لے گئے۔

"تقریر مت کرنا میں اور افغان جلد آپ کو لینے آئیں گے۔" ماما جان نے اس سے ملے ہوئے کان میں سرگوشی کی تو وہ ہولے سے مسکرا دی۔

"چھوٹی ماما پلیر بھابی کو لے آئیں، ہمارے ایگزامز سر پر ہیں۔" منان نے پریشانی سے منہ بسور۔

"کیوں ایگزامز میں وہ تمہاری کیا میلپ کریں گی۔" اخبار تمہارے کمرے سائیڈ پر رکھتے ہوئے افغان نے اچنبھے سے پوچھا۔

"بیٹے انٹال نے ان کی اکیڈمی چھڑوا دی ہے شامل اور روہیل کو انگلش جبکہ منان کو میٹھ کرواتی ہے، باقی سبیکٹ میں بھی میلپ کروا دیتی ہے۔" جواب چھوٹی ماما نے دیا تھا۔

شامل، منان اور حنان بی ایس سی امتحان کر

ماہنامہ سنا (14) اگست 2014

رہے تھے، شائل کی انگلیوں سے جان چاتی تھی
ہمیشہ پاسنگ پارکس ہی لگتی، ان کی ذمہ داری
انشال نے لی تھی اور وہ بہت پرکشش انداز میں
انہیں پڑھاتی۔

"بھائی پلیز بھابی کو لے آئیں We need her"
منان نے التجا کی۔

"بھابی نہ ہوتی پھر بھی تو تم نے پڑھنا ہی
تھا۔" اس کی اضافی خوبی سے سر جھٹکتے ہوئے اس
نے الٹا سوال کیا۔

"جو بات تمہیں ہے اس کو کیوں سوچتے ہیں
جو موجود ہے اس پر توجہ دیں بھائی۔" منان
شرارت سے بولا۔

"لاؤ کیا پراہم ہے میں سمجھا دیتا ہوں۔"
"نہیں نہیں بھابی سے ہی پڑھنا ہے۔"
"یہ تو سازش ہوئی میرے خلاف۔" اس
نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہی سمجھ لیں۔" منان نے کندھے
اچکائے۔

"مما جان ا" چکن کی طرف جاتی ممما جان
کو انٹان نے پکارا۔
"جی ہئے۔" وہ ہلکی۔

"آپ انشال کو کل لے آئے گا، میری آج
اسلام آباد کی فلائیٹ ہے آفس کا کچھ کام ہے،
مجھے کچھ دن لگ جائیں گے۔" اس نے در پردہ
انکار ہی تو کیا تھا۔

"آپ آجائیں پھر لے آئیں گے۔"
"مما جان، میں لیٹ بھی ہو سکتا ہوں۔"
"ٹھیک ہے۔" انہوں نے مزید بحث سے
اجرا کر دیا۔

☆☆☆

"پاپا جان، آپ ابھی تک جاگ رہے
ہیں؟" دودھ کا گلاس پینل پر رکھتے ہوئے انشال

نے استفسار کیا، ممما جان اور پاپا جان اسے جا کر
لے آئے تھے۔

"جی بیٹا بس کچھ کام کر رہا ہوں۔"
"کیا میں آپ کی ہیلپ کر سکتی ہوں۔"
کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"کل انیول میٹنگ ہے تو پر پرنٹیشن بنا رہا
ہوں، یہ کام تو انٹان کا تھا لیکن آپ تو جانتی ہیں
وہ اسلام آباد چھٹا ہوا ہے۔" پاپا جان کی سرخ
آنکھیں ان کی تھکاوٹ کی علامت تھیں۔

"اگر آپ کو برا نہ لگے تو پاپا جان یہ کام میں
کروں۔" اس نے احترام سے کہا۔
"آپ کر لیں گی؟" پاپا جان کو حیرت
ہوئی۔

"پاپا جان آئی ایم ایم بی اے فرام
لندن۔" اس نے معنوی نکل سے کہا۔
"اوہ ہائی گا، میں تو بھول ہی گیا۔"

"آپ مجھے بیٹنس شیٹ اور اکاؤنٹس کی
ڈیٹیل دے دیں میں کر لوں گی۔"
"میں ایک بات سوچ رہا تھا۔" انہوں نے
پر سوچ انداز اپنایا۔

"کیا پاپا جان۔"
"کل آپ ہی انٹان کی طرف سے
پر پرنٹیشن دے دیں۔"

"نہیں پاپا جان، میں نہیں کر پاؤں گی۔"
وہ فوراً گھبرا اٹھی۔

"آپ کر سکتی ہیں اور میں جانتا ہوں آپ
بالکل بھی پریشان نہیں ہوں گی۔"

پاپا جان نے بہت بڑی ذمہ داری اس کے
ماتواں کندھوں پر ڈال دی تھی، ان کے ہاتھ
بھرے اصرار پر اس نے ہتھیار ڈال دیئے، پاپا
جان نے ضروری ڈیٹیل ڈسکس کرنے کے بعد وہ
لیپ ٹاپ اپنے کمرے میں لے آئی، اس کی

ماہنامہ صفا (65) اگست 2014

ابھیاں تیزی سے کی بورڈ پر چل رہی تھیں،
ذہانت سے جگمگاتی سیاہ آنکھیں اسکرین پر جمی
ہوئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

”یہ چابی آپ کے لئے۔“ پاپا جان نے کار
کی چابی اسے تھما کر کہا انشال کو بے پناہ حیرت
نے آن لیرا۔

”یہ کس لئے پاپا جان؟“

”ہماری جی ائی ٹیلنڈ ہے ہمیں تو معلوم ہی
نہیں تھا، امان جس طرح انشال نے کمپنی کی
ایبول رپورٹ پیش کی اور تمام شیئر ہولڈرز کو
مطمئن کیا امیزمگ۔“ پاپا جان نے چھوٹی مہاکوثر
سے بتایا، ان کی آنکھوں کی چمک ان کی اندرونی
خوشی کا پتہ دے رہی تھی۔

”پاپا جان سب آپ کی سپورٹ اور پیار کا
نتیجہ ہے، ورلڈ میں کچھ بھی نہیں کر پاتی۔“ سب کی
توسلی نگاہیں اس پر جمی تھیں، وہ خواجواہ کنفیڈ
ہونے لگی۔

”یہ آپ کے پاپا جان کا محنت ہے انشال
رکھ لو۔“

”لیکن مہ جان مجھے گاڑی کی ضرورت نہیں
ہے۔“ انشال نے پس و پیش سے کام لیا۔

”آپ ہمیں احمد حسن نہیں سمجھتی کیا، اگر وہ
آپ کو ٹنٹ دیتے تو آپ انکار کر دیتیں؟“

”ایسی بات نہیں ہے، آئندہ ایسا سوچنے کا
بھی مت۔“

”بہت شکریہ پاپا جان۔“ اتنے بے ساختہ
پیر سے اس کی آنکھیں نمی سے پر ہو گئیں بڑے
پاپائے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”ایووشنل سین بعد میں Continue
کریں گے پہلے ہالی ڈے ان میں ہمیں
زبردست ساؤنڈ ٹرک باؤں بھائی اور اپنی ڈرائیو بھی

ڈرائی کریں۔“ روحیل نور اپنی اپنی منطق ان
تک پہنچا۔

”تھیک ہے لیکن پہلے بڑے پاپا سے تو
پوچھ لو۔“ وہ نور اراضی ہوئی۔

”ہاں چلے جاؤ لیکن ارٹھی کو ساتھ لیتے
جانا۔“

”میں اور منان بھی بڑے ہو گئے ہیں،
بڑے پاپا، کوئی ہمیں کنڈیپ نہیں کرے گا جو ارٹھی
بھائی کا جانا ضروری ہے۔“ اپنا چھوٹا سمجھا جانا
اسے سخت کھٹا تھا تب منہ بنا کر بولا۔

”جیسے آپ لوگوں کی مرضی بت کیئرفل
ایڈوٹ بائم۔“ تایا جان آج بہت خوش تھے تب
ہی اجازت بغیر کسی رکاوٹ کے مل گئی۔

”میں شائل کو بلا کر لاتا ہوں۔“ روحیل خوشی
سے شائل کے کمرے کی سمت بھاگا اور پھر رات

مگر وہ ڈیجیٹل سارا وقت بیٹا کر واپس آئے، سب
نے صبح معنوں میں لطف اٹھایا، خوشی نور بن کر ان
کے چہروں پر رقص کر رہی تھی، انشال کو عرصے بعد
زندگی اپنے اندر چپتی محسوس ہوئی تھی، اس کے
لیوں پر مسراہٹ ٹھہر گئی، وہ مسکراتے ہوئے
کمرے میں داخل ہوئی۔

”مر بیڈ پر دروازہ انان کو گہری نیند میں ہٹا
دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔“

”آں یہ کب آئے۔“ اسے حیرت
ہوئی، دایاں ہاتھ چہرے کے نیچے رکھے بکھرے
بالوں اور سکون خدو خال سمیت وہ ساحرا سے
اپنی طرف بچھ رہا تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم
رکتی بنا، آواز کے اس کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی،
اس کی چوڑی پیشانی، عتالی ہونٹ، لمبی اور نیکی
پاک، گھنے آبرو، غلابی آنکھیں جو اس سے بند
تھیں اسے بے حد خوبصورت بنا رہی تھیں، اس کا
دل چاہا وہ اسے دیکھتی رہے اس کے نقوش چرا

ماہنامہ (۱۱) اگست 2014

لے نبھانے کتنی دیر وہ اسے لگا مار دیکھتی رہی، اس کی آنکھوں میں بھی مسکان چھپی تھی۔

”نہیں یہ میرا مقام نہیں.....“ ایک جھٹکے سے پلٹتے ہوئے اس نے دھیرے سے کہا، درد کے شدید احساس نے اسے ہلکان کر دیا تھا، وہ بیڈ پر آکر ڈھلے گئی، محبت کی مار اسے مار گئی۔

وہ عام گئی اس کا عام ہونا اسے شکست دے گیا، آج اس نے ایک نیا سبق پڑھا۔

”محبت کا معیار خوبصورتی ہے۔“

آنکھوں سے محبت پر ماتم ہوا، سیاہون جل تھل تھا محبت اپنی نارسائی پر فوجہ کنیں تھی، آج انشال پر بے قدری قیامت بن کر ٹوٹی، اس نے چاروں اور نگاہیں دوڑائیں وہ تنہا تھی۔

☆☆☆

کافی عرصے سے نویرا کا پر پوزل آیا ہوا تھا، بڑے بابا اور امی چھان بین میں مصروف تھے، احتشام ٹرنکس میں ماسٹرز کر چکا تھا اور ایم فل کے لئے ابراؤ جانے کا ارادہ تھا، خاندانی ورثے میں بے شمار آبائی زمینیں تھیں اکلوتا تھا، اس لئے ابراؤ جانے سے قبل اس کے والدین بیٹے کے سر پر سہرہ سجاتا چاہتے تھے۔

یہ رشتہ ہر لحاظ سے صوزوں تھا، لہذا چٹ مگنی اور پٹ بیاہ والا کام ہوا، وائٹ پیکس میں ایک دم پہل چمک گئی، اتنے کم وقت میں ڈھیروں تیاریوں نے سب کو اپنی اپنی جگہ مصروف کر دیا تھا، ذریعہ بھی شادی میں بھرپور شرکت کے لئے آچکی تھی۔

افنان دیکھ رہا تھا انشال نے بڑی بہو ہونے کا بھرپور ثبوت دیا تھا، اسے تو کھانے پینے کا بھی ہوش نہیں تھا، آج مہندی کا فلکشن تھا، جو تین بجے تک جاری رہا اب سب تھکے ماندے سو رہے تھے، افنان نے بھی نگرے میں آکر چھینچ کیا۔

انشال ہمیشہ کمرے میں اس کے سونے کے بعد آئی تھی اور اس کے اٹھنے سے قبل ہی بستر چھوڑ دیتی، وہ کم سے کم اس کا سامنا کرتی اور اگر غلطی سے وہ سامنے آ بھی جاتا تو اس کی طرف دیکھے بنا غائب ہو جاتی۔

تھکاوٹ اور نیند کی زیادتی سے اس کا برا حال تھا، مگر اسے انشال کا انتظار تھا جو اسے نظر انداز کرنے کے چکر میں نبھانے کتنی دیر بیچے ابھی رہتی، جب وہ کافی دیر نہیں آئی تو وہ بھٹکتا ہوا خود ہی لیجے آ گیا، توقع کے عین مطابق وہ ملازمہ کے ساتھ بٹن صاف کروا رہی تھی۔

”انشال کچھ دیر آرام کر لو، یہ کام صبح بھی ہو سکتا ہے۔“ حیرت سے اس کی آنکھیں املی پڑیں۔

”بس تھوڑا سا کام رہ گیا، میں ابھی آتی ہوں۔“ اس نے بمشکل اپنی حیرت پر قابو پایا۔

”کھانا کھایا تم نے۔“ اسے یقین تھا وہ اپنے بارے میں لا پرواہی سے کام لے گی، جواباً دوسرے جھکا گئی۔

”تم مجھ پر ترس کھا رہے ہو افنان عدنان، عمر میرے پاس خود سے بھاگنے کے لئے دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔“ اس کا دل کرب کے سمندر میں ڈوب گیا اور پھر اس سمندر میں آنسوؤں کی لہریں بکھرنے لگیں۔

☆☆☆

نویرا کی شادی بخیر و عافیت انجام پا گئی لیکن اس کے جانے سے بیشتر قلمہ داریاں انشال کے

مہینہ: ۰۶ (۰۶) اگست 2014

کندھوں پر آگئیں جن میں سے ایک ذمہ داری افغان کی تھی، اب تک اس کے تمام کام مہاجران یا نویرا کرتی تھیں مگر مہاجران کی خراب طبیعت اور نویرا کی شادی نے یہ کام اس کے حصے میں ڈال دیا تھا، بہت خاموشی سے اسے فرائض انجام دے دیتی، اس نے خود کو ایک عظیم سمجھ لیا تھا جسے افغان سے کوئی توقع تھی نہ خود کسی جذبے سے زیر ہونا چاہتا تھی۔

اپنا معاملہ اس نے قسمت پر چھوڑ دیا، وہ بہت غیر محسوس انداز میں وائٹ پیس کے کمپنوں کی ضرورت بن گئی تھی، بڑے پاپا کی کوئی ڈیل انشال سے مشورہ کیے بغیر نہیں ہوتی تھی، شاکل، منان اور روہیل کی وہ بہترین دوست اور ٹیوٹر تھی، بڑی مہما، مہاجران اور چھوٹی مہما کے بچن کا مینو انشال تھی، ارغی کی بہن تھی، نویرا اور زونہ کی غمگین راوردکھ سکھ سننے والی محسن۔

اور افغان.... ہاں اس کی شاید وہ کچھ نہیں تھی، وہ چاند تھا تو انشال چکور، جو صرف اسے دیکھ کر خوش ہو سکتی تھی، وہ جمع تھی تو افغان پر دانہ اسے تو پس اس کی محبت میں جلتا تھا وہ دھری تھی تو افغان امیر، جو ایک دوسرے سے گہرے تعلق رکھنے کے باوجود صدیوں کے فاصلے سمیٹے ہوئے تھے، وہ دور تھا بہت دور، انشال کی رسائی سے بہت پرے۔

"دیکھو بارش کتنی خوبصورت لگ رہی ہے۔" زونہ نے اسے اندر آ کر پکارا جو ستون سے قریب لگائے وائٹ پیس کو بارش کے سنگ بھینکتے دیکھ کر نچانے کیا سوچ رہی تھی۔

"ہاں سب کچھ دھل کر بہت صاف اور خوبصورت لگ رہا ہے۔" وہ دھیسے سے مسکائی۔

"تم بھی آؤ نا باہر، بارش میں نہاتے ہیں۔"

"نہیں مجھے بجلی کی کڑک سے بہت ڈر لگتا

ہے۔"

شاکل، منان، روہیل اور زونہ بارش میں خوب بھیک رہے تھے یہ سادوں کی پہلی بارش تھی، اسنے میں شاہ میر زونہ کو لینے آگیا تو وہ پیچ کرنے اندر چلی گئی۔

"ڈر ہوک۔" جاتے جاتے اس نے تبصرہ جھاڑا، وہ بری طرح پام کے درخت پر چپکتے بارش کے قطرہوں کو دیکھتے میں محو تھی جب باؤل کی زور دار گڑ گڑاہٹ نے اسے اندر تک ہلا دیا ساتھ ہی بجلی بھی چپکنے لگی تھی، اسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب افغان اس کے قریب آکر کھڑا ہوا، وہ بے ساختہ اس سے لپٹ گئی، اس کا دل خوف کی شدت سے زبردوں سے دھڑک رہا تھا اور وجود میں بجلی سی لڑش تھی، افغان اور انشال کو ایک دوسرے قریب دیکھ کر شاکل، روہیل اور منان نے ہنسنے شروع کیے شرارت سے رخ موڑ لیا، جبکہ افغان بری طرح شینایا، ایک جھٹکے سے اسے خود سے الگ کیا۔

وہ دھاڑا۔

"اس ڈرامہ بازی کا کیا مقصد ہے؟" اس کے خوف کو اس نے ڈرامہ بازی سے تعبیر کیا، انشال سشدر رہ گئی۔

"مجھے بجلی سے....." آنسوؤں کی شدت سے اس کی آواز رندھ گئی تو وہ جملہ ادھورا چھوڑ گئی۔

"اوہ تو پھر کمرے میں جا کر بیٹھو یہاں کیا رو میٹنگ سین شوٹ کروانے کے لئے کھڑی ہو۔" وہ بھٹایا، جبکہ اس کی بات پر انشال آب آب ہو گئی، اس سے اسے قدموں پر کھڑے ہونا دشوار تھا، وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے نکل گئی، جبکہ شاکل اور منان کی شرارتی مسکراہٹ اسے کتنی ہی دیر سلگاتی رہی۔

ماہنامہ "تارا" (۵۸) اگست 2014

دن جس قدر گھبراہٹ اور خوف تھا، شب اتنی ہی شدید طوفانی اور ہولناک تھی، آسمان کی سیاہ چادر پر سرمئی پادل منڈلاتے پھر رہے تھے، ہواؤں کے پر زور پھترے فضاؤں میں اترتے درختوں سے ٹکراتے سرسراہٹ پیدا کر رہے تھے، پادلوں کی ہنگامہ رات کی وحشتوں اور سنائیوں کو چیر کر ارتعاش برپا کر رہی تھی اس پر پر ہول تاریکی میں بجلی کی چمکتی ٹکیریں۔

موسم کے خطرناک تیوروں نے ہر ذی نفس کو گھر کی دہلیز تک محدود کر دیا تھا، اس برآمدی اور افغان کی غیر موجودگی نے وائٹ بلیس کے کینوں کو تشویش میں مبتلا کر دیا، موسم کی خرابی کے سبب نیت و رک بھی نہیں آ رہا تھا۔

انشال سب کو تسلی و تسلی دینے کی کوشش کر رہی تھی اندر سے وہ خود بخود حال ہو چکی تھی، ہوا کا زور دار، جھکڑ جب گزرتا تو گماں ہوتا جیسے درختوں کو زمین کے سینے سے چیر کر نکال دے گا، ماما جان کا دل بری طرح ہول اٹھتا۔

ڈیرا گھٹنے کے جان لیوا انتظار کے بعد وہ دونوں گھر واپس آئے۔

”پتہ ہے موسم خراب ہے پھر باہر جانے کی ضرورت کیا تھی۔“ مچھولی ماما نے اونی کا کان پکڑ کر لٹاڑا۔

”مچھولی ماما ہارش بہت تیز تھی اس لئے ہم کتے میں رک گئے، نیت و رک نہیں آ رہا تھا اس لئے آپ کو انتظار بھی نہیں کر سکے۔“ ان کی پریشانی سمجھتے ہوئے افغان نے رسالہ سے جواب دیا۔

”چلو خدا کا شکر ہے آپ بخیر و عافیت ہیں، پہلے ہی رات کافی بیت چکی ہے، سب لوگ اپنے کمروں میں جاؤ اور آرام کرو۔“

بڑی ماما نے محفل پر خاست کرنے کا عندیہ سنایا تو تمام جملہ افراد چلے گئے، افغان نے انشال کی تلاش میں نکلا، دوڑا نہیں مگر وہ کہیں نہیں تھی، جب گاڑی گیٹ سے داخل ہوئی تب اس نے ہیڈ لائٹس کی روشنی میں اسے ٹیرس پر ٹھہرتے دیکھا تھا، وہ یقیناً کمرے میں تھی۔

سوچتے ہوئے وہ اندر داخل ہوا اس نے شوز اتار کر ریک میں رکھے وہ پلٹ کر بیڈ کے قریب آئے تو وہ چائے نماز بجھائے نماز پڑھنے میں مصروف تھی، افغان نہ جانے کیوں اسے دیکھے گیا، انشال کی اس کی جانب پشت تھی وہ بہت خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھ رہی تھی۔

”تم اس وقت کون سی نماز پڑھ رہی ہو؟“ وہ بچی تو افغان نے پوچھا۔

”شکرانے کے نقل پڑھ رہی تھی۔“

”کس لئے۔“ وہ اچنبھے سے سزا۔

”آپ بخیر و عافیت لوٹ آئے اس لئے۔“

اس نے سادگی سے بتایا، وہ حیران ہوا۔

”تو صبح پڑھ لیتی۔“ بچہ دوپٹے کے بالے

میں مقید اس کے پاکیزہ چہرے کو دیکھتے ہوئے وہ بولا۔

”جب اللہ تعالیٰ اپنا کرم کرنے میں دیر نہیں کرتا تو ہم اس کا شکر کرنے میں کیوں دیر کریں۔“ اس کے لہجے میں سچائی اور یقین تھا۔

”تم اچھی ہو انشال، لیکن مجھے تم سے نفرت کیوں محسوس ہوتی ہے۔“ اسے دیکھتے ہوئے اس نے سوچا۔

”کیونکہ آپ کا محبت کا معیار انشال احمد نہیں، کچھ اور ہے اور اس کے ساتھ مثال احمد کے بچہ رویوں کا ٹیبل بھی تو لگا ہے۔“ اس کے ضمیر اس کی سوچ کوڑی کوڑی کیا۔

”میرے لئے اس قسم کا تردد کرنے کی

ضرورت نہیں، اپنی فکر کرنے کا حق میں نے تمہیں نہیں دیا۔" اپنے خول میں سمٹتے ہوئے وہ درستی سے بولا۔

افغان نے لائٹ آف کر دی، جس کا مضاب تھا وہ یہاں سے جائے وہ خاموشی سے پٹ پٹ کی، گلاس وغذات سے جھانکتا ہونا ک سنا اور گڑ گڑاتی بجلی انشال کلرز آنے کے لئے کافی تھے، وہ زندگی میں پہلی بار بادلوں کی گڑ گڑاہٹ کے ساتھ تنہا سفر کر رہی تھی، خوف، بے بسی، رہائش اور وحشتیں سب مل کر اسے رلا رہی تھیں، خوف کی شدت سے وہ کانپ رہی تھی اس نے تکیہ سینے میں بھینچا ہوا تھا۔

ایک بار اس کا دل چاہا کہ افغان کے پاس چلی جائے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنا خیال جھٹک دیا، کیا معلوم وہ پھر اس محل کو آرامہ بازی سے مشروط کرتا، اس پر الزام دھردیتا کہ وہ اس کے قریب آنے کے یہاں ڈھونڈتی ہے، پھر حال وہ اپنے انا کے پندار کو ذمہ نہیں کر سکتی تھی۔

"مر جاؤں گی مگر تمہاری پتہ ہوں میں کبھی نہیں آؤں گی۔" اس نے خود سے عہد کیا، مگر تین دن تو رو بھی ہوئی تھی۔

☆☆☆

صبح اسے جلدی آنس کے لئے نکلتا تھا لہذا وہ بے غلٹ تیار ہوا اور بغیر ناشتے کے چلا گیا، بڑی عمارتوں کے دروازے پر نگاہ دوڑائی ساڑھے دس ہو رہے تھے اور انشال بھی تک پیچے نہیں آئی تھی، وہ تو فجر کی نماز کی ادائیگی کے فوراً بعد بڑی مہم اور بڑے پاپا کا ناشتہ تیار کرتی تھی، انہیں نظر نے آن گھیرا۔

"ظاہرہ!" انہوں نے ماما جان کو پکارا۔
"جی بھابھی۔"

"انشال ابھی تک پیچے نہیں آئی۔"
"بھابھی جان، رات کو لیٹ سوئی ہوگی اس لئے ابھی تک بیدار نہیں ہوئی۔" ماما جان نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"پھر بھی ظاہرہ، چاؤ پتہ کر کے آؤ، مجھے تو بہت فکر ہو رہی ہے۔" بڑی ماما نے نظرات سے زیر اثر کیا۔

"ٹھیک ہے میں دیکھ آتی ہوں۔" اسٹڈی روم میں اسے صوفی کم بیڈ پر آرامی تر بھی لیٹتے دیکھ کر ماما جان کی جان ہوا ہو گئی، انہوں نے آگے بڑھ کر اسے سیدھا کیا، گندم کی ہالیوں کی رنگت بخار کی شدت سے سرخ پڑ چکی تھی۔

"پانی۔" اس نے صرف لب ہلائے، نقابیت اور کمزوری سے اس کی آواز بھی نہیں نکل رہی تھی گزشتہ شب کا خوف اسے شدید بخار میں مبتلا کر گیا۔

اس کا وجود ہوئے ہوئے کانپ رہا تھا، ماما جان نے فوراً گلاس اس کے لبوں سے لگایا، دو گھونٹ پی کر وہ بے دم ہو کر پھر گر گئی۔

"تم سب کا دھیان رکھو میری بیٹی اور تمہیں کوئی ایک لمحے کے لئے بھی نہ پوچھے میں نے آپ کے ساتھ بہت نا انصافی کی۔" اسے کمرے سے الگ، افغان سے دور یہاں اسٹڈی میں پڑے دیکھ کر ماما جان کو ان کے رشتے میں پڑی درازیں سمجھنے میں دیر نہیں لگی تھی، آنسو بے ساختہ ان کے عارض بھگو گئے۔

پھر ماما جان نے ارٹھی کو فون کر کے بلایا اور وہ دونوں اسے قریبی کینک میں لے گئے۔

"اب کیسا محسوس کر رہی ہو انشال۔" ارٹھی نے اسے نگاہیں ڈال کر تے دیکھا تو فوراً پوچھا جواباً اس نے سر ہلاتے پراکتفا کیا۔

"افغان آنس چلا گیا حیرت ہے مجھے اسے

معلوم نہیں تھا یہی اس قدر بخت میں پھنک رہی ہے۔" بڑی مہم کی انتہا پر غصہ آیا۔

رات گئے اس کی طبیعت قدرے سنبھل چکی تھی مگر نقاہت اسے اٹھنے نہیں دے رہی تھی، منان، روخیل اور شامل سائے کی طرح اس کے ساتھ تھے مہم جان اس کا بھرپور خیال رکھ رہی تھیں۔

وہ گھر پہنچا تو انشال کی حالات کی خبر لی، مگر یہ کیا بیٹہ اس کا انتظار کرنے کے بعد سونے والی مہم جان آج سرشام ہی کمرے میں بند ہو گئیں، وہ ان سے ملنے کمرے میں گیا تب بھی خاموشی کا فطرتی ان کے لبوں پر لگا تھا وہ اس سے شدید ناراض تھیں اس کا اظہار ان کا ہر برائے انداز ظاہر کر رہا تھا، بچہ انشال تھی۔

اس کے غصے کا گراف ناچا ہے ہوئے بھی بلند ہو گیا تھا، کمرے میں منان روخیل اور شامل کے درمیان گھری وہ کسی بات پر مسکرا رہی تھی انٹان کا دل چاہا تھا کہ وہ اس کی مسکراہٹ لوج

۔"او کے بھابھی، بھائی آگئے ہیں، اب وہ آپ کا خیال رکھ لیں گے ہم چلتے ہیں۔" اسے آنا دیکھ کر منان شرارت سے پولا، جب کہ باقی دونوں کی کھی کھی اشارت ہو چکی تھی۔

"منان، میں کسی بھی فضول بات کے موڑ میں نہیں ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"اب چلو بھی بھیا نے بھابھی کی خیریت بھی تو دریافت کر لی ہے۔" شامل کی سرگوشی اس قدر بلند تھی کہ وہ بتو بی سن سکتا تھا۔

"بالکل ٹھیک اور یہ کام آپ کی موجودگی میں تو بالکل نہیں ہو سکتا اس لئے گڈ نائٹ۔"

مسکراہٹ بے ساختہ اس کے لبوں کے کناروں میں پھل اٹھی، شرارتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے

وہ تینوں پلٹ گئے، انٹان نے کمرہ لاک کیا اور بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا، انشال فوراً سمٹ کر بیٹھ گئی، نظریں جھکائے وہ اس کے بولنے کی خطر تھی۔

"مہم جان سے آپ نے میری کیا شکایت لگائی ہے۔" اس کا حال حال پوچھنے کی بجائے وہ ہاتھ پر سر کر رہا تھا اس کا دل کسی نے مسی میں بھیج لیا، درد کے احساس سے وہ زرد پڑ گئی۔

"کیا مطلب۔" وہ ابھری۔

"کیا ثابت کرنا چاہتی ہو تم بہت مظلوم ہو، ظلم و بربریت کا ہر طوفان میں نے تمہارے وجود پر توڑ دیا ہے بہت مظلوم ہو، کس چیز کا بدلہ لے رہی ہو تم۔" دھیمی گھر آواز میں وہ غرایا۔

"میں نے مہم جان سے کچھ نہیں کہا۔" اس کے چار مانہ تیوروں سے وہ خوفزدہ ہو گئی۔

"وہاں جان ہو تم، جس دن سے میری زندگی میں آئی ہو سکون چھین لیا ہے میرا۔" اس کی آنکھوں میں شعلے لپک رہے تھے مہم جان کی ناراضگی سے زیادہ اس ناراضگی کا سبب اسے تکلیف دے رہا تھا اپنے بیٹے پر وہ اس لڑکی کو فوجیت دے رہی تھیں اس نے گا اس اٹھا کر لبوں سے لگایا تھا۔

انشال کبیل بٹا کر بیڈ سے اٹھی ایک دم اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، اس نے خود کو گرنے سے بچانے کے لئے بے ساختہ بیڈ کا کونا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو تم؟" پیشانی پر شکنوں کا جال پھینا۔

"اسٹڈی میں۔" وہ منمنائی۔

"رہنے دو، ادھر ہی لیٹ جاؤ۔" اس کی طبیعت خرابی کے پیش نظر وہ دھیمی آواز میں بولا۔

"نہیں میں وہاں زیادہ کمر ٹیبل محسوس کروں گی، مجھ پر ترس کھانے کی ضرورت نہیں

ہے میں کسی سے کوئی شکایت نہیں کروں گی۔“
اس نے ٹکڑا توڑا انکار کیا، اس کے انکار پر افنان کو
سر پر لگی اور تلووں تکھی، ہاتھ میں پکڑا گا اس اس
نے پوری شدت سے دیوار میں دسے مارا،
چھتا کے کی زور دار آواز پیہ کرتے ہوئے گا اس
ان گنت ٹکڑوں میں بٹ کر زمین بوس ہو گیا،
انشال دہل کر دیوار سے لگ گئی۔

”تمہیں کیا لگتا ہے مجھے ماما جان کا خوف
ہے اس لئے میں ہمدردی دکھا رہا ہوں یا بہت
ترپ رہا ہوں تمہیں چھوٹنے کے لئے یا تم مجھ پر،
کیا سوچتی ہو تم اس طرح تمہارے یہ ناک مجھے
متاثر کر دیں، یہ ناک مجھ پر رتی برابر بھی اثر نہیں
کریں گے سازشچی ٹکی۔“ آنکھوں میں غنہ بھر کر
لیوں سے شعلے برسائے۔

”میں ایسا کچھ نہیں جانتی، یہ سب آپ
کے دماغ کا خور ہے۔“ اس کی غلط فہمیاں اسے
فتح کر گئیں مگر وہ خاموش نہیں رہ سکی جس پر
”دلچ ہو جاؤ یہاں سے اور پھر بھی مجھے اپنی
شکل مت دکھانا۔“ سر ہاتھوں پر گرا کر وہ حلق کے
بل دھاڑا۔

”سنا نہیں تم نے۔“ اسے وہیں کھڑا دیکھ کر
اس نے بلند آواز میں کہا، وہ نیگے پاؤں کھڑی تھی
راہ میں گھاس کے اخیروں ٹکڑے حائل تھے اس
نے قہر میں بڑھایا کالج کا ٹوکیا ٹکڑا اس کے نازک
پیر میں گھس گیا زور دار چیخ اس کے حلق سے برآمد
ہوئی۔

پہلے ہی کمزوری سے اس کا بدن کانپ رہا
تھا اس پر یہ زخم وہ بے دم ہو کر گرنے کو تھی جب
افنان نے اسے بازوؤں میں بھر لیا، خون بڑی
تیزی سے کارپٹ کی ساج کو سرخ کرتا جا رہا تھا،
افنان نے اسے بیڈ پر بٹھایا، وہ ترپ کر اس کے
حصار سے نکل، اس کے رونے میں شدت آئی وہ

زور و شور سے رونے لگی اس نے اپنے آنسو
چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی، افنان نے اس کے
پیر کا جائزہ لیا۔

کالج اندر تک گھسا ہوا تھا، اس نے کھینچ کر
ٹکڑا نکالا، درد کی شدید لہر اس کے پورے وجود
میں سرایت کر گئی، افنان نے فرسٹ ایڈ باکس
نکالا، وہ اس کے پیر کی ڈریسنگ کرنے کا ارادہ
رکھتا تھا مگر اس نے حیرت کھینچ لیا۔

”میں خود کر لوں گی کوئی ضرورت نہیں ہے
مجھ پر یہ احسان کرنے کی۔“ یہ اس کا احتجاج ہی تو
تھا، جواباً اس نے تھپی لگایا ہوں سے اسے گھورا اور
پاؤں پکڑ کر زخم پاؤں ڈین سے صاف کرنے لگا
اس کے اعزاز میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ وہ مزید
مزاحمت نہیں کر سکی، وہ اس کی ڈریسنگ کر رہا تھا
اور وہ یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی، وہ اس کی خود پر
توجہ محسوس کر سکتا تھا مگر وہ انجان بنا مصروف رہا۔
”تمہاری جگہ کوئی بھی ہوتا تو اس حالت
میں، میں اس کا اتنا ہی خیال کرتا اس لئے کسی بھی
غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ اسے
لگا کر کھل درست کیا اور عام سے لپچے میں بولا۔
”افنان۔“ وہ مڑا تو اس نے پکارا۔
”ہوں۔“

”لائٹ آف کر دیں۔“ اس نے کہا اور
بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔
”عجب ساجیسی کیس ہے۔“ لائٹ آف
کرتے ہوئے اس نے انشال کی مسکراہٹ پر
تبصرہ کیا اور خود صوفے پر آکر لیٹ گیا۔

☆☆☆

ماما جان کو انشال کے ساتھ ہوئی یا انسانی
ہر لمحہ مادہ رکھتی، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ وہ
افنان سے ملے گی اس موضوع پر بات نہیں کریں گی
ہر لمحہ کی ٹینشن نے انہوں کو بیڈ پر بیٹر کے مارنے

ماہنامہ جانا (72) اگست 2014

سانسوں پر بوجھ لگتا ہے۔ "وہ تھک گئی تھی اس نے اعتراف کیا اور ماما جان کی گود میں سا گئی۔

"جب آپ کو پیار کے بدلے پیار نہ ملے تو چاہت کی چاہ چھوڑ دینی چاہیے میرے بچے۔"

"کیا مطلب؟" اس نے الجھ کر سر اٹھایا۔
"انسان آپ کو قبول کرنے پر تیار نہیں، میں آپ کی مزید حق تلفی برداشت نہیں کر سکتی، اس مسئلے کا حل آپ کی عیادت کی ہے۔" انہوں نے اس پر ہم چھوڑا، اسے چاروں اور دھماکوں کی آواز میں سنائی دے رہی تھیں۔

"ماما جان..... الگ ہو جاؤں۔" وہ بے یقین لگا ہوں سے نہیں دیکھ رہی تھی۔

"ایسا مت کہیں ماما جان آپ کا ساتھ میرے لئے چلا لائی دھوپ میں مٹنی چھاؤں سا ہے مجھے اپنی چھاؤں سے محروم نہ کریں۔" ان کا ہاتھ تمام کر وہ سکئی۔

"میرے سہارے پوری زندگی نہیں کئے گی انشال، اڑیڑھ سال میں انشان آپ کو نہیں اپنا پایا تو مستقبل میں بھی ایسا نہیں ہو گا بہتری اسی میں ہے۔"

"ماما جان مجھے آپ سے محبت ہے، دائیٹ بلیس کے درود دیوار سے اسیٹ ہے، مجھے ٹائل کو پڑھانا اچھا لگتا ہے، مٹان اور روٹیل سے بننا بولنا اچھا لگتا ہے، نور اور زینہ آپی کے دکھ سکھ سننا اچھا لگتا ہے، بڑے بابا اور بابا جان کے ساتھ برنس ڈسکس کرنا اچھا لگتا ہے، ارگی کی پسند کی لاشو مانا اچھا لگتا ہے، میں ان رشتوں کے سہارے زندگی گزار لوں گی۔" وہ ڈب ڈب کر بولی۔

"یہ سب رشتے اور ان کی محبت تل کر انشان کی محبت کا نعم البدل نہیں ہو سکتی، میں ہمیشہ نہیں رہوں گی انشان میری بات مان لیں، اسی میں آپ کی بناء ہے۔"

میں جتا کر دیا تھا۔

"ماما جان آپ نے دوائی ابھی تک نہیں لی، آپ اپنا ہانکل دھیان نہیں رکھتیں۔"

وہ انہیں محبت بھری ڈائٹ پلا رہی تھی اور ماما جان اس کا جائزہ لے رہی تھیں، خود سے بے گانہ نکھری سی حالت، آنکھوں میں کاجل نہ ہونٹوں پر رنگ، اداس اور مطموم، ہونٹوں کی مسکراہٹ تو آنکھوں میں بھگورے لہجی ویرانی کی نفی کرتی تھی۔
وہ اسے دیکھتیں تو انہیں کائنات کے رنگ اس چہرے پر سمٹے نظر آتے، اب وہ رنگ مدہم مڑتے دکھائی دے رہے تھے، ماما جان نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

وہ اس گھر کی بیٹی تھی ملازمہ نہیں، اگر اس خاندان کو سنبھالنا اس کا فرض تھا تو اسے بیٹی اور بہو کے علاوہ بیوی کے حقوق ملنا بھی اس کا حق تھا، ان لوگوں کی خوشی کے لئے وہ خود کو بھول چکی تھی یا شاید انشان کی بے اعتنائی اور نصیب کی ناقدری اسے احساسات سے دور لے گئی۔

"انشال!" انہوں نے دیر سے اسے پکارا۔

"بی ماما جان۔"

"میں نے آپ کے ساتھ زیادتی کی ہے، آپ کو بھرنے پر نے خاندان کے ہونے کے باوجود تنہائیوں کے سپرد کیا ہے اب اس کا ازالہ کرنے کا وقت آ گیا ہے۔" اس کی آنکھوں میں صفا تک کردہ مضبوط ارادوں سے بولیں۔

"ایسا کچھ نہیں، آپ خود کو پریشان مت کریں۔" انداز سرسری تھا۔

"حقیقت سے نظریں چرانے سے کام نہیں چلے گا، آپ کو خالق کا سامنا کرنا ہو گا۔"

"کیسی حقیقت ماما جان، اب کچھ حقیقت کو فسانہ نہیں لگتا، سب بے تاثر اور زندگی کی

وہ اپنے فیصلے پر اٹل تھیں، انشال نے مزید احتجاج نہیں کیا، جب کوئی خود ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دے تو سنبھلنے کی حدیں وہ توڑ جاتی ہیں، اس نے آنسو رگڑے اور لڑکھڑاتے ہوئے کمرے کی سرحد عبور کر گئی۔

ہو ہوا ہوا

"بھابھی پیلیز میری شرٹ اسٹری کریں۔" منان تیزی سے چلن آیا شرٹ اسے تھمائی اور پیٹ کیا، انشال نے انکار نہیں کیا سست روی سے چلتی اسٹری اسٹینڈ تک چلی گئی، اس کا زخم ابھی بھی گہرا تھا وہ انتڑا کر چل رہی تھی آج سندے سے تھا، تمام جملہ افراد گھر پہ ہی موجود تھے اور ہر ایک کو انشال جا بے تھی۔

"بھابھی سر میں بہت درد ہے ایک ٹیبلٹ اور اسٹرائک سی چائے ڈرا جلدی۔" صوفے پر دھب سے بیٹھتے ہوئے شائل نے ہدایت جاری کی، افنان پہلو بدل کر رہ گیا یہ قریب ہی تو دروازے میں گولی پڑی تھی شائل اتنا سا کام خود نہیں کر سکتی تھی۔

"بھابھی آپ نے میرے کپڑے لائڈری نہیں بھیجے سب ویسے ہی پڑے ہیں اب میں کیا پہنوں۔" روڈیل منہ بسورے اس کے سر پر کھڑا تھا۔

"لائڈری میں آیا ہی نہیں تو کسے دیتی، لاڈ جیسے دو میں دھو دیتی ہوں، اسپر میں ڈال دوں گی ابھی خشک ہو جائیں گے۔" اس سے کپڑے پکڑ کر وہ الٹی میں گم ہو گئی۔

ہر ایک کام نمٹاتے نمٹاتے وہ روپہر کا کھانا بھی ساتھ ساتھ تیار کر رہی تھی۔

"انشال دو چار ڈشیز زیادہ بنالیں میرے کچھ دوست آرہے ہیں۔" ارگنی نے کہا تو وہ اٹنے قدموں کچن میں گھس گئی، افنان کو گھر دھنا

مذاب نگ رہا تھا، اس کے گھر والوں نے جانوروں کی طرح اس پر کام لا دیا ہوا تھا، اسے خیریت ہو رہی تھی وہ ایسے بے حس تو نہ تھے۔

"ارگنی انشال اکیلی یہ سب کیسے کرے گی تم ہوٹل سے کچھ منگوا لو۔" بالآخر اس کا ضبط چھٹک ہی گیا۔

"کیا ہو گیا ہے افنان، وہ یہ سب پہلی بار تھوڑی کر رہی ہے یہ تو اس کی روز کی روٹین ہے وہ نہیں جھکے گی، تمہیں شاید پہلی بار نظر آ رہا ہے۔" ارگنی نے طنز میں ڈوبے لہجے میں کہا۔

اور اپنے گھر والوں کی بے حس پر اسے جی بھر کر غصہ آیا وہ چلن کڑھتا کمرے میں گھس گیا۔

"یہ کیا کیا آپ نے انشال، بریانی پر بھی کا تر کا لگا دیا، ارگنی یہ بریانی نہیں کھانا آپ کے بڑے پاپا کو گرے گوشت سے سخت الہجک ہے ان کی طبیعت کا بھی خیال نہیں کیا آپ نے، آپ اس گھر کے لوگوں کے مزاج سے واقف نہیں ہیں، پلیز ہر کام میں مداخلت مت کیا کریں، جائیں اب یہاں سے سب کچھ مجھے دوبارہ کرنا پڑے گا۔" ماما جان نہایت درشتی سے کہتے ہوئے کچن اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"امان (چھوٹی ماما) میری مدد کرو جلدی سے کچھ اور بنا لیتے ہیں۔" اسے بکسر نظر انداز کئے وہ دوبارہ کام میں مصروف ہو گئیں، ماما جان کا گزشتہ تین دن سے بکرا روٹیاں تھا اس کے ہر کام میں اسے کیڑے نظر آتے، افنان کسی کام سے جا رہا تھا ماما جان کی بلند آواز سن کر وہیں سے مگن میں پیٹ آیا، جہاں انشال کو زبردست ڈانٹ پائی جا رہی تھی، وہ لب کاٹتے ہوئے چپ چاپ سن رہی تھی، افنان بری طرح تھکایا، وہ تیزی سے افنان کی سائیڈ سے نکلتی چلی گئی۔

"ماما جان۔"

ماہنامہ دنیا (4) اگست 2014

"میں اس وقت بہت مصروف ہوں تمہاری بیوی نے جو کام بگاڑے ہیں انہیں ٹھیک کرنے میں ناظم لگے گا۔" انہوں نے دیکھے بغیر مصروف ستانداز میں جواب دیا۔

"میری بیوی کو آپ ہی بیاہ کر لائی ہیں۔" وہ غصے سے بولا۔

"تو یہ ڈانٹ بھی میں نے ہی اسے پائی ہے، تمہیں کیا تکلیف ہے۔" ماما جان اسے بخشتے کے موڈ میں نہ تھیں۔

"ماما جان آپ کو کیا ہو گیا ہے، ایک دم سے وہ آپ کو اتنی بری کیوں لگنے لگی ہے۔"

"میں کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔"

ماما جان نے ٹکسا جواب دیا، تو جلتا بھٹتا چیزوں کو ٹھوکریں مارتا پلٹ گیا، پھولی ماما اور ماما جان نے ڈومنی انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔

☆☆☆

ماما جان کے حکم کی تعمیل ہو گئی، انشال خاموشی سے وائٹ پبلس کے دروازے کو الوداع کہہ گئی، شاید یہی بہتر تھا کل کو سب لوگ اپنی اپنی جگہ سیشنل ہو جاتے تو انشال کی کیا وقعت رہ جاتی، اس کا شوہر اس کی حیثیت ماننے سے انکاری تھا تو پھر اپنے حقوق کس سے منوالی۔

نیرس پہ کھڑے اسے گھر کے لان کو دیکھتے ہوئے اسے وائٹ پبلس کے اطراف میں بکھرا ہوا بھرا منظر یاد آ گیا۔

"انشال اندر آ جاؤ بیٹا سردی بڑھ رہی ہے۔" پشوار نے اسے بکارا، دسبر کی خشک اور اداس شاموں کی جی اس کے اندر کہیں ٹھل گئی۔

"انشال اتنی اداس کیوں رہتی ہو میری جان۔" اس کے چہرے کی دیرانی اور سناٹا دیکھ کر ان کا دل کٹ گیا۔

"ماما بچپن میں آپ نے مجھے ماموں کے

پاس بھیج دیا جب مجھے آپ کے پیار اور پرورش کی ضرورت تھی بڑی ہوئی تو واپس بلا لیا جب ماموں اور ممانی جی کو اپنا سیکھ لیا، میری مرضی کے بغیر شادی طے کر دی اور اس نے صحن شادی کے دن مجھے ٹھکرادیا، پھر اپنی عزت بچانے کے لئے مجھے ایک اور شخص کی بھیئت چڑھا دیا، ایسا انسان جس کے خیالات خواب اور زندگی کے اصول مجھے اس میں مدغم ہونے کی اجازت نہیں دیتے، سب اپنی اپنی جگہ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں کوئی مجھ سے میری مرضی کیوں نہیں پوچھتا، میں بھی انسان ہوں، مگر روئے مجھے دکھ دیتے ہیں، محبت کی چاہ کے احساسات میرے دل میں چل اٹھتے ہیں مجھے بھی تکلیف ہوتی ہے میرے بھی آنسو بہتے ہیں، میری برداشت سے بڑھ کر مجھے اذیت مت دیں۔" وہ پھٹ پڑی تھی جب لفظ دہا دہا کر سینے میں لاوا بن جا میں تو وہ یونہی ایک دن بھوٹ بہتے ہیں۔

"انشال میری بچی۔" پشوار نے نور انزب کر اس بکھری لڑکی کو خود میں سمیٹا۔

"مجھ سے اور؟" ان مت کیجئے گا ماما، مجھے وہاں جانے پر مجبور مت کیجئے گا، میری ذات کو مزید اذیت نہ کیجئے گا۔" روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

"انشال ہو سکتا تو مجھے ماف کر دینا، انفلان کے ساتھ بیاہ کر میں تو مطمئن ہو گئی کہ طاہرہ کے بیٹے پر مجھے کامل بھروسہ تھا، میں نہیں جانتی تھی وہ میری بیٹی کا یہ حال کرے گا۔"

"اس میں ان کی کوئی غلطی نہیں ماما، آپ انہیں مورد الزام نہیں ٹھہرا سکتیں، جب کوئی چیز یا فیصلہ بردستی کسی کے سر قیوب دیا جائے تو وہ بوجھ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔

ماہنامہ دنیا (75) اگست 2014

رسانیت سے جواب دیا، وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ اس خبر پر خوش ہوا یا پریشان مگر اسے چپ ضرور لگ گئی تھی۔

”جو فرائض وہ یہاں سر انجام دے رہی تھی، وہ تو ایک ملازمہ بھی دے سکتی ہے تو میرے خیال میں کسی کو میرے فیصلے سے اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔“ ماما جان کے لہجے میں شہرآؤ اور سکون تھا۔

”ماما جان آپ میری بیوی کو ملازمہ سے کمپئر کر رہی ہیں۔“

”کیوں نہیں افغان، جب اپنی بیوی کو بیوی نہیں سمجھتے تو ہم کیوں اسے بہو مانیں، جب اس کے حقوق نہیں دے سکتے تو ہم سے بھی کوئی ایسی توقع مت رکھیں، جب آپ اس کی انسلٹ کر سکتے ہیں تو ہم کیوں نہیں، آپ کے لئے وہ قیراہم ہیں تو ہم سے بھی اہمیت کی امید مت رکھیے گا، بیٹے آپ کی خوشیاں چھین کر میں نے بہت بڑی غلطی کی، اب وہ آپ کو لوٹانا چاہتی ہوں، انشال آپ کی خوشی نہیں ہے۔“ ماما جان نے اس کی اچھی خاصی کھینچائی کر ڈالی۔

”نمایاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں افغان، آپ اسے احترام دے گے تب ہی سب اسے معتر جانیں گے۔“ لوبا گرم دیکھ کر ماما جان نے مزید چوٹ کی اور اسے سوچوں میں گھرا دیکھ کر چلے سے اسے دیں چھوڑ گئیں۔

افغان سونے کے لئے لیٹا تو نہانے کیوں اس کی گرم سانس اس سے پرچھل کرنے لگیں، اس دن جب وہ لولی تو افغان جاک رہا تھا، وہ جان بوجھ کر سوچا نہ کیا، اس کی حکومت محسوس کر کے، وہ نہان بن گیا، وہ اس پر کی تو افغان کے دل میں نفرت کی ضرب لگی مگر ہر اس کے الفاظ نے اس پر

”میں افغان سے بات کرتی ہوں۔“
”اب مجھے اور لولی مل مت کریں کیا تمہیں مگر اسے، میری بیٹی کو سہل چاؤ، پلیز اب اور نہیں۔“
وہ آنسو رگڑتے ہوئے ٹی سے بولی۔

”اوکے نہیں کرتی، درمیکس، فریش ہو کر آؤ میں تب تک کھانا لگواتی ہوں۔“ اسے برہم دیکھ کر پشوار نے بات چینی تو وہ بھی سر ہلاتی کمرے سے بالحد وادش روم میں کھس گئی۔

”شائل میری شرٹ کا بٹن لگا دو۔“ افغان نے شرٹ اسے تھمائی۔

”بھائی مجھے نہیں آتا لگاتا۔“ وہ صاف کر گئی۔

”تمہیں اتنا سا کام نہیں آتا۔“ اسے حیرت ہوئی۔

”بیٹے زونوہ اور نور آلی کچھ نہیں کرنے دیتی تمہیں اب انشال بھانجی۔“ اس نے معصومیت سے آنکھیں پھپھائی۔
”خیروں نے مل کر بنا ڈا ہے تمہیں۔“ وہ زور لب بڑھایا۔

”انشال کہہ رہا ہے۔“ اس نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑا کر پوچھا۔

”بھابھی تو اپنے گھر چلی گئیں۔“ سر پرانز اس کا منتظر تھا۔

”میں نے کہا، آج کے بعد میں انشال کا ذکر نہ سنوں۔“ پیچھے سے ماما جان نے سخت لہجے میں تنبیہ کی وہ نہانے کب لاؤنج میں آئی تھیں۔

”کیا مطلب ماما جان؟“ وہ الجھ کر ان کی سمت بڑھا۔

”بیٹے میں نے انہیں ہمیشہ کے لئے وائٹ بلیس سے رخصت کر دیا ہے، اب آپ کو اور ہمیں اضافی بوجھ نہیں اٹھانا پڑے گا۔“ ماما جان نے

ماہنامہ دنیا (76) اگست 2014

ایک اور حقیقت منکشف کی۔

”یو آر آپرٹس اینڈ یوڈیزرو آپرٹس۔“ اس کی پاسٹ کے لباس میں لمبی بازگشت اس کے گرد گھومتی، وہ بے چینی سے اٹھ بیٹھا۔

”تم نے مجھے غلط سمجھا انشال، تمہیں لگتا ہے میں رشتوں کو شکل و صورت کے لحاظ سے بانٹتا ہوں۔“ وہ اٹھ کر کمرے میں چلا آیا۔

”نوریا تم چاہے جانے کے قابل ہو یا اپنے جڑ بیٹہ سے انجان رہو گی تو کبھی نہیں لوٹیں گے انہیں اپنے ہونے کا احساس دلاؤ۔“

ایک دن اس نے نوریا سے انشال کو کہتے سنا۔

”لوگوں کو نصیحت کرنے والی خود اپنا احساس مجھے کیوں نہیں دلا سکی۔“ سوچوں کے بھنور میں ڈوبتا وہ لائونج میں اترتی میز میوں کی سمت بڑھا۔

”ہم رشتوں کو لاپرواہی سے بدستہ ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ریت کی طرح ہاتھ سے جھسل جاتے ہیں، افغان نے بھی اول روز سے ہی انشال سے پرہیز کر لیا، مثال کے لفظوں کی جوت اور اپنے ٹھکانے کی ضربیں وہ انشال پر آڑ مارتا رہا، اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں کہ اس رشتے کو انجام کی ضرورت ہے، اس نے انشال کو قبول کرنے کی کوشش بھی نہیں۔“ قطر قطرہ رات جاگ رہی تھی اور ساتھ دھیرے دھیرے افغان بدنام بھی سلگ رہا تھا۔

وہ اس لڑکی سے محبت نہیں کرتا تھا لیکن اسی کی کمی اس پر واضح لال لے کر اتری تھی، وہ صوفے پر ٹک گیا، اپنی حالت سے بے خبر، وہ مانتا نہیں جانتا کہ انشال اس کے لئے اہم ہے وہ اس کے لئے کیونکر اہم ہو سکتی تھی وہ تو مثال کی بھین تھی اس کا حوالہ اس سے بھڑکنے کے لئے نہ تھی

نہیں تھا، وہ خود کو الجھا رہا تھا۔

”کیوں جناب بیوی کے بغیر نہیں آ رہی جو روحوں کی طرح آدمی رات کو منڈلاتے پھر رہے ہو۔“ اس کے قریب ارنگی بیٹھ گیا اور طر کرنا اپنا فرض جانا۔

”پلیز اب تم بھی شروع مت ہو چنا اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”یار میں تو پرائیویٹ اسٹڈی کر رہا تھا اس لئے تیند سے جنگ ہے۔“ ارنگی نے وضاحت دی۔

”افغان..... مجھے تمہارے رویے کی سمجھ نہیں آتی۔“ ارنگی نے تمہید باندھی۔

”کس بارے میں؟“

”تم انشال کو کس بات کی سزا دے رہے ہو، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔“

”اب تم بھی اس کی سان میں قصیدے پڑھتے مت ڈر جانا۔“ وہ جڑے پن سے بولا۔

”اب کوئی انسان ہو ہی اس قابل تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔“ ارنگی نے اسے مزید چڑایا۔

”افغان وہ کہاں غلط ہے مجھے بتاؤ۔“ وہ سنجیدہ ہوا۔

”وہ غلط نہیں ہے لیکن وہ غلط ہے گی۔“

”یہ کیا بات ہوئی۔“

”وہ غلط ہے کیونکہ اس نے مجھ سے اپنا حق وصول نہیں کیا، اس نے مجھ سے میرے رویے کا سبب جاننے کی کوشش نہیں کی، میں نے سوگڑ کا فاصلہ بتایا تو وہ ہزار گز کے فاصلے پر چل گئی، میں نے بات نہیں کی تو اس نے بھی ضرورت محسوس نہیں کی، میں بدگمان تھا تو اس نے کون سا منہائی دی۔“

"یعنی تم اس کی طرف سے پیش رفت کے
فطر تھے۔" ارٹھی نے نتیجہ نکالا۔

"میں نے بھی اپنے رشتے کو وقت نہیں دیا
ارٹھی۔" اس نے سچائی سے اعتراف کیا اور میز کی
سطح کو انگلی سے کھرپنے لگا۔

"تم نے جب اس سے امیدیں وابستہ کیں،
جب اسے تمہاری ضرورت تھی، ایک انسان جو
اس کی زندگی سے منسوب ہونے جا رہا تھا وہ اسے
بچا منجھوڑا میں چھوڑ گیا اور جسے اسے سونپا گیا وہ
اس سے بھی زیادہ جی دار لگا، وہ کس قدر ذہنی
اذیت میں مبتلا ہو گی تم نے بھی یہ سوچا، بجائے
اسے سنبھالنے کے تم نے اسے احساسِ ذریاں میں
جٹا دیا ہے اور افسوس مجھے اس بات پر ہے کہ
تمہیں اس پر پچھتاوا بھی نہیں۔"

"ارٹھی مجھے پچھتاوا نہیں، یہ تم کہہ رہے ہو،
ضروری نہیں ہر بات کے لئے واویلا کیا جائے
کچھ باتیں دل تک محدود ہوتی ہیں۔" اس نے
صاف دامن بچایا۔

"بعض دفعہ دل کی باتوں کو زبان دینی پڑتی
ہے ورنہ وہ جدائی کے انت نقوش ثبت کر چاتی
ہے انگہارِ محبت کی شرط ہے۔"
"تم سے کس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت
ہے۔" وہ انکار ہی ہوا۔

"اس لمحے نے جب اس کی فکر میں تم رات
بھر جاگے، جب تم نے ماما جان سے اس سے
متعلق باز پرس کی، جب تم نے مجھ سے اس کے
دفاع کے لئے بات کی اور یہ لمحہ جو ہم دونوں کے
مابین ہے جو جی جیجی کرا اعلان کر رہا ہے کہ افغان
عدنان انشل کے بغیر ادھر رہا ہے۔"

"تم کچھ زیادہ ہی جذباتی نہیں ہو رہے۔"
اس کی سنجیدگی پر افغان بے ساختہ ہنس پڑا۔

"اب تم میرے ڈائیلاگز پر اپنی مسکراہٹ کا

پانی پھیر کر ستیا ناس مت کرنا۔" وہ بھی ہنسنے
ہوئے بولا۔

"اپنے دل میں منجائش پیدا کرو افغان، اپنی
انا کو ایک طرف رکھ کر انشل کا محاسبہ کرو نتیجہ بہت
شقاف اور صاف نظر آئے گا۔" ارٹھی نے اس
کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو اس کے مسکراتے
لب سمٹ گئے۔

"گڈ نائٹ۔" اسے نظر انداز کرنا وہ پلٹ
گیا ارٹھی کی ستاسف نکاہوں نے دور تک اس کا
تغائب کیا۔

ہو ہو ہو

"ماما جان، آپ کو پتہ ہے انشل کی لندن
سکول آف اکنامکس میں پھر ارشپ ہو گئی ہے۔"
رونیہ کی زندگی میں بیٹے کسی صورت میں
اضافہ ہو چکا تھا وہ آج کل وائٹ ہاؤس کو رونق
بخش رہی تھی، افغانی کے وقت اس نے کرنٹ
لیوڈ دی۔

"جتنی ٹیلنڈ ہیں بھابھی ان کے اسٹینڈرڈ
کو میچ بھی یہی چاہ کرتی ہے۔" شائل نے سچائی
سے اس کی تعریف کی۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا آپلی، ادھر تو بھابھی
نے سارے رابطے ختم کر رکھے ہیں۔" روہیل کو
افسوس تھا۔

"میں نے کل کال کی تھی اسے تو اس نے
جتایا کافی خوش تھی۔"

خاموش بیٹھے افغان کو نظروں کے نوکس میں
لائے ہوئے وہ ذومعنی اھواز میں بولی، جس کا
چہرہ بے تاثر تھا۔

"ماما جان ہم سب بھابھی سے ان کے
لندن جانے سے پہلے ملنے جانا چاہتے ہیں۔"

ماما جان جو ان کی باتوں کا کوئی نوکس نہیں
لے رہی تھیں گو منان نے اچانک گفتگو میں

ماہنامہ سن (S) السٹ 2014

گھاڑی چلا آ رہا جب قلعہ لین میں گھسنے سے وائٹ سوک سے اس کی گرے کر دلا جا کھرائی، اس نے بروقت بریک لگا لی تب بھی اس کا سر جھٹکے سے اسیرنگ سے ٹکرایا، درد کی ایک شدید لہر اس کا دماغ سن کر گئی مگر اگلے ہی لمحے وہ خود پر قابو پا کر گھاڑی سے باہر نکلا، لہجوں میں ایک بھیڑ دوڑوں گھاڑیوں کے گرد جمع ہو چکی تھی، دوسری طرف ایک لڑکی تھی جن کا سر کھڑکی کی طرف ڈھکا ہوا تھا، انسانی ہمدردی کے تحت اس نے کندھے سے سیدھا کیا تو اسے ہزار دہشت کا کرنٹ لگا، دو اور کوئی نہیں انشال احمد تھی، اس کے سر سے بہتے خون اور بند آنکھوں کو دیکھ کر اس کے حواس جھنجھٹا اٹھے تھے بلا سوچے سمجھے اس نے اسے گھاڑی سے نکالا اور اپنی گھاڑی میں ڈالا، اس کی منزل قریبی ہسپتال تھا۔

☆☆☆☆

جب اسے ہوش آیا تو درد سے سر میں شدید ٹیسس اٹھ رہی تھیں، اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لیں۔

”کوئی پریشانی کی بات نہیں، ڈیٹس شدید اعصابی جھٹکا لگا ہے اسی کے سبب بے ہوش ہو گئیں، آدر وائٹ ایوری تھینک آؤ آل رائٹ۔“ ڈاکٹر رانا یوسف نے اسے تسلی دی۔

”تھینک یو ڈاکٹر۔“ انشال نے ان کا شکریہ ادا کیا تو وہ سر ہلاتے باہر نکل گئے۔

شب کا آخری پہر تھا، ہلال عید آسمان کی دستوں میں براجمان چمک چمک کر شب کی تاریکی کو اپنی نیلگوں اور اچلی روشنی سے منور کر رہا تھا، سینڈ فلور کی پہلی رو میں تیسرا کمرہ ان کا تھا، پچھلے تین گھنٹے سے وہ اس کے بیدار ہونے کا انتظار کر رہا تھا، دل میں ہزاروں اظہار محفل رہے تھے مگر اس کی بے چینی سے بے خبر وہ تو بلی پر

کھینٹا۔

”منان خاموشی سے انتظار کریں۔“ منا جان نے اسے جھڑک دیا جس کا صاف مطلب انکار تھا۔

”سوری منا جان۔“ وہ فوراً نام ہوا۔

انشال سمجھنے سے قاصر تھا نیانے کیوں انشال منا جان کو کانٹے کی طرح چبھنے لگی تھی۔

”ایکسیکوزی۔“

انشال کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تو وہ معذرت کرتا ہوا اٹھ گیا، ذونہ نے انشال کے نکلنے ہی شامل کے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور پھر سب ہی مسکرا دیے۔

☆☆☆☆

آج چاند رات تھی، عید کا چاند نظر آ گیا تھا، وائٹ پولیس کے کمپن زور و شور سے تیار یوں میں مصروف تھے، حد حیرت کہ کسی کو انشال کی کمی محسوس نہیں ہو رہی تھی مگر گزرتے وقت کے ساتھ اس کا دل بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔

”بھائی آپ باہر جا رہے ہیں؟“ وہ پورچ تک آیا تو شامل دوڑی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

”ہوں۔“ اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ کچھ سامان کی لسٹ ہے آتے ہوئے لیتے آئے گا۔“ اس نے ایک چٹ اسے تنہائی تو وہ خاموشی سے گرے کر دلا میں آ بیٹھا۔

گھاڑی بے منزل راستوں کی سمت رواں دواں تھی، انشال احمد زندگی کی ضرورت دھڑکن بن کر اس کے دل میں بس رہی تھی، بس اقرار مشکل تھا یہ شکست قبول کرنا مشکل تھا کہ اس کے تمام خدشات قلعہ ثابت ہوئے۔

اس کی مردانہ انا اسے جھٹکتے نہیں دے رہی تھی۔

انہی سوچوں میں گہرا وہ برقی رنداری سے

ماہنامہ منا (79) اگست 2014

سکون خند سوائی تھی۔

ساتھ آگزی ہوئی جو شب کی دھستوں کے تمام پردے چاک کیے ہوئے تھی۔

"انشال مجھے تم سے شادی پر کوئی اونگھ نہیں ہوئی اگر تم مجھے ان حالات میں نہ ملی ہوئی، آج میں اپنی ہر وہ بات تم سے شیئر کرنا چاہتا ہوں جو میں نے ابھی خود سے بھی نہیں کی۔" وہ چلتا ہوا اس کے مقابل آٹھرا، دونوں کی نگاہیں شب میں گھسی تاریکیوں پر تھیں۔

"مشال کا بچپن سے ہمارے ہاں آتا جانا تھا تھوڑے سے بڑے ہوئے تو ماما جان نے ختی سے ڈانٹ کر کہا، مشال میری بہو سے خبردار جو ادھر ادھر کہیں دیکھا تب میں نے مشال کو پہلی بار غور سے دیکھا اس کی خوبصورتی نے مجھے بھی حائر کیا شدید خوبصورتی ہر انسان کی کمزوری سے یا میں مگر کے اس دور میں تھا جب پرکھے کوئیں کشش ہی ملتی ہیں باقی کو اٹلیز سے انسان ہے بہرہ ہوتا ہے، میں نے ماما جان کے فیصلے پر سر تسلیم خم کر دیا، ان کے فیصلے میں مجھے کوئی برائی نظر نہیں آتی تھی، اسے رشتے کے حوالے سے وہ میرے لئے خاص تھی مجھے اس سے انیت تھی لیکن میں نے ہمیشہ اسے ڈرلی ٹریٹ کیا، مگر یہ سچ ہے اس کی انگریز آنکھیں جو اس کے پنسنے پر چھوئی ہو جاتی تھیں مجھے ان میں خوشیوں کا عکس دیکھنا اچھا لگتا تھا، پھر اچانک اس نے انکار کر دیا اور انکار کی جو توجہ پیش کی اس میں سراسر ہمارے خاندان کی انسلٹ تھی، اس کی سوچ پر میں دنگ رہ گیا، میرے دل میں اس رشتے کے حوالے سے جو انیت تھی وہ برہمی اور بے زراہی میں بدل گئی، بابوں کہہ لو خود کو رنجکٹ کیا جانا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا، لیکن ماما جان کی پشت اور آتی سے دوستی کے پیش نظر ہم خاموش رہے پھر بہت اچانک اور طوفانی انداز میں تم میری زندگی میں

وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ اسے سامنے پا کر فیصلہ کرنا کتنا آسان ہو گیا تھا اسے اس ناگفتہ بہ حالت میں دیکھ کر ایسا کیوں لگا کہ وہ زندگی کی ضرورت ہے، وہ ایک تک اسے دیکھ رہا تھا، یہ شاید اس کی نگاہوں کی حدت ہی تھی جو اسے کسمسانے پر مجبور کر گئی، اس نے دھیرے دھیرے نگاہیں واکیں، چپت پر سینگ فین تھا اس نے گردن گھما کر دیکھا، دوسری طرف اس کے بند کے بالکل پاس ان دن عدنان براجمان تھا، اس نے رخ پھیر لیا۔

"لو ویلو، گزشتہ تین گھنٹے سے آپ کے جاننے کے انتظار میں ہوں اور میڈم کوئی لفٹ ہی نہیں ہے۔" اسے چہرہ موڑتے دیکھ کر وہ مصنوعی خشکی سے بولا تو وہ اچنبھے سے اٹھ نہ سکی۔

"آپ... آپ... کج میں ہیں۔" اس نے پلٹیں جھکتے ہوئے حیرت سے دریافت کیا۔

"میں میرا بھوت تمہاری بیمار پرسی کرنے آیا ہے۔" وہ چہ کر بولا۔

"آپ اور میں یہاں کیسے، اور یہ کہاں ہیں ہم۔" اب اسے سچ معنوں میں ہوش آیا تھا۔

"ریلیکس اتنا سیریس مت لو پھلے ہی انجریڈ ہو، سب بتاتا ہوں۔" انان نے شانوں سے تھم کر اس کی بند سے فیک لگوائی اور خود سامنے تک گیا اور دھیرے دھیرے اسے ایکسیڈنٹ کی روراد بتادی۔

"تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تم لندن جا رہی ہو۔" اس نے شاکی لہجے میں پوچھا تو انشال نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی حج الدماغی پر شک ہو۔

"آپ کو لگتا ہے مجھے بتانا چاہیے؟" اس نے الٹ سوال کیا اور بند سے اتر کر گلاس وینڈر کے

آئی، سچ یہ ہے کہ اب میں احمد ہاؤس سے کسی تعلق کا خواباں نہیں تھا، میرے دل میں نفرت اپنی جگہ قائم تھی، مجھے رگ مشالیں بدل کر ایک بار پھر ہمارے رشتوں کا مذاق بنانے آئی ہے، تمہارے اہواز میں پرورش پانے کے خیال نے مجھے مزید ڈرا دیا، میں بھی تمہارے بارے میں مثبت انداز میں نہیں سوچ پایا۔ "وہ خاموش ہو گیا، اس نے پاس کھڑی لڑکی کو نہیں دیکھا وہ بے آواز رہ رہی تھی، وہ ایسے جرم کی سزا بھگت رہی تھی جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔

"آپ نے مجھے پہلے سے طے شدہ خیالات کی سمیٹ چڑھا دیا، ان دن ایک بار میرے دل میں جھانک کر دیکھتے، وائٹ پیلس کے لئے میرے دل میں کیا جذبات ہیں آپ جان جاتے۔" اس نے شکوہ کیا۔

"میں تمہارے دل میں جھانک کر دیکھنا چاہتا ہوں لیکن وائٹ پیلس کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے، میں تمہاری روح تک اترنا چاہتا ہوں انشال، تمہاری پاکیزگی میں دھل کر اجلا اور شفاف ہونا چاہتا ہوں۔" وہ بڑھ کر ایک قدم قریب آیا اس کی گیسر سرگوشی انشال کے اطراف میں گونجی۔

"میں آپ کے قابل نہیں میں مثال جیسی خوبصورت نہیں۔" وہ سر جھکائے گلوگیر آواز میں بولی، افغان نے ایک ٹھنڈا سانس فضا کے سپرد کیا، اس کے دونوں ہاتھ اپنی گرفت میں لئے دیر سے اسے قریب کیا اس کے ہاتھ اپنی پشت پر باندھ دیئے خود اپنا ہاتھ اس کی کمر کے گرد حائل کیا فاصلوں کو خیر باد کہا وہ چل کر آواز ہونے کی کوشش کرنے لگی اس نے گرفت مضبوط کی اور اس کا جھکا سر اٹھایا، انشال نے آنکھیں بند کر لیں اس میں ہمت نہیں تھی اس کی آنکھوں میں جھانکنے

کی۔ "تمہیں کس نے کہا تم خوبصورت نہیں ہو، تم وہ ہو جس نے افغان مردان کو خیر کر لیا، تم وہ ہو جیسے رشتے باندھنے کا گرا تا ہے، تم وہ ہو جس نے مجھے جیت لیا، تم دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو، جس کی سیاہ زلفوں میں شب کی تاریکی کا سماں بندھا ہے تو وجود کی ٹھنڈک میں جذب ہو جانے کو دل چاہتا ہے، تمہاری غیر موجودگی مجھ پر بے چینی اور اضطراب سے کراتری، مجھے معلوم ہوا کہ مجھے تمہاری عادت ہے، مجھے تمہاری ضرورت ہے، تم ہی ہو جو وائٹ پیلس کو سنبھال سکتی ہو۔" اس کے خوبصورت اقرار غلوں کی دھند کو لپیٹتے جا رہے تھے وہ یک ایک اسے دیکھ رہی تھی اس کی باتوں پر یقین کر رہی تھی۔

"اب آپ مجھے بے وقوف بنارہے ہیں۔" اسے جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے مسکراہٹ دہرائے وہ سنجیدگی سے بولی۔

"تصویری پر یقین نہیں ہے لگتا ہے پریکٹیکل کر کے دکھانا پڑے گا۔" وہ ہاتھ پر سنجیدہ مگر آنکھوں میں ہلکے سے لپٹی شرارت افغان سے کہاں پوشیدہ تھی، انشال تو اٹا پھنس گئی۔

"نہیں..... نہیں مجھے یقین ہے۔" اسے جارحانہ طور لے اپنی سمت بڑھتا دیکھ کر اس نے فوراً ہتھ پڑا لے۔

"بس لڑکی ساری بہادری نکل گئی۔" وہ مسکراتے ہوئے صوفہ پر آ بیٹھا۔

"افغان!"

"جی جان افغان۔"

"بی سیر لیس۔" وہ چڑ کر بولی۔

"او کے بولو۔" وہ شرافت کے لہزے میں

گھسا۔

"وعدہ کریں آپ آئندہ کبھی میرے

ماہنامہ سنا (81) اگست 2014

"ہوں۔"

"مجھے نماز پڑھنی ہے۔"

"اب گھر چل کر پڑھنا۔" اسے چھوڑتے

ہوئے وہ محبت سے بولا، اس نے فرمانبرداری سے سر ہلایا اور چل دی۔

"انشاں۔۔۔۔۔" وہ چلتی تو افغان نے پکارا۔

"مجھے تم سے محبت ہے۔" وہ اس کی

آنکھوں میں تھانک رہا تھا، انشاں کا دل شدتوں

سے دھڑک اٹھا، اس کے اترارنے اسے مستتر کیا

اور افغان کو بھی تو اس لمحے اپنی محبت کا یقین ہوا

تھا، وہ لفظ آئے وٹھہرے اور انشاں کے دل پر

نقش ہو گئے۔

"آئی ایم آنرزڈ مائی لارڈ۔" چند لمحے اسے

دیکھنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے بولی، افغان

نے اس کے شانے سے اسے اپنے گھیرے میں لیا

اور دونوں سر شرمی سے ہاسپٹل کی عمارت سے

نکلنے گئے۔

سویرے کی لیکروں کو پھیلنے کے لئے جگہ

دیتا چاندان کی فائنت پر چپکے سے مسکا گیا۔

وفا کا سندس لے کر اترے ہمارے آنگن میں

گواہ رفاقتوں کا مہبتوں کا بن کر ہلال عید

تمام روز و شب یونہی فروزاں رہیں ہر دم

ہر شب شب بمرات ہر روز روز عید

☆☆☆

بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہوں گے۔"

"کیا وعدے کی ضرورت ہے۔" وہ اس کی

آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"ہاں ایک اور بات ماما جان کے بارے

میں غلط مت سوچنا، انہوں نے تمہارے ساتھ جو

بھی نا انصافیاں میں جسٹ تمہاری اہمیت مجھ پر

واضح کرنے کے لئے۔" کچھ یاد آنے پر وہ بولا۔

"جانتی ہوں۔" وہ ہولے سے بولی۔

"یعنی تم سب نے مل کر مجھے بے وقوف

بنایا۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا۔

"انشاں چلو گھر چلیں تمہارا اور میرا گھر،

ہمارا گھر۔" اس نے ہاتھ بڑھایا انشاں نے

طمعیت سے ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

"انشاں کیا تمہیں نہیں لگتا تمہیں بھی مجھ

سے اظہار محبت کرنا چاہیے۔"

"مجھے نہیں لگتا اس کی ضرورت ہے، کچھ

جذبے صرف محسوس کیے جاتے ہیں ان میں

استحقاق ہی اتنا ہوتا ہے کہ وہ محبت سے بڑھ کر

ہوتے ہیں آپ وہ ہیں جن سے میری ذات کی

تعمیل ممکن ہے جس کے ہونے سے احساسات کا

موسم بدل جاتا ہے۔" آنکھوں میں محبت بھر کر وہ

دھیرے سے بولی۔

"انشاں عید مبارک۔" اسے اس

خوبصورت اظہار پر بے پناہ پیار آیا تھا، اسے

ہاتھ سے کچھ کر اس نے خود میں سویا ہو سو فخر کی

اذان کی صدا میں بلند ہونے لگی تھیں اور وہ ایک

دوسرے کی رفاقت میں سب کچھ بھولے بیٹھے

تھے۔

"افغان! انشاں نے اسے ہولے سے

پکارا مگر الگ نہیں ہوئی۔

ماہنامہ حنا (۸۲) اگست 2014

سرگرمی



ہنواں کے پاس بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھی ساتھ ساتھ صغریٰ خالہ کی بہو کی برائیاں بھی جاری تھیں، گھڑی کے دروازے سے کینر ہوا کے ساتھ ساتھ پوتے نے اندر جھانکا۔

"اے لڑکے آگئے ہیں۔" سینو پیغام پہنچا کر دروازے سے بیٹھ گیا اور ساتھ والے گھر کی طرف دوڑ لگا دی، اسے یہ خبر پورے گاؤں میں پہنچانی تھی۔

خبر سننے ہی امان نوراً چارپائی سے اتری چہروں میں جگہ سے سلائی ملی جوتیاں اڑی اور تیزی سے گھڑی کے دروازے کی طرف گئی، ساتھ ساتھ ہنوکو ہدایات بھی جاری کر رہی تھی۔

"ہنوکو سبزی کو گولی مار، گندے کو بھولے سے پاس چھوڑ کر جلدی کینر کے گھر آ جا، نہیں تو وہ کبھت ماریاں مارے اچھے اچھے ٹوٹے چب لیں گی۔"

ہنوکو نوراً امان کی ہدایات پر عمل کیا، سبزی کی نوکری ایک طرف رہی، گڈو دکان میں بیٹھ بھولے کے سپرد کیا چاروازی اور امان کے پیچھے پیچھے ہولی کینر ہوا کے گھر آدھے گاؤں کی عورتیں پہلے سے موجود تھیں اور برآمدے میں بڑے ٹوٹوں کے ڈھیر پر بری طرح ٹوٹ پڑی تھیں ہنوکو اور امان بھی میدان عمل میں کود پڑیں اور جو جو پرنٹ پسند آیا فوراً اٹھا لیتی، امان چھ سات خوب صورت پرنٹ والے ٹوٹے دیوے خوب سے خوب تر کی تلاش میں تھی، ہنوکا بھی یہی حال تھا وہ اس کپڑوں کے ڈھیر کو الٹ پٹٹ کر اپنی پسند کے پرنٹ ڈھونڈ رہی تھی بلکہ صرف ہنوکا ہی کیا وہاں موجود ہر عورت کا یہی حال تھا کیونکہ عید نزدیک آ رہی تھی۔

اپنا ہنوکا نظر لال پھولوں والے سفید ٹوٹے پر پڑی، "اتنا خوبصورت پرنٹ" اس کی

آنکھیں چمکیں، اس نے فوراً جھک کر داناٹھا چاہا پھر اس سے پہلے جھٹنے کے اس پر جھپٹا مار لیا، ہنوکا ہاں ہار ماننے والی تھی اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹوٹے بغل میں دباے اور دونوں ہاتھوں سے لال پھولوں والا ٹوٹا جھٹنے سے کھینچنے لگی۔

"سینے میں نے اٹھایا ہے۔" جھٹنے نے ٹوٹا اپنی طرف کھینچا۔

"وہی آئی تو، پہلے میری نظر پڑی تھی تو نے جیسے ہی دیکھ میں لینے لگی ہوں تو نے جھپٹا مار لیا۔" ہنوکا صورت اس سوٹ سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھی۔

ہنوکا کینر نے جیسے ہی ہنوکا اور جھٹنے کو دھمک کرتے دیکھا فوراً آگے بڑھی۔

"ہنوکا دیکھ بیچ میں نہیں آتا ورنہ بہت برا ہو گا۔" جھٹنے نے شہادت کی انگلی اٹھا کر ہنوکا کو خیردار کیا، ہنوکا کینر شہر سے پرغڈ سولوں کے چھوٹے بڑے ٹوٹے لا کر بیچتی تھیں۔

ہنوکا کینر نے تھوڑے کبے کو زیادہ جانا اور خاموشی سے دور کھڑی تماشا دیکھنے لگیں۔

"دیکھ ہنوکا چھوڑ دے یہ ٹوٹا میں نے پسند کیا تھا۔" جھٹنے نے پورا زور لگا کر لال پھولوں والا ٹوٹا اپنی طرف کھینچا۔

"کیوں چھوڑ دوں؟ تیرا بولے کر آیا تھا یا تیرا خصم لے کر آیا تھا۔"

"نہیں شیرا کیوں، تیرا بشیر احمد عرف بھولا لے کر آیا تھا۔" جھٹنے ٹوٹا اپنی طرف کھینچنے کے ساتھ ساتھ جوابی قاز بھی کر رہی تھی۔

اسی کھینچا تانی میں اور کچھ توٹے ہوا بس اس ٹوٹے کے حریف دو ٹوٹے اور ہو گئے، ایک ٹوٹا جھٹنے کے ہاتھ میں تھا اور دوسرا ہنوکا کے، دونوں حیرت اور افسوس سے ایک دوسرے کو دیکھے کھینچیں۔

"ستیاس ہو تم دونوں کا۔" کنیر بوا ہاتھ ہلا
ہلا کر ان دونوں کو بے بھاؤ کی شانے لگیں۔

"بس بس بوا، زیادہ نہ سنا ہمیں، جیسے لے
لیتا اس نوٹے کے۔" بنو نے وہ نوٹہ پائی ٹوٹوں
میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"ہاں وڈی امیرے باتوں، تیرے بھولے
کی شہر میں ٹیکسٹریاں چلتی ہیں۔" کنیر بوانے
استہزائیہ انداز میں کہا تو بنو نے ایک ناگوار سی نظر
کنیر بوا پر ڈالی اور اماں کی تلاش میں نظر دوڑا دی،
کچھ ہی دیر بعد اماں ہاتھ میں کافی سارے نوٹے
لے کر ٹوٹوں کے ڈھیر میں سے برآمد ہوئی اور اسے
اے کر مٹن میں پڑی چار پائی پر بیٹھ گئیں اور اپنے
پسند کیے ہوئے نوٹے دکھانے لگیں۔

"یہ آسانی دیکھ، اور یہ تاریخی والا اور وہ
کا۔"

"اوپں ہوں۔" بنو نے نفی میں سر ہلاتے
ہوئے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔

"یہ کلاتو بالکل اچھا نہیں لگ رہا۔" بنو کو وہ
پرنٹ کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا۔

"ہاں وہ تاریخی ٹھیک ہے پچھلی عید پر جو میں
نے جوڑا بنایا تھا اس کے شلو اور پیچ کرے گی اس
نیمض کے ساتھ اور اماں تو یہ پہلی میٹھی بنالینا عید
پر، اس میں نیلے پھول ہیں تیرے پاس نیلا دوپٹہ
اور شلو اور تو ہے پہلے سے۔"

"کون سا؟" اماں نے سوالیہ نظروں سے
اسے دیکھا۔

"وہ جی، جس سوٹ کی قمیض پر سون
چار پائی میں اڑ کر پھٹ گئی تھی۔" بنو نے یاد دلایا
تو اماں کو نور ایا آگیا، اماں کو اس کا آئینہ یا بڑا پسند
آیا تھا وہ دل ہی دل میں بنو کی ذہانت کی قائل ہو
گئیں۔

کچھ ہی دیر بعد وہ چار نوٹے منتخب کرنے

میں کامیاب ہو گئیں اور باقی کے نوٹے واپس
ڈھیر میں پھینک دیے۔

"کوئی لینے صرف چار تھے یہاں سے دو
تین سو نوٹے جک کے لے گئیں، ایسے جیسے
پچاس ساٹھ نوٹے خریدنے ہوں۔" بنو نے منہ
بجائ کر بنو کو طنزیہ نظروں سے دیکھا۔

"تیری طرح میرے بچپن میں بچے تو ہیں
نہیں جو میں اتنے نوٹے خریدوں اور زبان تو
تیری بڑی چلتی ہے پہلے اپنے ان لمبوں کو تو
سنبھال لے جو پورے گاؤں میں لوٹکیاں کھاتے
بچھرتے ہیں۔" بنو نے ہاتھ ہلاتے ہوئے جوابی
قاز کیا اور اماں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

رمضان المبارک کا ہر مکت مہینہ آگیا تھا
اماں سارا دن سبج ہاتھ میں لئے ذکر میں مصروف
رہتیں اور ہر تھوڑے دیر بعد بنو اور بھولے کو نماز
اور روزے کی تلقین بھی ضرور کرتیں، رمضان سے
ایک دن پہلے بنو گاؤں کے اگلاتے حکیم کے پاس
گئی اور جانے کون کون سی بیماریاں بتا کر دوائیوں
کا ڈھیر اٹھا لائی، اب اس کے پاس روزے نہ
رکھنے کا اچھا بہانہ تھا وہ ہر آئی گئی کے سامنے
طبیعت کی شدید خرابی کا بتا کر روزہ نہ رکھنے کی وجہ
بیان کرتی اور ثبوت کے طور پر حکیم صاحب کی دی
ہوئی دوائیوں کا ڈھیر دکھا دیتی اور بھولا تو تھا ہی
بھوک کا کچا، اگر کبھی روزہ رکھ بھی لیتا تو عصر تک
اس کی جان نکلنے کو ہو جاتی وہ رو رو کر اپنا برا حال
کر لیتا۔

"ایمان کی کمزوری ہے یہ۔" اماں انہیں
سے ان دونوں کو کہتیں پر ان کے کانوں پر جوں
تک نہ رینگتی۔

چند رھویں روزے کو سیکھ اپنی ساس اور
چاروں بچوں کے لے کر یکے آگئی اس کا ارادہ

ماہنامہ حنا (اکست 2014)

عید تک رہنے کا تھا، سیکنہ کے چاروں بچوں نے گھر میں بھونچال اٹھایا ہوا تھا۔

ہنو کو جیسے ہی سیکنہ کے ارادے کا پتہ چلا وہ سر ہاندہ کر چار پائی پر ڈھے گئی۔

”اماں! بھابھی کو کیا ہو گیا؟“ سیکنہ نے تشویش سے پوچھا۔

”پتہ نہیں، صبح تک تو ٹھیک تھی سویرے سویرے دلچنپا کی بہو سے زبردست قسم کا دھما

کر کے آئی تھی ابھی اچانک پتہ نہیں کیا ہو گیا۔“

اماں اس کی اچانک طبیعت خرابی کی وجہ سمجھ تو گئی تھیں پر جی تو ہٹانا مناسب نہیں سمجھا جنس اندازہ

تھا ہنو کام سے بچنے کے لئے اچانک بیمار ہو گئی ہے۔

سیکنہ خود چند روز میں دن آرام کے غرض سے اماں کے گھر آئی تھی پر یہاں آکر اسے خود ہی کام

سنجالنا پڑا، اگلے ہی دن اس نے واپسی کی راہ لی۔

”روہ لیتی کچھ دن۔“ اماں نے چنگ چھی میں بیٹھی سیکنہ کو مرے مرے دل سے کہا، دل تو

ان کا بھی نہیں چاہ رہا تھا کہتنے کو، کیونکہ ایک آدمہ بندہ ہوتا تو وہ رکھ لیتیں سیکنہ بھی پوری پلائون کو

لے آئی تھی۔

”اماں تو فکر نہ کر، میں عید پر آؤں گی۔“ چلتی چنگ چھی سے سیکنہ نے اماں کو دلا سہ دیا۔

اماں جائے نماز پر بیٹھی تسبیح میں مصروف تھی جب ہنو سو کر اٹھی اور منہ ہاتھ دھو کر کام میں

مصروف ہو گئی کچھ دیر بعد اسے گندو کا خیال آیا تو اس نے گندو کی تلاش میں نظر دوڑائی، پورے گھر

میں اور بھولے کی دوکان پر دیکھنے کے بعد وہ پریشان سی اماں کے پاس آ گئی۔

”اماں! گندو پتہ نہیں کہاں چلا گیا ہے۔“

”بیس ہوگا، بھولے کے پاس۔“

”نہیں ہے اماں! میں نے دیکھ لیا ہے۔“

ہنو نے روہا کی آواز میں کہا تو اماں نے جلدی جلدی جائے نماز تہہ کیا اور اس پڑوس کے گھروں

میں گندو کو ڈھونڈنے کے لئے چل دیں، بھولا بھی دوکان بند کر کے گندو کی تلاش میں نکل گیا۔

”یا اللہ خیر..... میرا گندو مل جائے۔“ ہنو روتے ہوئے دعا مانگ رہی تھی، ایک گھنٹے بعد

اماں اور بھولے کی واپسی ہوئی۔

”گندو کہاں ہے؟“ اس نے اس بھری نظروں سے انہیں دیکھا۔

”گاؤں کا ہر گھر چھان مارا کہیں نہیں ملا۔“ اماں تھکاوٹ سے چور چار پائی پر ڈھے گئیں۔

”میں بھی ہر جگہ دیکھ آیا ہوں، گاؤں کا ایک ایک کوٹا دیکھ لیا ہے اور مسجد میں بھی اعلان کروا دیا ہے پر کچھ پتہ نہیں۔“

”ہائے میرا گندو کہاں گیا، میرا ہتر کہاں گیا؟“ ہنو چیخ چیخ کر رونے لگی۔

”ہنو ایسے نہ رو ہتر، نماز پڑھ کر دعا مانگ۔“ میرا مالک ماؤں کی بڑی سنا ہے۔“ اماں کو اس کا

اس طرح رونا برا لگ رہا تھا۔

”میرے مالک! مجھے معاف کر دے، میں ساری نمازیں پڑھوں گی، سارے روزے رکھوں

گی، بس میرا گندو مل جائے مجھے۔“ ہنو جائے نماز پر بیٹھی رو رو کر گندو کے ملنے کی دعائیں مانگ رہی تھی۔

”اللہ جی! میرا گندو مل جائے میں پھر کبھی جان بوجھ کر روزے، نمازیں نہیں چھوڑوں گا۔“

بھولا بھی دل ہی دل میں عہد کر رہا تھا کچھ دیر بعد اماں کسی کام سے کمرے میں گئیں تو ان کی نظر

چار پائی کے نیچے سوتے گندو پر پڑی، وہ شاید کھیلنے کھیلنے وہیں سو گیا تھا۔

ماہنامہ منار (86) اگست 2014

"ہنو، بھولے جندی آؤ۔" ہنو اور بھولا دوڑتے ہوئے کمرے میں گئے۔
 "اسے کہتے ہیں بچہ بخل میں ڈھنڈورا شہر میں۔" ہنو نے بڑھ کر گندہ کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔"
 "شکر ہے میرے مالک۔" اماں شکرانے کے نفل پڑھنے چل دیں۔
 اس دن کے بعد ہنو اور بھولے نے روزے رکھنے شروع کر دیے اور بڑے خشوع و خضوع سے نمازیں بھی پڑھنے لگے، اماں اس تبدیلی سے بہت خوش تھیں۔

☆☆☆

عید کا چاند نظر آ گیا تھا اماں اور ہنو سر جوڑے بیٹھی تھیں۔

"کل سیکنڈ اپنے نمبر کو لے کر آ جائے گی تجھے تو پتہ ہے نا اماں کتنا خرچ ہو گا، شو کے کی تو سرکاری نوکری ہے پھر بھی وہ اپنے پیسے بچانے کے لئے پوری پالٹون کو لے کر آ جاتے ہیں میرے پاس تو سارے پیسے ختم ہو گئے ہیں تھوڑے بہت ہی ہوں گے۔"

اماں سوچ میں پڑ گئیں، ان کے دماغ نے تیزی سے کام کرنا شروع کیا۔

اگلے دن بھولا جیسے ہی عید کی نماز پڑھ کر خوشی خوشی گھر آیا تو اماں نے فوراً اسے چنگ چنگ لانے کے لئے دوڑ لیا۔

"اماں! ہم کہاں جا رہے ہیں؟" چنگ چنگ میں بیٹھتے ہوئے بھولے نے پوچھا۔

"سیکنڈ کے گھر" عید ملنے۔" اماں کے بتانے پر بھولا خوش ہو گیا دوسری طرف سیکنڈ لال سوٹ پہنے، آنکھیں، گال اور ہونٹ لال کیے اماں کے گھر جانے کے لئے ہانکل تیار تھی، بچوں

کو اس نے صبح ہی صبح غصا کر نئے کپڑے پہنا دیئے تھے پر وہ اب باہر کھیل کر اپنے پرانے حلیوں میں واپس آ چکے تھے، سیکنڈ کو زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی پر شو کے نے اسے کھانا پکانے سے منع کر دیا تھا۔

"اماں کے گھر جا کر کھا لینا۔"

شو کا چنگ چنگ چلی لے آیا تھا بچے بھاگ کر چنگ چنگ چلی میں بیٹھ گئے تھے سیکنڈ اپنی ساس کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ ہی رہی تھی جب اس کی نظر گل میں داخل ہوئی چنگ چنگ چلی پر پڑی، اگلی سیٹ پر بیٹھے بھولے کو پہچاننے میں اسے چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔

چنگ چنگ چلی ان کے ہانکل پاس آ کر رکی، اماں اور ہنو فوراً چنگ چنگ چلی سے اترے، اماں دوڑ کر در درستی سدرمن سے عید ملنے لگی اور ہنو سیکنڈ سے۔

"بھابھی! آپ لوگ اچانک۔" سیکنڈ حیران پریشان سی ڈنٹیں دیکھ رہی تھی۔

"بس سوچا تو بھی کیا سوچتی ہوگی، اماں اور بھابھی کبھی میرے گھر بھی نہیں آتی، اکواک دیر ہے وہ بھی کبھی عید ملنے نہیں آتا، بس یہی سوچ کر میں نے اور اماں نے تجھے سر پر پڑ (سر پرانز) دینے کا سوچا، کیسا لگا تجھے ہار اسر پر پڑ.....؟" ہنو نے چپکتے ہوئے پوچھا۔

"بہت اچھا۔" سیکنڈ نے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجاتے ہوئے کہا اور مرے مرے قدموں سے دوپٹے کے پلو سے بندھی چابی سے ٹالا کھولنے لگی۔

"اماں ٹھیک ہی کہتی ہیں لالچ بری بلا ہے اور کنجوسی تو اس سے بھی بری بلا ہے۔" سیکنڈ ہولے سے بڑبڑاتی تھی۔

☆☆☆

ماہنامہ سنا (87) اگست 2014

سہل سے پہلے

جنگم کشور جہاں بکائی امیر سے فی دی نے
 رہائے بیٹھی تھیں، تھوڑی تھوڑی امیر بعد پھیل بدلی
 دیتیں۔ معراج شریف کے حوالے سے براہ
 راست نشریات آ رہی تھیں، لی دی کے مختلف
 جہنمو کے اعوی کے مطابق معراج شریف کی
 رات کی خاص عبادات میں انہوں نے ساری قوم
 کو شریک کیا ہوا تھا، اب ان کی طبیعت آسانی تھی

و فی دی آف کر کے باہر نکل آئیں، راجداری
 سے تفرقہ ہوا اپنے پیڑروہ کی طرف آ گئیں، اس
 سے پہلے کہ اندر جائیں جانے لگی تھیں یہ سہانی
 جہنم آئیں، ہر طرف خاموشی کا راج قہر، وہ
 بہت آہستہ یہ عسلیاں چمکتی ہوئی اور بہت پر آ
 تھیں، فرحت بخش ہوا انھیں ان کو رہی تھی، ان
 کی کوئی آج خوب جھگڑائی تھی، معراج شریف

ناولٹ

کے نواسے سے انہوں نے خاص طور پر انہیں کو
 دیکھی تھیں، انہوں نے انتہائی فکر سے اپنے گھر کی
 روٹن، یادوں کو، ایک جنگ کی آج شان ہی
 نہ تھی، انہوں نے دوسرا گھر کے دوسرے
 چھوٹے پر نظر ڈالی، چاروں طرف چھان بھرا
 تھا، وہ بعد فور بن داتا تھا، وہ چھوٹے پھل قد ہی
 تھیں، تیں اور چلتے چلتے گھر کے پچھلے اڑے بنے
 عروفت، ان کی طرف نظر ڈالی، ان کے ہنسنے میں
 چاروں طرف تھے۔

جیسے تیں کو انہوں میں سنا، میٹھا، وہ تھا،
 بات نہ تھی، وہ میں تھا، یہاں روٹن تھا، ہنسنے
 فور ہی تھیں، سہل سے تھوڑا سا تھوڑا سا کچھ
 انہوں نے فحش سے مر جھانکا، وہی کے لئے
 طرف دیکھا، ہونٹ کراہی، وہ فور کی طرف دیکھتے
 تھیں، یہ دائر کے تھیں میں بولی ہے، انہوں
 نے دوبارہ غور سے دیکھا، سر دوتا میں میں
 اندر سے میں چھوٹا، چھوٹا نظر نہیں آیا، وہ تھوڑا
 مندر سے اور نزدیک ہو گئیں، اب انہوں نے





منڈیر کو تمام لیا اور بچوں کے بل اچک کر دیکھنے لگیں اب انہیں اماں رحمت حصے پر بیٹھی نظر آئیں، ان کی آنکھیں بند تھیں اور لب مسلسل بل رہے تھے تب ہی انہوں نے سجدہ کیا، کشور جہاں نجانے کیوں سلگ اٹھیں۔

”ہونہ۔“ انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا۔
”دکھاؤے کا کتنا شوق ہوتا ہے ان غریب لوگوں کو۔“ وہ بڑبڑاتی ہوئی منڈیر سے پیچھے ہوئیں

”بھنا جتاؤ، عبادت ہی کرنی ہے تو گھر کے اندر کرو، کیا کدھج محن میں بیٹھ گئے، تاکہ آس پاس کے لوگ اچھی طرح دیکھیں اور ان پر خوب رعب پڑے ان کی عبادت گزار یوں کا۔“ وہ خود کدھج میں مصروف تھیں تب ہی انہوں نے اماں رحمت کی مریم کو دیکھا وہ ذرا ذرا سے فاصلے پر چراغ رکھ رہی تھی ذرا دیر بعد ہی اس نے ماچس سے چراغ روشن کر دیے، اماں رحمت کا کواٹر جھجکاٹے لگا، کشور جہاں روشن چراغوں میں کھوسی گئیں، انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے پیچھے مڑ کر اپنے گھر کے دروازے پر نظر ڈالی اور دوبارہ اماں رحمت کے گھر کو دیکھا انہیں لہجائے گیوں، اپنے گھر کے برق قلموں سے سج دیوار دور پھیکے پھیلے اور بے نور سے لگے، وہ کالی دیر تک کھڑی اماں رحمت کو دیکھتی رہیں اب چودہ سالہ مریم بھی دوپٹے سے سر کو لٹھائیے اماں رحمت کے برابر آگئی اس نے مصلیٰ بچھایا اور دادی کی طرح عبادت میں مشغول ہوئی، کشور جہاں نے گہرا سانس لیا اور ذہن کی طرف بلا گئیں۔

”آج کی رات عبادت کی رات ہے۔“ وہ سوچتی ہوئی سیر حیاں اترنے لگیں، اب ان کا رخ پھر سے لی دی لاؤنج کی طرف تھا انہوں نے لی دی آن کر لیا اور ”قوم“ کے ساتھ ”اجتہاد“

عبادت“ میں مشغول ہو گئیں، لائیو نشریات کا میزبان کوئی واقعہ بیان کر رہا تھا اور وہ پوری توجہ سے سن کر عبادت میں شریک تھیں۔

تب ان کے موبائل پرپ ہوئی انہوں نے عبادت سے وقتی طور پر کنارہ کر لیا اور لی دی کی آواز کم کر دی اور سچ پڑھنے لگیں ان کی بہن کا سچ تھا۔

”شب معراج بہت بہت مبارک ہو، آج کی رات اپنی دعاؤں میں مجھے خاص طور پر یاد رکھنا۔“ سچ پڑھ کر وہ بے اختیار مسکرائیں۔

”اب آج تو میں نے ابھی تک کسی کو معراج شریف کا سچ ہی نہیں کیا۔“ اس سوچ کے آتے ہی وہ دونوں پاؤں اوپر اٹھا کر صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئیں اور لگتیں رشتہ داروں کو سچ کرنے سب سے وہ بھی درخواست کر رہی تھیں کہ آج کی شب دعاؤں میں یاد رکھنا۔

تب ہی نظر لی دی کی طرف اٹھی میزبان کے لب بل رہے تھے مگر آواز نہیں آرہی تھی انہوں نے ادھر ادھر کچھ ٹولا اور ریوٹ اٹھا کر لی دی آف کر دیا (یعنی عبادت بند کر دی) اب ان کی سیلیوں کے سچ آ رہے تھے وہ مکمل طور پر موبائل میں گم ہو گئیں دونوں طرف سے سچ آ رہے تھے چار بے تھے دونوں طرف سے دعاؤں کی درخواست کی جارہی تھی مگر دعا تو شاید کوئی بھی نہیں کر رہا تھا، نجانے کتنا وقت گزر گیا، وہ اب تقریباً سب کو دعاؤں کے لئے سچ کر چکی تھیں وہ اٹھیں اور لاؤنج سے باہر نکل آئیں، اب انہیں نیند آ رہی تھی، وہ بیڈ روم میں جانے سے پہلے حسب عادت بچوں کے کمروں میں جھانکنے کی عادی تھیں، حارث گہری نیند سو رہا تھا، وہ لائٹ آف کر کے باہر آ گئیں اب انہوں نے علیسا کا کمرے کا چنڈل دپایا اور دروازہ کھول کر اندر

جھانکا اگلے ہی پل وہ دھک سے رہ گئیں، علینا کا بیڈ خالی تھا، وہ تیزی سے اندر آئیں کمرہ سائیں سائیں کر رہا تھا انہوں نے متلاشی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تب ہی کھڑکی میں پردے کے ساتھ لگی علینا پر ان کی نظر پڑی انہوں نے بے اختیار گہری سانس لی اور اس کے پاس آ گئیں۔

”کیا بات ہے ہلی؟ رات کے اس پہر یہاں کیوں کھڑی ہو؟“ انہوں نے بیس سالہ علینا کو اپنے ساتھ لگایا۔

”مہا!“ علینا نے انہیں ہکا بکا اور سامنے کی طرف اشارہ کیا انہوں نے اس کی انگلی کی طرف دیکھا یہاں سے اماں رحمت کا کواٹر صاف نظر آ رہا تھا، دونوں دادی پوتی سجدے میں گری ہوئی تھیں، انہوں نے علینا کو لپٹا لیا۔

”مہا!“ علینا نے انہیں ہکا بکا انہوں نے کھوئی کھوئی نظروں سے علینا کی طرف دیکھا، علینا نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے پھر بند کر لئے، آج دوسرا موقع تھا جو انہیں اماں رحمت کا گھر اپنے گھر سے کہیں زیادہ روشن لگا، ان کی نظریں ہٹ نہیں رہی تھیں انہوں نے ہزاروں روپے لگا کر آج کی آرائش کر دی تھی مگر لچانے کیوں۔

”چلو بیٹی اب سو جاؤ“ انہوں نے اسے بیڈ کی طرف لاتے ہوئے کہا۔

”چلو سو جاؤ، گڈ نائٹ۔“ انہوں نے اسے لٹایا اور باہر نکل آئیں۔

☆☆☆

علینا نے ماں کو کمرے سے جانا دیکھا تو پھر سے بستر سے نکل کر کھڑکی میں کھڑی ہو گئی، وہ کچھ دیر تک انہیں دیکھتی رہی پھر اسے نجانے کیا سوچیں کہ جلدی سے واش روم میں جا کر دھو کیا، الماری کھول کر چادرنماز نکالی اور کمرے کی لائٹ

بند کر کے کمرے سے باہر آ گئی، راہداری سنسان بڑی تھی اس نے ادھر ادھر دیکھا اور چوروں کی طرح چلتی ہوئی گھر کے دروازے کو کھول کر باہر آ گئی اب اس کا رخ اماں رحمت کے کواٹر کی طرف تھا، ذرا دیر بعد ہی وہ اماں رحمت کے دائیں جانب مصلیٰ بچھا رہی تھی، اماں رحمت نے سلام پھیرا اور اسے دیکھ کر ان کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی اب اماں اسے بتا رہی تھیں کہ کیا پڑھنا ہے، چند لمحوں بعد ہی علینا نیت ہاندہ چکی تھی اب صورتحال یہ تھی کہ درمیان میں اماں رحمت تھیں اور دائیں بائیں مریم اور علینا تھیں۔

☆☆☆

”کیا کہا؟“ کشور جہاں سے جب ان کی پہلی نے رات کی عبادت کے بارے میں پوچھا تو وہ سنی ان سنی کر گئیں۔

”بھئی میں نے کہا کہ کل تو تمہاری کوئی خوب بھولہ بھنی ہوئی تھی تو عبادتیں بھی خوب کی ہوں گی۔“ ان کی یہ سبکی ان کے بیٹلے سے دو بیٹلے آگے چھوڑ کر رہتی تھی، دونوں مل کر سوشل ورک کرتی تھیں ابھی بھی دونوں نے ماں آبادی کا دورہ کرنا تھا جہاں انہوں نے کچھ عورتوں کے مسائل کے حل کے لئے کچھ کام کرنا تھے۔

”ہاں بھئی ساری رات۔“ کشور جہاں کہتے کہتے رک گئیں، ان کی نظروں میں اجتماعی عبادت کا منظر گھوم گیا۔

☆☆☆

معراج شریف کے بعد دن جیسے پر لگا کر اڑنے لگے اور جھٹ پٹ شب برات آ گئی، کشور جہاں اس رات بھی لی وی کی اجتماعی عبادت میں مشغول رہیں لی وی کے تمام چیلو نے اس رات کے حوالے سے بڑی تیاریاں کی ہوئی تھیں یہ اور بات کہ عبادت کے دوران بار بار کھانا نہ کھ

ماہنامہ حنا (۱۱) اگست 2014

براڈ کسٹ کا اشتہار عبادت میں شریک عبادت
گزار لوگوں کو پوریت سے بھار ہا تھا۔

آج کی رات کشور جہاں کے میسج میں چند
الفاظ کا اضافہ ہو چکا تھا، جو یوں تھا۔

"اگر میں نے بھی آپ کی چغلی یا نجیبت کی
ہو تو مجھے معاف کر دینا، کیونکہ آج کی رات فیصلے
کی رات ہے، آج تمام اعمال تبدیل ہونا ہے،
بس ایک بار منہ سے ضرور کہہ دینا کہ آپ نے
مجھے معاف کر دیا ہے، اپنی دعاؤں میں ضرور یاد
رکھئے گا۔" کشور جہاں اپنے ملے ملائے والوں کو
میسج کر رہی تھیں جواباً انہیں بھی ڈیسروں میسج آ
رہے تھے اماں رحمت، کشور جہاں کے گھر میں
کافی عرصے سے ملازم تھیں ان کا ایک ہی بیٹا تھا
اس کی شادی اماں رحمت نے بڑے چوڑے ہاتھ کی
تھی مگر شادی کے محفل پانچ سال بعد جب مریم
صرف تین سال کی تھی اماں رحمت کا بیٹا اور بہو
ایک حادثے میں اس جہان فانی سے منہ موڑ چکے
تھے۔

تب سے اماں رحمت نے خود کو مریم کے
لئے وقف کر لیا تھا اب نو خیز سے مریم بھی چودہ
سال کی ہو چکی تھی، مریم کی دوستی علینا سے بھی جسے
بھی بھی کشور جہاں نے پسندیدگی کی نظر سے
نہیں دیکھا تھا مگر اکثر وہ نبھانے کیوں نظر انداز کر
دیتی تھیں، کشور جہاں دولت کے نشے میں چور
تھیں وہ ہر چیز دولت کے ترانو میں مانیے کی
قابل تھیں، روپے پیسے کی خوب ریل چل تھی اسی
لئے سوشل ورک بھی خوب زوروں پر چلتا تھا مگر
افسوس دین کی طرف سے بے مہرہ تھیں ان کے
نزدیک مقدس راتوں میں میسج پر دعا کی
درخواست کرنا گھر کو برقی قلموں سے سجایا
غریبوں میں کھانا تقسیم کر دینا ہی کافی تھا مگر اماں
رحمت مریم کے ساتھ ساتھ علینا کی تربیت بھی

بہت اچھی کر رہی تھیں آج بھی وہ چپ چاپ
اسے تلقین کر گئیں تھیں۔

"پتر علینا، مغرب کے ساتھ دو نفل درازی
حمر کے دو نفل رزق کی کشادگی اور دو بلاؤں سے
محفوظ رکھنے کے لئے پڑھنے ہیں۔" اور علینا نے
من و عن عمل کیا تھا اور تو اور جب کشور جہاں
"اہتمامی عبادت" میں مشغول تھیں علینا چپ
چپ اماں رحمت کے لیکن میں ان کے برابر
عبادت شروع کر چکی تھی، اماں رحمت کو دیکھ دیکھ
کر علینا کا بھی دل کرتا تھا کہ وہ بھی ان کی طرح
عبادت کرے مگر کشور جہاں جس سوسائٹی کی
پروردہ تھیں وہاں کے لوگ اللہ کے آگے جھکنے کی
 بجائے شہبہ برات کی رات بڑے فخر سے انا،
پٹاٹے، کھوپیاں چلا کر گزرتے تھے کشور جہاں
نے بھی حادث کو آتش بازی کا سامان لے کر دیا
تھا، یہ قدر بات کے دس سالہ حادث نے تو کیا
پٹاٹے چلانے تھے زیادہ تر چوکیدار اور مالی کے
بچوں نے اس کے ساتھ مل کر گونگی کے ان میں
ہنگامہ مچائے رکھا۔

کشور جہاں میسج کے مشغل سے فارغ
ہوئیں تو چہت پر آئیں، آج پھر پورا گھر بتونور
بنا ہوا تھا، ان کا سرخسے سے تن گیا، چیرے پر بڑی
آسودہ سی مسکراہٹ آئی، وہ کافی دیر تک چہت پر
شہتہ رہی آخر نیچے اتر آئیں اب انہیں نیند آ رہی
تھی سونے سے پہلے انہوں نے بچوں کے کمرے
میں جھانکا، حادث بے خبر سو رہا تھا، علینا کا
مرے کا دروازہ کھولا تو آج بھی اس کا بیڈ خالی
تھا انہوں نے بے اختیار کھڑکی کی طرف دیکھا مگر
کھڑکی خالی تھی وہ دھک سے رہ گئیں اور فوراً
آگے بڑھ کر کھڑکی میں آئیں انہوں نے بے
قراری سے سامنے دیکھا سامنے کا منظر دیکھ کر وہ
برکا کا رہ گئیں، اماں رحمت کے دائیں بائیں مریم

اور علینا قیام کی حالت میں کھڑی تھیں، وہ کھوئی کھوئی سی آنکھیں دیکھ رہی تھیں، علینا کے چہرے پر جیسے نور چھایا ہوا تھا، ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ان تینوں نے رکوع کیا اور پھر سجدے میں اپنی پیشانیوں رکھ دیں، تب ہی موبائل کی بپ سے وہ چونک اٹھیں انہوں نے ہاتھ میں دبا موبائل آن کیا، ان کی بھانجی کا بیچ تھا انہوں نے پڑھے بغیر ڈیلیٹ کر دیا جانتی تھیں کہ دعا کی درخواست کی گئی ہوگی، وہ گہرا سانس لے کر اپنے بیڈ روم میں آ گئیں۔

علینا کی خبر تو صبح لوں گی، مجھے بتائے بغیر یہ گئی کیسے؟ ان کو غصہ آنے لگا، دل تو چاہ رہا تھا کہ ابھی اماں رحمت کے کواٹر میں پہنچ کر ہنگامہ کر دیں مگر موقع ایسا تھا کہ وہ چپ رہنے پر مجبور تھیں۔

ہو ہو ہو

بات اگر یہیں تک رہتی تو ٹھیک تھی مگر جب انہوں نے علینا کو ناشتے کی ٹیبل پر نہ پا کر اسے بلوایا تو علینا نے کہلوادیا کہ وہ ناشتہ نہیں کمرے کی کیونکہ اس کا روزہ ہے۔

”روزہ؟“ وہ چیخ پڑیں۔

”اور وہ بھی اتنی گرمی میں۔“

”اماں رحمت۔“ اگلے ہی بل وہ پھٹ پڑیں۔

”اماں رحمت!“ وہ حلق کے بل دھاڑیں۔
”جی ہئی۔“ عظیم صاحب۔ ”اماں رحمت باجی کا بچہ ہاں نہیں۔“

”یہ میں کیا سن رہی ہوں۔“ وہ چلائیں۔
”اس بار ایسی بچی کا روزہ رکھوایا تم نے، تمہیں پتہ ہے کتنی گرمی ہے۔“

”وہ۔۔۔ عظیم صاحب۔ علینا بی بی ضد کر رہی تھیں۔“

”ہاں تو۔“ وہ چلائیں۔

”ضد کر رہی تھی تو تم سمجھا نہیں سکتی تھیں، غصہ خدا کا، جون کا مہینہ ہے اور تم نے روزہ رکھوا دیا، یاد رکھو اماں رحمت، اگر میری بچی کو کچھ ہوا، تو۔۔۔ تو میں کسی کو معاف نہیں کروں گی۔“ وہ سفاکی سے کہتی ہوئی کرسی سے اٹھیں، بھوکہ مار کر کرسی سائیڈ پر کی اور علینا کی خبر لینے کے لئے میز حیدر دھڑ دھڑ چڑھنے لگیں۔

علینا بے خبر سو رہی تھی، اماں نے دروازہ دھڑ دھڑ لپکا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھیں، کرسی دھڑ دھڑ کھولا، اماں کے تئوڑا کچھ کر گھبرا گئی۔

”تم نے اتنی گرمی میں روزہ رکھ لیا، اگر کچھ ہو گیا تو۔“

”میں مسما سچ نہیں ہو گا۔“ علینا بوکھا گئی۔
”چلو ناشتہ کرتے نیچے آؤ۔“ کشتو جہاں نے جیسے سنائی نہیں۔

”مگر تم۔“ علینا تیز آواز میں بولی۔
”چلو شہناش۔“ انہوں نے علینا کا ہاتھ تھام اور دروازے کی طرف چلیں۔

”مما چھوڑیں میرا روزہ ہے۔“ علینا نے ہاتھ پھڑائی اور وہ اپنی کمرے میں آ گئی ”وہ اندر چہ مرد روزہ داک کر لیا۔“

”علینا دروازہ کھولو۔“ انہوں نے دروازہ دھڑ دھڑا کر علینا نے دروازہ نہیں کھولا۔
”مگر اب میں روزہ کھول کر ہی باہر نکلوں گی۔“

”علینا۔ علینا۔۔۔ کھولو دروازہ۔“ انہوں نے بہت وٹشش کی مگر علینا نے دروازہ نہیں کھولا، آخر تخت پار کر غصہ انہوں نے اماں رحمت پر ہی نکالا، شام کو انہوں نے بچی آبادی میں جانا تھا، وہ تیار ہو کر پہنچیں، اماں رحمت نے علینا کے لئے افطار ہی تیار کی اور روزے کے وقت

ڑے سجا کر اس کے لئے لے گئیں، علینا نے دروازہ کھول دیا، کشور جہاں رات کے آٹھ بجے تک واپس آئیں ان کے ساتھ ان کا فیملی ڈاکٹر بھی تھا، وہ سیدھی علینا کے کمرے میں پہنچیں۔
 ”دیکھئے ڈاکٹر صاحب کتنا سامنے نکل آیا ہے میری بچی کا اور یہ سب اس اماں رحمت کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ غصے سے بولیں۔

”ڈاکٹر صاحب میں ٹھیک ہوں۔“ علینا پکارتی رہ گئی مگر ڈاکٹر نے ڈرپ لگا ہی دی۔
 ☆ ☆ ☆

رمضان کا چاند نظر آ گیا تھا، ایک بار پھر میجر پر مبارکباد کا تہ دلہ شروع ہو گیا، اماں رحمت کے کوارٹر میں بھی چاند کی خوشی پھیل چکی تھی، مریم سحری میں کیا پکانا ہے ابھی سے اماں رحمت کو بتا رہی تھی۔

”مریم پترا! اماں رحمت نے دیر سے سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

”سحری کی تیاری بعد میں کرنا، پہلے چہت پر چڑھ کر چاند کو ڈھونڈتے ہیں اور پھر دعا کرتے ہیں۔“ وہ دونوں اوپر چہت پر آگئیں، ذرا سی خوشی سے ہی درختوں کے پیچھے انہیں چاند نظر آ گیا۔

”چل پترا! چاند دیکھ کر دعا مانگ، چاند کو دیکھتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔“ اماں رحمت نے چاند کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”داؤی اماں، میں ابھی آئی۔“ مریم نے کہا اور نیچے اترنے کے لئے زینے کی طرف دوڑی، اماں رحمت پکارتی رہ گئی مگر بے سود، ذرا دیر بعد اماں رحمت چاند کو دیکھ کر دعا مانگنے لگیں دعا مانگ کر ناریغ ہوئیں اور نیچے جوڑ کر دیکھا تو مریم کے ساتھ علینا کو بھی دعا مانگتے پایا، اماں رحمت بے اختیار مسکرا دیں۔
 ☆ ☆ ☆

رمضان شروع ہو چکا تھا، اماں رحمت اور مریم کے ساتھ ساتھ علینا کے بھی پورے روزے جاری رہے تھے، کشور جہاں کے سامنے علینا ایسے ظاہر کرتی جیسے وہ بھی ان کی طرح روزے نہیں رکھ رہی، اس نے بڑی مشکل سے خانساں کو راضی کیا تھا کہ کشور جہاں کے سامنے وہ کہہ دیتا تھا کہ چھوٹی بی بی دیر سے ناشتہ کرتی ہیں ویسے بھی کشور جہاں صبح جلدی نکلتیں اور شام کو جب آئیں تو ذرا دیر آرام کے بعد کسی نہ کسی افطار ڈنر میں مدعو ہوتیں یہ لوہا بات کہ روزہ رکھے بغیر ہی روزہ کھولنے پہنچ جاتیں، ایسے میں دیگر بیگمات کے ساتھ دوران گفتگو کچھ ایسا ظاہر کیا جاتا جیسے بہت سخت آج کا روزہ تھا، دوسری خواتین بھی ہاں میں ہاں ملائیں اور پھر جلد ہی افطاری کا سائمن بن جاتا تو سب کھانے پینے پر ٹوٹ پڑتی۔
 ☆ ☆ ☆

علینا اماں رحمت کی گود میں چل کر جوان ہوئی تھی، کشور جہاں ہمیشہ سے ایسی ہی سوشل رہی تھیں، گھر پر انہوں نے بہت کم دھیان دیا تھا پھر آخر صاحب بھی ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے، اماں رحمت نے جب سے علینا کو بتایا تھا کہ روزہ اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض کیا ہے، تب سے علینا نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ وہ روزے ضرور رکھے گی، شروع شروع میں کشور جہاں نے اسے پاس بیٹھا کر پیار سے سمجھایا کہ۔

”بیٹا! میں روزہ رکھنے کے خلاف تھوڑی ہوں، میں تو یہ کہتی ہوں کہ سخت گرمی کے دن ہیں تم کیسے برداشت کرو گی۔“
 ”مگر ماما! روزہ تو آپ پر بھی فرض ہے۔“ علینا نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

”ہم روزہ گرمی کے ڈر سے چھوڑ تو نہیں

ماہنامہ دنا) (اگست 2014

اپنے کمرے میں ہی سحری کا انتظام کر لیتی تھی، اماں رحمت جاتے جاتے اس کے لئے کچھ نہ کچھ خاص طور پر تیار کر کے چھپا کر اس کے کمرے میں رکھ جاتیں اور وہ اطمینان سے الارم کی آواز سے اٹھتی اور سحری کر لیتی اور نماز پڑھ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتی اور پھر سو جاتی اور کشور جہاں کو خبر بھی نہ ہوتی۔

ہنہ ہنہ ہنہ

روزے آہستہ آہستہ گزرتے جا رہے تھے وہ غالباً سولہواں روزہ تھا جب کشور جہاں نے ڈرائیور کو اسٹیر پورٹ بھیجا، ان کا بھتیجا کچھ دنوں کے لئے کراچی آ رہا تھا، ڈرائیور کو اسٹیر پورٹ بھجوا کر کشور جہاں نے دوپہر کے کھانے کا شاندار انتظام کروا لیا۔

سعد سے مل کر کشور جہاں بے پناہ خوش تھیں وہ اسے لے کر اس کے کمرے میں آ گئیں۔
"بیٹا آرام کر لو، پھر کھانا کھا لو تیار ہے۔"
وہ اسے ہی آن کرتے ہوئے بولیں۔
"کھانا؟" سعد جو بیگ میں سے کپڑے نکال رہا تھا رک گیا۔

"روزہ نہیں ہے۔" اس نے پوچھا تو کشور جہاں گھبرا گئیں۔

"روزہ..... آں..... ہاں..... روزہ.....
ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں..... بیٹا..... میرا تو روزہ ہے میں تو سمجھی کہ تم امریکہ سے آرہے ہو تو شاید..... اچھا..... چلو..... پھر..... افطار کی پرنتے ہیں تم پھر آرام کر لو۔"

"نہیں چھو..... میری آج شام کو بزنس میٹنگ ہے، ایکسٹریٹ، افطار ڈنر ہے، ڈنر کے بعد کچھ باتیں دسلس کرنی ہیں، اس لئے۔" اس نے کپڑے اٹھائے اور واش روم کی طرف بڑھ گیا، کشور جہاں نے گہری سانس لی، آج کا افطار

سکتے۔"
"لیکن ہم فدیہ تو دے سکتے ہیں نہ۔" کشور جہاں نے جواب دیا۔

"لیکن ممّا!" علینا ہچکچاتی۔
"لیکن وہ کین کچھ نہیں، بس میں نے کہہ دیا نہ، تو سمجھ نہیں آتی بات۔" انہیں ایک دم غصہ آ گیا۔

"جی ممّا۔" اس نے تھوک لگایا۔
"اور بیٹا روزہ رکھنے کے لئے ساری عمر پڑی ہے، رہتی رہتا آرام سے ساری عمر روزے۔" وہ پرس سنہلاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"یہ اماں رحمت ضرور میری بیٹی کو ملائی بنا کر چھوڑے گی۔" وہ کار میں بیٹھتے ہوئے پڑ بوائیں، انہوں نے خانساں سے رپورٹ لیٹی شروع کی کہ علینا بی بی نے کھانا کب کھایا، جوس کتنے پیچے لیا، علینا نے خانساں کو اعتماد میں لے لیا تھا، وہ کہنے کو تو کشور جہاں کے سامنے کہہ دیتا کہ دس پیچے بی بی نے اپیل جوس لیا اور ایک پیچے لے لیا، بعد میں وہ توبہ استغفار کرتا۔

"علینا بی بی، میرا روزہ بھی خراب کرواؤ جھوٹ بلوا کر۔" علینا جوں مسکرا دیتی۔

"خان چا چا میری خاطر، آپ تو اتنے اچھے ہو، میں اگر ایسا نہ کروں تو ممّا تو مجھے بھی بھی روزہ نہ رکھنے دیں۔" اور جواب میں وہ مسکرا دیتا۔

"اچھا چلو آرام کرو جا کر، روزہ رکھا ہوا ہے، اسے ہی آن کرو اور باہر نہ لکھنا۔"
"جی اچھا۔" اور وہ وانچی بھاگ جاتی۔

ہنہ ہنہ ہنہ

خانساں کو چوتھہ رات کو جھٹ ہوتی تھی اس لئے علینا کو سحری کا انتظام خود کرنا پڑتا تھا اور پھر کچن سے سارے آثار بھی مٹا کر نکلتی زیادہ تر وہ

ذرا ان کے لئے بھی بہت اہم تھا، رمضان کے مہینے میں بے تحاشا زکوٰۃ ان کی این جی او کو جی تھی جس کے ہاں ہوتے پر وہ سارا سال دل کھول کر غریب خواتین کی قلاع و بہبود کے لئے کام کرتی تھیں، رمضان کے مہینے میں ان کی این جی او راشن بھی حق ہر انہوں کو دیتی تھی یہی وجہ تھی کہ وہ دیگر مہینوں کی نسبت رمضان میں بے پناہ مصروف ہوتیں۔

۱۱؎

اس رات علینا کے کمرے میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا اس لئے اسے مجبوراً کچن کا رخ کرنا پڑا، وہ چوروں کی طرح اپنے کمرے سے نکلی اور کچن میں پہنچ گئی، لائٹ آن کرنے کی بجائے اس نے ان کی طرف کھٹکے والی کھڑکی کھول دی ان میں روشنی لائٹس سے روشنی اندر آنے لگی اور کچن اس قابل ہو گیا کہ وہ تاریکی کی بجائے بلکی روشنی میں کام کرنے لگی، کچن کی لائٹ اس نے جان بوجھ کر نہیں جلائی مبادا کشور جہاں آپ بھی تھیں ہوئی ادھر ہی نہ آنکلیں، ویسے وہ اپنی سیسر کے آئی تھی وہ اپنے کمرے میں ہی بے خبر سو رہی تھیں، اس نے فریج کھول کر جائزہ لیا اور دودھ کا جگ اور کچھ فروٹ نکال کر میز پر رکھے، اب وہ چھری ڈھونڈ رہی تھی جلد ہی اسے چھری مل گئی، چھری لے کر وہ اپنی ہی تھی کہ کچن کا کھانا دروازہ دیکھ کر اس کی جان نکلی گئی۔

”مہ!“ وہ صبراً لگی اور جلدی سے اوٹ میں ہو گئی، دروازہ آہستہ آہستہ کھل رہا تھا، وہ خوف سے ڈرتے لگی، اندر آنے والے کو دیکھ کر وہ حیران ہوئی۔

”یہ کون ہے؟“ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھیں۔

”ضرور کوئی چور ہے، اب گیا کروں، اللہ

میاں جی، میری مدد کرنا۔“ اس نے ہاتھ میں پکڑی چھری اور مضبوطی سے تھام لی، وہ ابھی بڑے اطمینان سے کچن کا سوچ بوجھ تلاش کر رہا تھا وہ اپنے انداز سے چور ہرگز نہیں لگ رہا تھا، وہ سعد تھا تب ہی اس نے سوچ آن کر دیا، اس کی نظر سامنے میز پر رکھے پھلوں پر پڑی اور دودھ کا جگ دیکھ کر وہ کرسی تھپٹ کر بیٹھ گیا۔

”ارے واہ کیا بات ہے چھری تیار ہے۔“ اس نے اٹھ کر گارس ریک میں سے نکالا اور دودھ سے بھر لیا۔

”لیکن یہ میز کس نے جھانکی۔“ وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر ادھر ادھر تلاشی ٹھکروں سے دیکھنے لگا، تب ہی اسے فریج کے ساتھ کوئی کھڑا نظر آیا، وہ آگے بڑھ آیا وہ کوئی لڑکی تھی اس نے دونوں آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور ہاتھ میں چھری پکڑ رکھی تھی وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی۔

”گو بیلو۔“ اس نے پکارا، مگر وہ ہنوز اسی طرح کھڑی رہی، اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ مل رہے تھے سعد نے محویت سے اسے دیکھا۔

”بیلو خاتون، اگر آپ جل تو جلال اس لئے بڑھ رہی ہیں کہ میں غائب ہو جاؤں گا تو یہ آپ کی بھول ہے اور اگر آنکھیں بند کیے اس لئے کھڑی ہیں کہ بے ہوش ہونے کا ارادہ ہے تو برائے مہربانی کرسی پر تشریف لے جائیں کیونکہ اگر جہاں آپ گر گئیں تو کون اٹھائے گا، کیونکہ نہ تو میں بے کار ہوں اور نہ ہی فارغ۔“ وہ واپس کرسی پر جا بیٹھا، علینا نے ہمت کر کے آنکھیں کھولیں۔

”آپ چور ہیں۔“ اس نے حوصلے سے پوچھا اور آہستہ آہستہ آگے آگئی۔

”ہیں..... کیا کہا..... چور..... ذرا یہ چھری مجھے پکرائیں، آپ..... علینا ہیں۔“ اس نے

ماہنامہ سنا (۱۱) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سہریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپیڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کماتے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

نہیں، ویسے مجھے سمجھ نہیں آئی تم چوروں کی طرح سحری کے لئے کیوں آئیں؟" علینا کے گلے میں سیب پھنسنے لگا، اس نے بے اختیار پانی پیا۔
"آپ کو کچھ اور چاہیے؟" اس نے بے اختیار پوچھا، اس نے کچھ دیر علینا کو غور سے دیکھا۔

"جی نہیں مجھے تو کچھ نہیں چاہیے، لیکن مجھے لگ رہا ہے کہ آپ کو ضرور کچھ چاہیے۔" اس نے اپنی پلیٹ سے آلیٹ کا چیس اٹھا کر اس کی پلیٹ میں رکھا اور سلاش کی پلیٹ اس کی طرف بڑھائی۔

"میری سمجھ سے باہر ہے کہ ایک سیب کھا کر آپ سہرا دن کیسے گزارتی ہیں۔" سعد نے دودھ سے گلاس بھر لیا اور پینے لگا۔
"آپ امریکہ میں کبھی روزے رکھتے ہیں؟" علینا نے اچانک پوچھا۔

"کیوں امریکہ کے مسلمانوں کو روزے معاف ہیں کیا؟" اس نے دودھ کا گلاس خالی کیا۔

"نہیں میں تو بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔" اس نے اپنی توجہ اپنی پلیٹ کی طرف کر لی۔

"قاتلون شاید آپ کو پتہ نہیں ہے کہ روزے تمام عاقل بالغ مسلمانوں پر فرض ہیں، ویسے بالی داوے، اس گھر میں صرف آپ ہی روزے رکھتی ہیں یا....." وہ اٹھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اب وہ اس بات کا کیا جواب دیتی اس نے نظریں جھکا لیں، سعد نے کندھے اچکائے اور دروازے کی طرف بڑھ گیا اچانک علینا کو کچھ خیال آیا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"سنیے۔" وہ بے اختیار پکاری۔
"جی فرمائیے۔" وہ پریشان ہو گئی، کیا کہے سمجھ نہیں آیا، وہ واپس پلٹ آیا۔

پھری اس کے ہاتھ سے اچک لی۔
"آپ کو میرا نام کیسے پتہ چلا؟" وہ کالی خورنہ تھی، سعد نے پھری سے سیب کاٹے۔
"آپ کو کچھ پکانا دکانا نہیں آتا۔" اس نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

"بھلا سیب کھا کر بھی روزہ رکھا جاسکتا ہے۔" وہ بڑبڑایا اور اٹھ کر فریج تک گیا، وہاں سے اٹھ کر اور بریڈ نکال کر لے آیا۔

"سیب بعد میں کانا پہلے آلیٹ کے لئے پیاز کاٹو۔" اس نے علینا کے ہاتھ میں پیاز تھما دی اور علینا کسی معمول کی طرح پیاز کاٹنے لگی، سعد نے اٹھ کر پھینٹے اور پیاز مکس کرنے لگا، تب ہی علینا کو یاد آیا کہ ماموں کے بیٹے نے امریکہ سے آنا تھا اسے تھوڑا اطمینان ہو۔

"آپ کہیں وہ تو نہیں جو امریکہ سے آئے ہیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"جی ہاں وہ بد نصیب میں ہی ہوں، جسے اپنی پھپھو کے گھر میں پر دو کول مٹنے کی بجائے سحری بھی خود بنانی پڑ رہی ہے۔" اس نے فراموشی میں اٹھایا۔

"لائیے مجھے دیجئے۔" علینا نے جلدی سے سعد کے ہاتھ سے فراننگ پین لے لیا اور چولہا آن کیا اور جھٹ جھٹ سنہری سنہری سا آلیٹ بنا کر پلیٹ میں نکالا اور ڈبل روٹی کے سلاش کے ساتھ جھیل پر رکھا، پانی کی بوتل بھی ساتھ ہی رکھ دی، وہ کھانے لگا اور وہ خود سامنے گہری پر بیٹھ کر سیب جلدی جلدی کاٹنے لگی، اس کی نظریں بار بار گھڑی پر جا رہی تھیں۔

"ابھی کالی وقت ہے، تم اطمینان سے کھاؤ۔" سعد نے کہا۔

"جسمیں دیکھ کر مجھے اطمینان ہوا، میں تو سمجھا تھا کہ پھپھو کے گھر میں کوئی روزہ رکھتا ہی

ماہنامہ دنیا (9) سست 2014

”اچھا چلو تم دو روٹ نکالو، شربت بناؤ اور کچھ فروٹ جلدی سے کاٹ لو۔“ سعد بے اختیار اس بڑا، غالباً علینا کو ابھی تک محسوس نہیں ہوا کہ اس کے بالوں اور چہرے پر تین لگا ہوا ہے، اس نے سوچا اور جلدی جلدی پکڑے نکالنے لگا۔

”آپ کیوں ہنسے؟“ علینا نے است کر کے پوچھ لیا۔

”بس ایسے ہی۔“ اس نے مسکراہٹ دہائی۔

”چلو جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔“ اور علینا اس کے معنی خیز ہنسنے کے انداز کو نظر انداز کر کے جلدی جلدی کام کرنے لگی، جھٹ پٹ شربت بنا کر جگ گلاس میز پر رکھے، مجوریں صاف ستھری پلیٹ میں ڈالیں اور کچھ فروٹ نکال کر کاٹنے لگی، تب ہی مریم آگئی، اس کے ہاتھ میں وہی بڑوں کا پیالہ تھا۔

”یہ نہیں علینا آپی، روزہ اسی سے کھولنا۔“

”لاؤ۔“ علینا نے جلدی سے پیالہ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

”یہ کیا؟“ مریم نے علینا کے بالوں پر سے ہاتھ سے تین صاف کیا۔

”کیا ہے؟“ علینا بے خبری میں چہرہ صاف کرنے لگی۔

”کچھ نہیں تین لگا ہوا تھا۔“ مریم نے اپنے دوپٹے کے کونے سے اچھی طرح اس کا چہرہ صاف کیا علینا کو اب سعد کے ہنسنے کی وجہ سمجھ آئی، مریم جا چکی تھی، علینا نے سعد کی طرف دیکھا وہ اب میز پر آ بیٹھا تھا اور اسے ہی دیکھ کر مسکرا رہا تھا، علینا جھینپ گئی۔

”آپ بتا نہیں سکتے تھے؟“ اسے یکدم قصہ آگیا۔

”اوں ہوں، قصہ نہیں کرتے روزہ رکھ

کر۔“ سعد نے مزہ لیا۔

”چلو آ جاؤ اذان ہونے والی ہے۔“ واقعی تب ہی سائرن بجنے لگا، علینا سائرن کی آواز سننے ہی سب کچھ بھول بھال جلدی سے کرسی پر آ بیٹھی۔

☆☆☆

سعد سو کر اٹھا تو دوپہر ہو چکی تھی، اس نے اٹھ کر پردے کھڑکیوں کے آگے سے ہٹائے اور الماری میں سے کپڑے نکال کر نہانے چلا گیا، باہر آیا تو کمرے میں کشور جہاں کو موجود پایا۔

”السلام علیکم بھپھو“ وہ مسکراتا ہوا انہیں بے حد اچھا لگا۔

”علیکم السلام بیٹا! کیسے ہو؟“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے تویہ صوفے پر ڈالا۔

”آپ آج کمرے کیسے ہیں؟“ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

”وہ بیٹا، تم تو جانتے ہو، میں قلمی ادارہ چلا رہی ہوں، تو اس مہینے میں زکوٰۃ وغیرہ کی وجہ سے مجھے بے حد مصروف ہونا پڑتا ہے پھر مستحقین تک راشن کپڑے وغیرہ پہنچانا بہت ذمہ داری کا کام ہے، اس لئے بیٹا میں تمہیں نا تم نہیں دے سکی۔“ وہ کچھ معذرت آمیز لہجے میں کہہ رہی تھیں۔

”سوری بیٹا۔“

”نہیں نہیں بھپھو۔“ وہ ان کے برابر آ بیٹھا۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ وہ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

”بیٹا! میں تمہارے اعزاز میں افطار ڈنر دینا چاہ رہی تھی کل کا دن ٹھیک رہے گا۔“ انہوں نے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیریں۔

”ارے کیا ہو گیا ہے بھپھو۔“ وہ اٹھ بیٹھا۔

ماہنامہ حنا (۹۷) اگست 2014

بس تم جس طرح بھائی جان کے لئے فکر مندی ظاہر کر رہے تھے تو مجھے بہت خوشی ہو رہی تھی، اللہ تم جیسی لڑکا نبردوار اولاد ہر ماں باپ کو دے۔" انہوں نے آگے بڑھ کر بے اختیار سعد کی پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

گازی اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھی، کشور جہاں کھلی سیٹ پر بیٹھی سوچوں میں غرق تھیں، انہیں آج سعد ہی یاد آ رہا تھا۔
"خلیج کو کتنا کہتی ہوں ذرا اچھی طرح رہا کرو ملک سے کپڑے پہنا کر، مگر بچا ہے جو ذرا اثر ہو اس لڑکی پر، ہر وقت لول جلول علیے میں رہتی ہے، اس کے ساتھ کی دوسری لڑکیاں کیسی اچھی لگتی ہیں، اپنے پہننے اور منے سے، بونیک بھرے پڑے ہیں اسٹائلش کپڑوں سے مگر یہ میری علینا، نجانے کس پر لگی ہے، حرام ہے جو میرا اثر لیا ہو، اوپر سے رہی کسی کسر اماں رحمت نے پوری کر دی ہے، اماں رحمت کا بس چلے تو اسے پوری ملائی بنا دے۔" انہیں حصار آنے لگا۔
"اس اماں رحمت کا بھی کچھ کرنا پڑے گا، ورنہ میری ہنسی میرے ہاتھوں سے نکل جائے گی۔" انہوں نے ہاہر کے گزرتے مناظر پر توجہ کر لی۔

☆☆☆

علینا اور مریم جھولے میں بیٹھی تھیں، مریم، کشور جہاں کی موجودگی میں علینا کے ساتھ بہت لیا دیا انداز اپنائے رکھتی، علینا بھی ایسا ہی رویہ مریم کے ساتھ رکھتی تھی جانتی تھی کہ بے شک کشور جہاں اظہار نہیں کرتیں مگر در حقیقت انہیں ملازمین کے ساتھ میل جول ناگوار گزرتا ہے البتہ ان کے گھر سے جاتے ہی علینا بھی مریم کے گھر خود پہنچ جاتی اور بھی مریم آ جاتی، اس دن بھی

"میں کہاں کا وزیر یا سفیر ہوں جو میرے اعزاز میں افطار ڈنر ہوگا۔" اسے حیرت ہو رہی تھی۔

"کیوں..... میرا بیٹا کیا کسی سفیر یا وزیر سے کم ہے کیا؟" انہوں نے لاڈ سے ہلکی سے چپٹ لگائی۔

"بس بیٹا پھر کل کا دن ٹھیک ہے ناں۔" انہیں جانے کی جلدی تھی۔

"نہیں بھیسو۔" اس نے قلعی لہجے میں کہا۔

"آپ کو پتہ تو ہے کہ میرا شینڈول بھی آپ کی طرح کتنا نف ہے، کل میری آخری فاضل میٹنگ ہے، کنٹریکٹ سائن ہو جائے گا، پھر انشاء اللہ میں جانے کی تیاری پکڑوں گا، آپ کو پتہ ہے پاپا آج کل اکیلے بزنس سنبھال رہے ہیں، میرا بیمار ادھیان ان کی طرف ہے۔" سعد نے انہیں تفصیلی جواب دیا، سعد بول رہا تھا اور وہ اسے محویت سے تنگ رہی تھی سعد ہو بہو ان کے بڑے بھائی ارسلان کی کاپی تھا اور پھر اس کا باپ کے لئے مشکور انداز انہیں بہت بھلا لگ رہا تھا، اچانک ایک خیال ان کے دل میں آیا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ اتنا اچھا سلجھا ہوا انسان میری علینا کا مقدر ہو، مگر کہاں؟" انہوں نے مایوسی سے سر جھٹکا۔

"کہاں وہ امریکہ کی کھلی وطنی سوسائٹی کا پروردہ اور کہاں علینا، جو آج کل ملائی زیادہ لگتی ہے، بھلا کہاں پسند آتی ہیں ایسی لڑکیاں، آزاد معاشرے کے پروردہ آزاد لو، رنر برنگی خلیوں کو پسند کرتے ہیں۔"

"کچھ کہاں کھو گئیں۔" وہ نجانے کیا سوچے چار ہی تھیں جب سعد نے ہاتھ ان کے آگے لہرایا۔

"آں..... ہاں..... کہیں..... نہیں بیٹا....."

ماہنامہ حنا (100) اگست 2014

ماں کو دیکھ کر اٹھ بیٹھی، ان کے ہاتھوں میں ڈیڑھ سا چمک بیگڑتے انہوں نے اس کے بیل پر رکھے اور خود وہ بیٹھ گئیں۔

”مما یہ کیا ہے؟“ علینا تجسس کے مارے جلدی جلدی شاچنگ بیگز کھول کھول کر دیکھنے لگی۔

”تمہارے لئے شاچنگ کر کے لائی ہوں۔“ انہوں نے اسے کپڑے کھول کھول کر دکھانے شروع کیے۔

”مجھے خیال آیا کہ تمہارے سارے کپڑے پرانے فیشن کے ہیں، لہذا میں نے آج واپس پر تمہارے لئے کچھ ڈریسز لے لئے، اب ایسا کرنا کل ملازمہ کو ساتھ لگا کر الماری میں بھرے کپڑے نکال کر کسی ضرورت مند کو دے دینا اور یہ سب وارڈ روب میں سیٹ کر دینا۔“ وہ اپنی دھن میں بولے جا رہی تھیں جبکہ علینا گنگ سی کپڑوں کو دیکھ رہی تھی زیادہ تر کپڑے سلیو لیس تھے اور اتنے جدید اسٹائل کے تھے کہ ماڈلز بھی پہننے سے شرمائیں۔

”مما آپ یہ میرے لئے لائی ہیں۔“
”ہاں ہلی، تو اور کیا، اب تم بڑی ہو گئی ہو، تمہیں ہانگی سوسائٹی میں سو کرنا ہے اور اس سوسائٹی کے بھی اپنی کیٹس اور طور طریقے ہیں اور ایسا ہی پہناوا ہے۔“

”مما یہ سوسائٹی آپ کو مبارک ہو۔“ علینا نے رکھائی سے کہا اور ہاتھ سے کپڑے ایک طرف کر دیے۔

”یہ بھلا کپڑے ہیں کہ ایک طرف کا ڈھکوسلہ تو دوسری طرف سے محل جائے، دونوں طرف سے شرٹ درست کرو تو پیچھے سے اونچی ہو جائے، سوری مما میں یہ سب نہیں پہن سکتی۔“

”کیوں نہیں پہن سکتی یہ ڈریس۔“ انہوں

نے غصے کو دبایا۔

”آخر امریکہ میں بھی تو لوگ ایسے ہی ڈریس پہنتے ہیں۔“ سدا انہیں بہت پسند آ گیا تھا چاہتی تھیں علینا کی طرح اسے متاثر کر لے۔

”ہاں تو نہیں امریکہ والے، لاکھ دفعہ نہیں مگر ممما مجھ سے یہ تو بے رحم نہ رکھے گا میں ایسا کچھ پہنوں گی۔“ علینا نے براہی سے کہا۔

”بے وقوف تو سمجھتی کیوں نہیں۔“ وہ زچ ہو گئیں۔

”اب کیسے سمجھاؤں، امریکہ والوں کو متاثر کرنا ہے تو ان کے جیسے تو لگو۔“ وہ دلی دلی زبان میں سمجھا رہی تھیں۔

”نہیں کرنا مجھے کسی امریکہ والے کو متاثر۔“ وہ سارے کپڑوں کو شاچنگ بیگز میں ٹھونسنے لگی، ہنسی نہیں تھی ماں کا اشارہ سمجھ گئی۔

”علینا تم بہت بدتمیز ہوتی جا رہی ہو، لگتا ہے اماں رحمت کے ہاتھوں میں تمہیں دے کر میں نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے، جتنی ہوں اس کی خبر بھی میں۔“ وہ غصے سے پھنکارنے لگی تھیں اور تن فن کرتی کمرے سے نکل گئیں، سامنے سے اختر صاحب آتے نظر آ گئے۔

”آپ کے لاڈ پیار نے بچوں کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے، مجال ہے جو میری بات مان لیں۔“ انہوں نے سارا قصہ میاں پر نکالا، ویسے تو دونوں اپنی اپنی دنیاؤں میں گم رہتے تھے، دونوں جو گھروں سے نکلنے تو رات گئے گھر آتے، اختر صاحب کی برنس میٹنگز ختم نہیں ہوتی تھیں تو کشور جہاں کا سوشل ورک بارہ مہینے چلتا تھا، بچوں کے لئے دونوں کے پاس ٹائم نہیں تھا، علینا اور حارث دونوں اماں رحمت کی نگرانی میں پروان چڑھ رہے تھے یہی وجہ تھی کہ علینا کی شخصیت میں بہت سے اثرات اماں رحمت کے تھے۔

سعد کے پاپا ارسلان احمد پوچھ رہے تھے، دونوں سناپ پر بڑی تھے۔

”بس پاپا، پرسوں صبح کی فلائٹ ہے، آپ سنا نہیں کاروبار کیسا جا رہا ہے۔“ دونوں کاروباری باتیں کچھ دیر کرتے رہے، پھر سعد کی امی سلٹی بھی کھنگلو میں شریک ہو گئیں۔

”میرا بیٹا صرف بزنس میٹنگز ہی بھگتا تا رہا ہے یا کوئی لڑکی وڑکی بھی پسند کی۔“ انہوں نے شرارت سے پوچھا۔

”کہاں ماما، میٹنگز سے ہی جان نہیں چھولی۔“ سعد جھینپ گیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تمہارے لئے امریکہ میں ہی کوئی لڑکی پسند کریں۔“ وہ مسکرائیں۔

”اگرے تو بہ کریں ماما، امریکہ میں بھلا لڑکیاں اس قافلے ہیں کہ شادی کی جائے۔“ سعد تلخ سا ہو گیا۔

”اچھا چلو چھوڑو یہ بتاؤ ہماری علیٹا کیسی لگی؟“ ارسلان احمد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”علیٹا؟“ سعد نے سر کھجایا۔

”کون علیٹا؟“

”ہائیں کون علیٹا؟“ سلٹی بیگم حیرت زدہ ہوئیں۔

”میاں صاحبزادے، جہاں خیر سے تم ٹھہرے ہوئے ہو، وہاں میری ایک عدد بھانجی بھی رہتی ہے، علیٹا خیر سے اس کا نام ہے، سلٹی بیگم۔“ انہوں نے بیوی کو مخاطب کیا۔

”جی..... جی.....“ سلٹی فوراً متوجہ ہوئیں۔

”بیوی مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔“ ارسلان احمد معنی خیز انداز میں بولے۔

”ہونہ۔“ سلٹی بیگم کی منہی خیز ہنسی کے ساتھ ہی سعد کا جاندار قہقہہ بھی شامل ہو گیا۔

☆☆☆

رات کو کشور جہاں سوچتی تھیں جب علیٹا نے قسلی کر کے اماں رحمت کے کواٹر کا رخ کیا، اماں رحمت عبادت میں مشغول تھیں لان کے کواٹر میں رات کو بہت جیس ہوتا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے کواٹر کے صحن میں مصطفیٰ بچھا لیتی تھیں، مریم اور علیٹا بھی اماں رحمت کے ساتھ عبادت میں مشغول ہو گئیں۔

”رات کو کتنا مزہ آیا۔“ علیٹا کی آواز آئی۔

”ہاں علیٹا آئی، کچ شب قدر کو حلاشنے کا کتنا مزہ ہے۔“ مریم نے آنکھیں بند کر لیں جیسے ابھی بھی اللہ کی عبادت کر رہی ہو۔

وہ دونوں گھر کے پچھواڑے لان میں بیٹھیں تھیں، سعد کے کمرے کی کڑکی لان میں کھلتی تھی وہ اسے کمرے میں لپٹا پ پر مصروف تھا جب ان دونوں کی باتیں سن کر کڑکی کی طرف آگیا۔

”مریم..... آئیڈیا.....“ علیٹا نے چلی بچائی۔

”وہ کیا؟“ وہ دونوں گلابوں کی کیاریوں کے پاس بیٹھی تھیں۔

”دیکھو اماں جی کو مناتے ہیں کہ اگلی طاق رات ہم جہت پر عبادت کریں، تاکہ شب قدر کو ڈھونڈنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔“

”ٹھیک ہے آئی۔“ مریم نے پر جوش ہو کر کہا۔

”اللہ میاں جی ہم شب قدر کو ڈھونڈنا چاہتے ہیں، ہماری مدد کر دیں نہ۔“ علیٹا نے دونوں ہاتھ دعا کے انداز میں اٹھائے۔

”آمین۔“ مریم نے جہت آئین کہا، سعد مسکرا دیا۔

☆☆☆

”ہاں بیٹا جی، کب تک واپس آ رہے ہو۔“

ماہنامہ سنا (260) اگست 2014

طرف بڑھائے اپنے فعل سے سعد اتنا شرمسار ہوا کہ کمرے میں آتے ہی اس نے دھڑکیا اور نفل نماز پڑھنے لگا صبح اس کی روانگی تھی۔

☆☆☆

سعد سحری کے وقت کچن میں آیا تو علینا پہلے سے ہی کچن میں موجود تھی۔

”ارے واہ کیا بات ہے؟ آج تو کچن سے بڑی خوشبو نہیں آ رہی ہیں۔“ اس نے ہاتھ پاتھ کا دھسکا لایا۔

”آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ مجھے چمچ پکانا دیکھا نہیں آتا تو میں نے سوچا کہ آج آپ کا آخری دن ہے تو۔“

”ہیں ہیں آخری دن، اللہ نہ کرے لی بی کہ میرا آخری دن ہو۔“ سعد نے گھبرانے کی اینٹنگ کی۔

”نہیں نہیں میرا مطلب تھا کہ۔۔۔“ علینا نے گھبرا کر کچھ کہنا چاہا۔

”ابھی میں نے اس دنیا میں دیکھا ہی کیا ہے جو دنیا سے جانے کی تیاری کروں۔“ سعد اسے گھبرانے سے محفوظ ہوا۔

”میرا مطلب تھا کہ۔۔۔۔۔“ وہ پھر وضاحت دینے لگی۔

”جی چھوڑیے مطلب کو یہ بتائے کیا بنا ہے۔“ اس نے ہاتھ پاتھ اٹھایا۔

”ہوں دم کا قیمہ اور پرانے، آلیٹ، سویاں، واہ بھی واہ، ہانکی واہ سے خود بخود ہے یا پھر اماں رحمت۔“ اس نے شرارت سے پوچھا، وہ جو پہلے ہی پریشان سی تھی مزید رہبانسی ہو گئی اور چولہا بند کر کے فریج کی طرف آ گئی، فریج میں سے فروس نکالے پانی کی بوتل لے کر ٹیبل پر رکھی اور کرسی پر آ بیٹھی۔

”ارے واہ مزے دار ہے۔“ اس نے کھانا

”چلو بتاؤ جلدی سے، علینا کیسی لگی تھیں۔“ سلٹی پیچھے پڑ گئیں۔

”ای آتے تو دیں مجھے امریکہ، پھر بات کریں گے۔“ سعد نے جان چھڑا کی اور درسلان احمد اور سلٹی نے اختیار رفس پڑے۔

رمضان کی تیسویں شب تھی علینا اور مریم نے اماں رحمت کو منالیا تھا کہ رات کو چھت پر عبادت کریں گے جیسے ہی شور جہاں بچوں کے کمروں میں راولڈ لگا کر اپنے بیڈ روم میں گئیں علینا سیدھی اماں رحمت کی طرف بھاگی اور تینوں چھت پر پہنچ گئیں، بلکی بلکی سی ہوا چل رہی تھی، تینوں اللہ کے حضور نیت پاندہ چکی تھیں۔

تب ہی سعد دبے پاؤں چلا ہوا چھت پر پہنچ گیا، نہینے کی طرف اندھیرا تھا، نیچے ان میں روشن آئینس کی وجہ سے چھت پر کافی روشنی تھی وہ دو پروانی میز کی پر بیٹھ گیا سامنے ہی علینا سفید روپے کے بالے میں کوئی آسمانی حقوق لگ رہی تھی۔

”پچھو میں اور علینا میں کتنا فرق ہے۔“ اس نے سوچا۔

”دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، پچھو کے لباس میں اور علینا کے لباس میں کتنا فرق ہے، علینا تو پچھو کی جی جی ہی نہیں، ابھی بھی بڑے سے روپے میں سنی مقدس کی لگ رہی ہے۔“ سعد نے بے خیالی میں سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور ایک سگریٹ نکال کر لبوں میں دبایا۔

”دھت تیرے کی۔“ اچانک اسے کچھ خیال آیا اور اس نے سگریٹ واپس پیکٹ میں ڈالا۔

”وہ لوگ حاق راتوں کی عبادت کر رہے ہیں اور میں سگریٹ سلکانے چلا تھا۔“ وہ خود کو سرزنش کرتا اٹھ بیٹھا، اس نے قدم اپنے کمرے کی

”اس سے تو اچھا تھا کہ میں کچھ بھی نہ کرتی۔“ دروازہ بند ہونے کا سائرن نضا میں گونج رہا تھا تب اس نے دھوکا دیا۔

☆☆☆

”اماں جی وہ دیکھتے، وہ کیا ہے؟“ وہ خنوں اس رات بھی عبادت میں مشغول تھیں جب علینا نے سلام پھیرا تو اس کی نظر اچانک آسمان کی طرف اٹھی، اماں رحمت نے جلدی جلدی سلام پھیرا اور اوپر نگاہ کی، آسمان بے حد شہری ہو رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے نور کی ہارش ہو، اماں رحمت نے آنکھیں بند کر لیں اور بے اختیار سجدے میں سر گھسیں، لیکن علینا کو تو ہوش ہی نہیں تھی وہ دم بخود آسمان کے نظارے میں محو تھی، اسے نہیں پتا لگا کہ اماں جی سجدے میں ہیں وہ بس تسکین باندھے ایک طرف دیکھے جا رہی تھی، انور دیکھتے ہی دیکھتے بڑھتا جا رہا تھا تب ہی زور و بر بکلی چمکی علینا کو کوئی آواز بجلی چمکنے کی سنائی نہیں دی علینا کو لگا کہ وہ بجلی نہیں چمکی جگہ وہ کوئی نور تھا جو پلک جھپکتے زمین تک آیا اور غائب ہو گیا، علینا دم بخود تھی تب ہی اس کا سر چمکانے لگا اور وہ اگلے ہی لمحوں پکرا کر مگری۔

”اللہ مہیاں!“ اس کے حلق سے آواز نکلی اور چھت کے فرش پر گر پڑی، مریم پہلے ہی اماں رحمت کے پاس مگری پڑی تھی۔

☆☆☆

سعد کو گھنے دودن ہو چکے تھے، کشور جہاں بہت مایوس تھیں، بی بی ان کی ہدایتوں پر عمل نہیں کرتی تھی ورنہ ان کا پورا خیال یہی تھا کہ اگر علینا ان کی بات مان لیتی اور امریکہ کے پروردہ لوگوں کا سا پہنچاوا پہن لیتی تو شاید سعد اس سے متاثر ہو جاتا، ویسے بھی انکوٹا وارث بے حد خوبصورت اوپر سے سا بھتیجا، کسی چیز کی کمی نہیں تھی، مگر یہ

شروع کیا۔ ”تم نہیں کھا رہیں۔“ اسے فروٹ کاٹتے دیکھا تو بوجھ لیا۔

”کھاؤ کھاؤ اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے۔“ علینا نے زخمی نظروں سے اسے دیکھا اور سر جھکائے فروٹ تھوڑا تھوڑا کر کے کھانے لگی، پانی کا گلاس پیا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کہاں چلیں؟“ سعد نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا تو آواز دی۔

”اپنے کمرے میں۔“ سعد کو اس کی آواز بھیجی، بیٹکی سے لگی۔

”ہیلو بی بی میں مہمان ہوں اور آپ میرا نا لہذا آداب میزبانی بھائیے اور چپ چاپ بیٹھ جائیے، جب تک میں کھانا نہ کھا لوں، کھانے میں شریک رہے۔“ سعد اسے تنگ کرنے کے سوڈ میں تھا۔

”نہیں آپ کھائیے، میں اماں رحمت کو بلا لاتی ہوں تاکہ۔“ اس کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ سا چھسنے لگا۔

”کیا تاکہ..... بیٹھیے..... اور کھا کر بتائیے کیا پکا ہے۔“ اس نے اس کے آگے پراٹھا اور قیہ کیا۔

”نہیں سوری، میرا دل نہیں کر رہا۔“ علینا نے یہ کہا اور بھپاک سے بچن سے نکل گئی، آنسو اس کی آنکھوں سے بہنے کو تیار تھے، بھلا کتنی محبت سے قیہ پکایا تھا اور کتنا خیال رکھا تھا کہ براٹھے گول گول نہیں اور یہ سعد کا بچہ، اس نے آنکھیں رگڑیں، کتنے مزے سے کہہ دیا۔

”اماں رحمت نے بہت مزے دار پکایا ہے، ہونہ۔“ وہ سیدھی واش روم میں آئی اور پانی کے چھپاکے آنکھوں پر ڈالے۔

ماہنامہ حنا (105) اگست 2014

علینا، انہیں روزہ کرعلینا پر غصہ آتا۔

سارا بکاڑ اماں رحمت کی وجہ سے ہے، میری بچی کو ملانی بتا دیا، انہوں نے آج دن میں اماں رحمت کو اپنے کمرے میں بلا کر بہت سنائی تھیں، اماں رحمت بھی مجرم بنی یوں چپ چاپ سختی رہیں تھیں جیسے سعد کا رشتہ اگر علینا سے نہیں ہو سکا تو سارا قصور ان کا ہی ہے۔

ستائیسویں شب تھی، کشور جہاں نے آج گھر میں قرآن خوانی کا اہتمام کر دیا تھا، مدر سے سبے بائے گئے تھے، پھر روزہ کھلوا یا بے شمار کھانا، راشن اور کپڑے تقسیم ہوئے، رات گئے وہ تھک گئیں، مگر ان کے میسر آنا شروع ہو گئے، انہوں نے ٹی وی آن کر لیا، ستائیسویں شب کے حوالے سے ٹی وی کے سارے چینلوں خصوصی نشریات کا اہتمام کر چکے تھے، ہر چینل کے میزبان کا دعویٰ تھا کہ ان کے ساتھ رہے تاکہ اجتماعی عبادت میں شریک ہو کر اجتماعی دعا میں شریک ہو کر اپنے گناہ بخشا سکیں، وہ کبھی کسی چینل سے حناٹا ہو کر اس کی اجتماعی عبادت میں شریک ہوتیں تو اچانک اس چینل پر جب کسی پروڈکٹ کا اشتہار آتا تو وہ فوراً دوسرے چینل کی عبادت میں مشغول ہو جاتیں، ساتھ ساتھ میسر کا سلسلہ بھی جاری تھا جن کا لب لباب کچھ یوں تھا۔

”آج کی رات شب قدر ہے جس کی فضیلت ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، آج اپنی خصوصی دعاؤں میں مجھے بھی یاد رکھیے گا۔“ کشور جہاں بھی اپنے لئے ملانے والوں، سہیلیوں اور ساتھ کام کرنے والوں کو دعا کی درخواست کے لئے میسر کر رہی تھیں، مگر بیچ آرہے تھے چارہ تھے مگر شاید دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا تھا تب ہی اچانک بیچ کی جگہ کال آگئی انہوں نے فوراً دھول کی کیونکہ امریکہ سے تھی دوسری طرف ان

کے بھائی ارسلان احمد تھے، وہ خوش ہو گئیں اور ریپوٹ اٹھا کر ٹی وی آف کر دیا یعنی عبادت سے وقتی طور پر کنارہ کر لیا، وہ بھائی سے ڈھیروں باتیں کرنا چاہتی تھیں مگر بھابھ نے اتنا موقع ہی نہیں دیا اور ڈرا دیے سعد ہی ارسلان احمد سے فون لے کر خود باتیں کرنے لگیں۔

”ہاں کشور کیسی ہو بھئی؟“ سلٹی بیگم اپنے مخصوص بے تکلفانہ انداز میں بول رہی تھیں۔

”میں ٹھیک ہوں بھابھی بیگم، آپ کیسی ہیں؟“ کشور جہاں فون لے کر صوفے پر ٹیک لگا کر لیٹ گئیں۔

”ہاں بھئی میں بھی ٹھیک ہوں، کیا کر رہی تھیں؟ میرا خیال ہے پاکستان میں تو آج ستائیسویں شب ہو گیا اور مجھے پکا یقین ہے کہ علینا آج بھی عبادت کر رہی ہوگی۔“

”جی۔۔۔۔۔“ وہ حیران سا ہو کر اٹھ بیٹھیں۔

”آج بھی، کا کیا مطلب بھئی؟ دل خوش کر دیا کشور تم نے تو کیا تربیت کی ہے بچی کی، بھئی میں تو جھوم اٹھی جب مجھے سعد نے علینا کے بارے میں بتایا، مجھے تو یقین ہی نہ آیا کہ علینا اتنی عبادت گزار ہے کہ طاق راتوں کی بھی عبادت کرتی ہے اور پھر سعد نے اتنی تعریفیں کی ہیں علینا کی کہ کیا بتاؤں۔“ وہ بے لگانہ لے لے جا رہی تھیں۔

”سعد کی باتوں سے تو مجھے لگا کہ علینا مشرقی حسن کا شاہکار ہے، اتنی گرمیوں میں بھی محال ہے جو روزہ چھوڑ دے، یہ بڑا سادہ پنہ لے کر رہتی ہے اور بھئی کشور بچ بتاؤں امریکہ میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے، کی اگر ہے تو شرم و حیا کی اور بھئی میں تو بڑے بڑے دھپنے دیکھنے کی حسرت لئے پھرتی ہوں، یہاں جسے دیکھو تو آدھے آدھے کپڑے پہنے گھوم رہا ہے، فیشن کے

ہاں ہم شادی میں در نہیں لگائیں گے، بس میرا تو دل کرتا ہے کہ۔" وہ بچانے کیا کیا بولے جا رہی تھیں مگر وہ عجیب ہی صورتحال میں گھری ہوئی تھیں۔

"ہاں کشور پھر بولو، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔" اب ارسلان بھائی بول رہے تھے۔
"علینا راج کرے گی یہاں۔"

"بھئی سعد تمہارے سامنے ہے میری ہر چیز کا اکلوتا وارث اور بھئی لاکھوں میں نہیں کروڑوں میں ایک ہے میرا بیٹا۔" بات کر کے انہوں نے قہقہہ لگایا اب کی دفعہ کشور جہاں بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئیں۔

"جی جی بھائی جان، بالکل ٹھیک آپ کہہ رہے ہیں، بس اختر صاحب سے مشورہ کر لوں پھر بات کرتے ہیں۔" انہوں نے سبھاؤ سے بات سنبھالی ورنہ دل تو ضد کر رہا تھا کہ ابھی ہاں کر

نام پر مجبورے تن سے لیٹے پھرتی ہیں۔" وہ نہ جانے کیا کیا بول رہی تھیں اور کشور جہاں کے دماغ میں سائیں سائیں ہو رہی تھیں۔

"گرمیوں کے روزے، طاق راتوں کی عبادت، یہ کب ہوا؟ وہ اتنی غافل رہیں اپنی اولاد سے کہ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کہ ان کی بچی کن سرگرمیوں میں حصہ لے رہی ہے تب ہی یکدم روشنی کا جھماکا سا ہوا، یہ اماں رحمت کا ہی دم تھا کہ ان کی بچی کو بھٹکنے نہ دیا ورنہ خدا نخواستہ جس طرح وہ غافل رہیں اگر اماں رحمت بھی علینا پر نظر نہ رکھتیں تو لو جوان لڑکیاں برے اعمال کی طرف بھی متوجہ ہوتے لمحہ نہ لگاتی ہیں پھر علینا تو جس عمر میں ہے وہ تو ہے ہی بچی عمر، اگر علینا بھنگ جاتی تو۔" وہ کانپ گئیں۔

"ارے سن رہی ہو۔" دوسری طرف سے سلسلی بیگم نے ان کی مسلسل خاموشی محسوس کی تو پکارنے لگیں۔

"ارے دیکھیں لائن تو نہیں کٹ گئی۔" وہ شاید ارسلان احمد سے کہہ رہی تھیں۔

"نہیں نہیں بھابھی بیگم، میں سن رہی ہوں۔" ان کی آنکھوں میں گی گی تیر گئی۔

"کشور سن لو بھئی، علینا میری بچی ہے، میں تم سے علینا کو مانگ رہی ہوں۔" سلسلی بیگم بڑے مان سے کہہ رہی تھیں۔

"ہیں..... بھابھی بیگم۔" وہ ہکا بکا رہ گئیں۔

"ارے بھئی جیسے ہی سیاں تمہارے بھائی کو فرصت ملتی ہے تو ہم لوگ منگنی کرنے آ جاتیں گے، بھئی پہلے ہمیں بھی مغربی دنیا بہت متاثر کرنی تھی مگر جب سے یہاں آئے ہیں تو اس تہذیب کا کھوکھلا پن ابھی طرح واضح ہو گیا ہے، میرا بس چلے تو میں ابھی علینا کو انگوٹھی پہنانے آ جاؤں اور

این انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

○ اردو کی آخری کتاب،

○ آوارہ لرد کی ڈائری،

○ دنیا گول ہے،

○ ابن بطوطہ کے تعاقب میں،

○ چلتے ہو تو چین کو چلے،

○ نگری نگری پھر اس سفر،

○ لاہور اکیڈمی ۲۰۵ سرکل روڈ لاہور۔

دیں، حرید تھوڑی دیر بات کر کے انہوں نے فون بند کر دیا، کافی دیر تک وہ گم سم سی بیٹھی رہیں، ان کا دل بولے جا رہا تھا۔

”اماں رحمت نے علیہا کی تربیت کی ہے، میں تو کہیں بھی نہیں، اگر ملائی بنا دیا تو کیا ہے، کم از کم اسے بھگتنے سے تو بچایا اور میں... میں نے کیا کیا، بچوں کو ملازموں کے حوالے کر دیا، وہ تو میری قسمت اچھی تھی کہ میرے بچے نیک لوگوں کے ساتھ رہے تب ہی انہیں خانسا ماں یاد آیا، وہ کیسے رٹا رٹا سبق پڑھتا تھا ان کے سامنے۔“

”وس بچے بی بی نے اپنی جوس لیا اور ایک بچے لے لی۔“ تو اس کا مطلب ہے کہ سب میری بیٹی کے ساتھ ملے ہوئے تھے کیونکہ سعد کے مطابق اس نے کوئی روزہ نہیں چھوڑا۔“

”اف۔“ انہوں نے صوفے کی پشت سے ٹپک لگائی۔

ان کے موبائل پر پب سٹائی وی، انہوں نے موبائل اٹھایا، پھر ایک طرف ڈال دیا، جاتی تھیں دفاتر کی درخواست ایک دوسرے سے کی جا رہی تھی مگر دعا تو کوئی بھی نہیں کر رہا، تب ہی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، آج ستائیسویں شب ہے عبادت کی رات، جیہنا علیہا عبادت میں مشغول ہو نہ، وہ چپ چاپ انہیں اور علیہا کے کمرے میں آگئیں، موقع کے مطابق کمرہ خالی تھا، انہوں نے گہری سانس لی اور چپت کا رخ کیا وہاں سے اماں رحمت کا کواٹر صاف نظر آتا تھا، وہ اوپر آگئیں اور دھک سے رہ گئیں، وہ تینوں وہاں موجود تھیں، وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے ان کے پاس پہنچ گئیں سب سے پہلے اماں رحمت نے سلام پھیرا، کشور جہاں کو دیکھ کر وہ سناٹے میں آگئیں، علیہا نے تو کہا تھا کہ ماسو جکی ہیں وہ گھبرا گئیں، اب بیگم صاحبہ بولیں گی، علیہا اور مریم بھی

سلام پھیر چکی تھیں۔

”وہ بیگم صاحبہ...“ انہوں نے کچھ کہنا چاہا، کشور جہاں کا دل بھرا ہوا تھا۔

”اماں رحمت، اماں جی۔“ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

”اماں جی مجھے معاف کر دیں۔“ وہ اب رو رہی تھیں۔

”بیگم صاحبہ کیسی بات کر رہی ہیں۔“

”میری بیٹی کی تربیت آپ نے جتنی شاندار کی ہے، اسوئیں میں آپ کو دیکھی عزت نہیں دے سکی۔“ علیہا ہکا بکا تھی۔

”بیگم صاحبہ، بیٹیاں تو سب کی ساٹھی ہوتی ہیں، میں نے کوئی انوکھا نہیں کیا۔“ اماں رحمت آبدیدہ ہو گئیں۔

”اماں جی...“ وہ کچھ کہتے کہتے ہکا بکا تھیں۔

”جی بیگم صاحبہ شکم کرو جی۔“ اماں رحمت نے کہا۔

”اماں رحمت میں... میں بھی... آپ کے ساتھ عبادت کر سکتی ہوں۔“ وہ بولیں تو ان تینوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں بیگم صاحبہ، اللہ سوہنترے کا در سب کے لئے کھلا ہے، میں بھلا کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔“ اماں رحمت نے جذب کے عالم میں کہا۔

ذرا دیر بعد کشور جہاں وضو کر کے آئیں، انہوں نے قوم کے ساتھ ایسا ہی عبادت ترک کر دی تھی اور اس خدا کے سامنے سجدہ ریز تھیں جس نے ان کی بیٹی کو سیدھا راستہ دکھایا تھا اور ان کی غفلت کے باوجود ان کی بیٹی کو بھگتنے سے بچالیا تھا، آخر سجدہ شکر تو ان پر واجب تھا، علیہا کو لگا آج ہی عید ہو گئی ہے۔

ہم سب سب

ماہنامہ حنا (108) اگست 2014

تم ملوثو افسیر ہو



”خیر بڑی تو نہیں ہوں۔ تم سے دو سال چھوٹی ہوں۔“ وہ فوراً جتنا لگیں۔

”میرا مطلب ہے آپ رشتے میں بڑی ہیں۔“ زویا نے رسائی سے یولی اور احمد آگئی۔

☆ ☆ ☆

برتن دھو کے عشاء کی نماز پڑھ کے جیسے ہی فارغ ہوئیں ارمان کی کال آگئی۔ ریکی سلام و دعا کے بعد وہ پھر بعد تھا جواب کے لیے۔

”ارمان! میں اپنے گھر والوں کی رضامندی سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ وہ اگر راضی ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“ زویا نے سکون سے جواب دیا۔

”مجھے یقین ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ ارمان خوشی سے بولا۔ زویا محض مسکرا کر رہ گئیں۔ جانتی تھی گھر والے بہت خوش ہوں گے۔ اسی کو کتنا اطمینان ہوگا۔ پھر آگے کے تمام معاملات آہستہ آہستہ طے ہونے لگے۔

امی کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانہ نہیں تھا ارمان سے ان کو پیار بھی بہت تھا اور پسند بھی بہت تھا۔ بھابھی بھی بہت خوش تھیں۔

☆ ☆ ☆

کپڑوں کی تہہ لگا کے ریکی ٹیوشن پڑھنے والے بجے آگئے۔ انہیں لے کر چھت پہ آگئیں۔ نیچے ان کے شور پہ بھابھی کو اعتراض تھا۔ مغرب سے پہلے بچوں کی چھٹی کر دی۔ مغرب کی نماز پڑھی۔ لیکن میں آئی۔ سالن وہ دن میں ہٹا چکی تھی۔ بھابھی آنا گوندھ رہی تھی۔ روٹی بھائی کے آلے پہ پٹی تھی۔ رات کا کھانا سب مل کر کھاتے تھے۔ سب کاموں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئی اور کپڑے آن کیا۔

میری زندگی تو فراق ہے وہ ازل سے دل میں

ماہنامہ حنا (۱۱) اگست ۲۰۱۴

”لو کا کیا کرتا ہے؟“ امی نے سوال کیا۔

”لو کے کا اپنا ریسٹورنٹ ہے، اچھا خاصا کھانا ہے، اپنا گھر ہے اور کیا چاہیے۔“ بھابھی جوش سے بولی۔

”ایجوکیشن کیا ہے؟“ اس نے ہزاروں سے پوچھا۔

”دیکھو زویا! انسان اچھا ہونا چاہیے۔ شریف لڑکا ہے۔ اپنا کاروبار ہے۔ گھر وغیرہ اچھا ہے۔“ بھابھی نے سمجھایا

”بھابھی آپ انہیں منع کر دیں۔“ زویا قطبیت سے بولی۔

”کیوں دماغ خراب ہے تمہارا؟ تم تیس سال کی ہو پکی نہیں ہو۔ کب تک منع کر دو گی؟ آج یہ ایک دور رشتے بھولے بھٹکے آ جاتے ہیں۔ کل یہ بھی نہیں آئیں گے۔ لوگ کہیں گے باپ سر پہ تھا نہیں۔ بھائی بھابھی نے رشتہ نہیں کیا۔ بھابھی نے ملازمہ بنا کے رکھا ہوا ہے۔“ بھابھی غصے سے چلانے لگی۔

آنکھوں میں آنسو بوند ہو گئے تھے۔ وہ صرا کا منظر پیش کرتی تھیں۔ دل میں چیخیں تو ہوتی تھی۔ بھابھی کی باتوں سے مگر چہرے پہ اس کا ہلکا سا شائبہ بھی نہیں تھا۔ بے اثر انداز کے ساتھ وہ تار پر سے کپڑے اتار رہی تھی۔

”زویا! میری باتوں کا برا مت ماننا۔ تمہارے بھلے کو کہتی ہوں۔“ بھابھی کو شاید اس کی خاموشی پر ترس آ گیا تھا۔ تب ہی بہت نرم انداز میں بدلیں تھیں۔

”نہیں! بھابھی برا کیا ماننا۔ آپ میری بڑی ہیں۔“ زویا نے جواب دیا۔

کیس سکی
وہ نگاہ شوق سے دور نہیں، رگ جاں سے لاکھ
تربیب سکی
ہمیں جان دینی ہے اک دن، کسی طرح وہ کہیں
سکی

سر طور ہو، سر حشر ہو، جسہیں انتظار قبول ہے
وہ کبھی ملیں، وہ کہیں ملیں، وہ کبھی سکی وہ کہیں سکی
نہ ہو ان پہ جو مرا بس نہیں کہ یہ عاشقی ہے ہوس
نہیں

میں ان ہی کا تھا، میں ان ہی کا ہوں، وہ میرے
نہیں تو نہیں سکی
مری زندگی کا نصیب ہے، نہیں دور، مجھ سے
تربیب ہے
مجھے اس کا تم تو نصیب ہے، مگر نہیں تو نہیں سکی
جو ہو فیصلہ سنائیے، اسے حشر پہ نہ اٹھائیے

جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سکی وہ یہیں
سکی

زویا آنکھیں پھاڑے مائیکر کی اسکرین کو
دیکھ رہی تھی۔ یہ سب اسے ارمان نے بھیجی تھی۔
"میری آئی۔ ڈی اسے کہاں سے ملی؟"
ارمان اس کا اماںوں زاوگزن تھا۔ مٹی پٹیل
کپہنی میں جاب کرتا تھا۔ پڑھا لکھا، سمجھدار خوش
شکل لڑکا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بے تکلفی
نہیں تھی۔ زویا میل کزنز سے فاصلے کا قائل تھی۔
ارمان بھی سنجیدہ مزاج تھا۔ خیر مر جھٹک کے وہ
کچن میں آگئی۔

بھائی آگئے تھے۔ زویا روٹیاں بنانے لگی۔
بھائی دسترخوان بچانے لگی۔ اور اب برتن رکھ
رہی تھی۔ امی تیار ہو کر لیے بھائی سے آنے والے
نئے رشتے کو ڈسکس کر رہی تھی۔

"امی! خالہ زبیدہ سے کہیں کوئی مناسب
رشتے لائیں۔ لڑکا کم از کم پڑھا لکھا اور شریف تو

ہو۔ ہماری زویا نے اردو ادب میں ایم۔ اے کیا
ہے۔ زویا میں کس چیز کی کمی ہے؟ خوش شکل ہے،
خوش اخلاق ہے، سلیقہ شعار ہے۔" بھائی نے
محبت سے اپنی چھوٹی بہن زویا کو دیکھا۔
بھائی کی محبت پہ زویا کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
بھابھی البتہ منہ پھلا میں خاموشی سے کھانے میں
مصروف رہی۔ اس کے بعد اس موضوع پہ کوئی
بات نہیں ہوئی۔ امی اور بھائی ہلکی ہلکی باتوں
میں مشغول تھے۔

زویا نے دسترخوان سمیٹا، برتن دھوئے لگی۔
بھابھی بھائی کے لیے چائے بنانے لگی۔ کچن
صاف کر کے عشاء کی نماز پڑھنے لگی۔ نماز پڑھ
کے بستر پہ آگئی، صبح کی انہی ہوئی تھی۔ لیکن نیند
آنکھوں سے گھول دور تھی۔

☆☆☆

زویا کے والد محمد صدیق اسلامیات کے
پروفیسر تھے۔ ان کی بیوی گھریلو خاتون تھیں۔ ان
کے دو ہی بچے تھے۔ بڑے بیٹے محمد عمر تھے۔ وہ
بھی اسلامیات کے پروفیسر تھے۔ زویا نے اردو
ادب میں ایم۔ اے کیا تھا۔ وہ بہترین اسکول
میں میٹرک کلاس کے بچوں کو اردو پڑھاتی تھی۔
ساتھ میں اسکول میں ہونے والی نصابی غیر نصابی
سرگرمیوں کی تیاری بھی کراتی تھی۔ زویا بہت
دوستانہ مزاج رکھتی تھی۔ بظاہر اس میں کوئی کمی
نہیں تھی۔ ہر لحاظ سے اچھی تھی۔ لیکن بنانے
رشتے کیوں نہیں معیار کے آتے تھے۔ جبکہ اس کا
معیار کوئی بہت اونچا نہیں تھا۔ جو ملنا مشکل ہوتا۔
صرف اتنی خواہش تھی کہ لڑکا پڑھا لکھا، خوش
اخلاق، سمجھدار، ذمہ دار شریف ہو۔ بچانے پھر بھی
ایسا رشتہ نہیں آیا۔ ان کا حلقہ احباب، ملنا جلنا
بہت محدود تھا۔ رشتے والی خالہ کو شاید اس کے
لیے مناسب رشتے ملتے ہی نہیں تھے اور یوں وہ

ماہنامہ حنا (112) اگست 2014

تیس برس کی ہو گئی تھی۔ امی رات دن نگر مند رہتی تھی۔ بھابھی بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر کی ہو جائے۔

امی آج کل رات دن وظیفوں میں مشغول تھیں۔ وہ صابر و شاکر تھیں۔ رات کروٹیں بدلتے نہانے کس پہر آنکھ لگ گئی تھی۔ صبح حسب معمول فجر کے وقت آنکھ کھلی۔ نماز پڑھی، قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ صبح کا ناشتہ سب کا بھابھی بناتی تھی۔ زویا ان کی مدد کرتی۔ سب سے ایک ساتھ ناشتہ کراتے۔ زویا کو بھائی کا لچ جاتے ہوئے راستے میں اتار دیتے تھے۔ واپسی میں اہلیہ وہ بس سے آتی تھی۔۔۔

اداس دن گزر رہے تھے، بے کیف دن، بے مزہ شامیں۔ ایک سی یکسانیت، وہ خاموشی سے اپنے کاموں میں مشغول رہتی تھی۔ اس کی عزیز بہترین دوست نرا تھی۔ جو شادی کے بعد گھر چلے آئے۔ دارپوں میں مشغول ہو گئی تھی جو بھی زویا بھی کھارہ فون کرتی تو کبھی چولہے پہ اس کی ہنڈی ہوتی۔ کبھی وہ اپنے شوہر کو کھانا دے رہی ہوتی۔ کبھی بچوں کو نہلا رہی ہوتی۔

☆ ☆ ☆

رات کو کپڑے آن کیا۔ ارمان کی سیل آج بھی تھی۔ وہ حیران تھی۔ تب ہی اس کے سیل پر کال آئی، نیا نمبر تھا۔

”ہیلو..... جی کون؟“

”میں ارمان بات کر رہا ہوں۔“ اس کا نرم بوجھل سالیجہ کانوں سے نکل آیا۔

”آپ کیسے ہیں؟ ماسوں، مای کیسے ہیں؟“ زویا نے پوچھا۔

”ہاں! سب لوگ ٹھیک ہیں۔ آپ سب کیسے ہیں؟“ اس نے جواباً حال احوال پوچھا۔

”اللہ کا شکر ہے۔“ زویا بولی۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب

☆ شمار کنندہ

☆ دنیا گول ہے

☆ آوارہ گرد کی ڈائری

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں

☆ چلتے ہو تو چمن کو چلئے

☆ گھری تاری پھر اس سفر

☆ خط انشائی کے

☆ ہستی کے آگ کوپے میں

☆ چاند نگر

☆ دل ڈن

☆ آپ سے کیا پروہ

ڈاکٹر مولوی عید الحق

☆ قواعد اردو

☆ انتخاب کلام میر

ڈاکٹر سید عبد اللہ

☆ طیف تر

☆ طیف غزل

☆ طیف اقبال

لاہور، کینڈی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

ماہنامہ حنا (113) اگست 2014

دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی چھا گئی۔

"زویا! وہ کچھ دیر رکھا۔"

"جی کہئے۔" زویا بولی۔

"زویا! میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، شادی کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے تمہیں کبھی نہیں بتایا۔ اس احساس کو اپنے دل کی تہوں میں اس طرح دبا کے رکھا کہ کبھی تمہیں احساس نہیں ہوا۔ اصل میں مجھ پہ ذمہ داری بہت تھی۔ امی نے صاف کہہ دیا تھا پہلے تینوں بہنوں کی شادی کرو آخر میں اپنی سوچنا۔ کبھی تمہارے کسی رشتے کا سنتا ہوں تو پریشان ہو جاتا۔ تمہیں کھودینے کا احساس میرے دل کی رگوں کو توڑتا محسوس ہوتا۔ بس اب اور نہیں ہونا انتظار ویسے بھی میں فریض ادا کر چکا ہوں۔ منقریب امی ابو کو بھیجوں گا تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں؟"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ حق دق رہ گئی۔

"میں کل دوبارہ کال کروں گا۔۔۔ سوچ لیتا؟" ارمان نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ساری رات وہ جاگتی رہی۔ زویا کے برگ و پے میں ایک عجیب سی بے چینی اتر رہی تھی۔ بلاشبہ ارمان میں کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ اس کے آئیڈیل کے معیار پہ پورا اترتا تھا بلکہ اس سے بڑھ کے تھا۔ یہ احساس بہت خوش کن تھا کہ وہ اک چم سے اس کی محبت میں جلتا تھا۔ اور وہ بے خبر تھی۔

رات بھر جاگنے سے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں

"بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے نہ؟" امی ٹکرمند ہوئیں۔

"جی امی بس رات نیند نہیں آئی تھی۔" اس

ماہنامہ حنا (114) اگست 2014

نے سچائی سے جواب دیا۔
"بیٹا آج چھٹی کرلو۔" امی بولیں۔
"کبھی کبھار بیماری میں انسان چھٹی کر ہی لیتا ہے۔" امی خفا ہوئیں۔

"امی بیماری میں نہ میں خدا نخواستہ کونسا بیمار ہوں۔" زویا نے جواب دیا۔

"مرضی ہے تمہاری شادی کے بعد بھی تو پڑھنا چھوڑ دو گی۔" امی بدستور خفا تھیں۔

امی کو خفا کر کے اس کا چائے کا دل نہیں چاہا۔ جانتی تھی وہ ماں ہیں اس کے لیے ٹکرمند ہیں۔

"چلیں امی آج آپ کی خوشی کے لیے میں نے چھٹی کر لی۔" اس نے چادر اتارتے ہوئے بیگ رکھا۔

"آج میرے ساتھ اپنے ماموں کے گھر چلوں۔" امی خوشی سے بولیں تو وہ چپ رہ گئیں۔
ارمان کیا سوچے گا۔ کل اٹھارہ محبت کیا آج وہ چلی آئی۔ اسے بہت عجیب لگا۔ لیکن امی کو صبح کیسے کیا جائے۔

"امی رمضان قریب ہے ایسے کرتے ہیں آج بازار جاتے ہیں۔ عید میں پہننے کے لیے کپڑے لاتے ہیں۔ پھر سلائی بھی کرنے ہوں گے۔" زویا نے ماموں کے گھر سے پہننے کے لیے کہا۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔" وہ بھی رضامند ہو گئیں۔

شام کو بازار میں کافی وقت لگ گیا۔ گھر آتے آتے مغرب ہو گئی۔ نماز پڑھ کے سالن بنایا۔ روٹی بنائی۔

زویا جتنا ارمان کے بارے میں سوچتی اتنا ہی دل الگ کھاتا تھا۔ "محبت کی نہیں جانی ہو جاتی" کے مصداق اسے محبت ہو گئی تھی۔

زویا اور گھر والوں کے اقرار و رضامندی کے بعد ارمان تو مکمل ہی گیا۔

”مجھ سے فون پہ بات کرو میں غیر نہیں ہوں عنقریب ہم انشاء اللہ شرعی اور قانونی رشتے میں بندھنے والے ہیں۔“ ارمان اسے قائل کرتا۔ زویا قائل ہو جاتی۔

وہ اسے بتایا کب کہاں کیسے ان کا سامنا ہوا۔ وہ سب سب ہی گفتگو، وہ رکی سی ملاقاتیں اس کے لیے قیمتی اجازت تھیں۔ اسے سب یاد ہوتا، جتنی کہ زویا کے ذریعے کا کھڑ تھا۔ زویا اس کی محبت پہ حیران ہوتی۔ وہیں خود کو خوش نصیب تصور کرتی۔

☆☆☆

اس کے کہا مجھ سے تمہیں کتنا پیار ہے میں نے کہا ستاروں کا بھی کو شمار ہے اس نے کہا کون تمہیں ہے بہت عزیز میں نے کہا کہ دل پہ جسے اختیار ہے اس نے کہا کہ کون سا شخص ہے مکن پسند میں نے کہا کہ وہ شام جواب تک لو حمار ہے اس نے کہا خزاں میں ملاقات کا جواز میں نے کہا کہ قرب کا مطلب یہاں ہے اس نے کہا کہ سیکڑوں غم زندگی میں ہیں میں نے کہا کہ جتنی یہ سانسوں کی مار ہے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو یقین آئے کس طرح میں نے کہا کہ نام مرا اعتبار ہے

محبت کا تمہا سا پودا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اب دل کی عجب حال تھی۔ رات ہوتی ارمان کا تصور نگاہوں میں آ جاتا۔ وہ خوب صورت خوابوں کی دنیا آباد کر لیتی۔ ایسے میں ارمان کا فون آ جاتا تو اس کے ارد گرد خوب صورت رنگ ہی رنگ بکھر جاتے۔

ان ہی حسین شب و روز میں رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا۔ ہر طرف رحمت و

برکت کا سماں تھا۔ زویا بھی دل جمعی سے عبادت میں مشغول ہو گئی۔ اس عظیم ماہ میں ہر عمل و نیکی کا امیر اور فضیلت بے پناہ تھا۔

ارمان سے بات بہت کم ہوتی دن بھر کام، شام میں ٹیوشن رات میں نماز و تراویح کے بعد وہ فوراً سو جاتی تھی اور تہجد کے وقت اٹھ جاتی۔ تہجد کی نماز اور کچھ دیر تلاوت کے بعد سحری پٹائی۔ فجر سے فراغت کے بعد نماز فجر اور تلاوت قرآن کے بعد اسکول کی راہ لیتی۔ سو ایسے میں ارمان بے چارہ و ترستا ہی رہ جاتا۔

زویا سارا دن بے حد مصروف رہتی تھی۔ رمضان کا مہینہ ختم ہو رہا تھا۔ اس کا دل بے حد اداں تھا۔ اس مہینے میں ایک خاص رحمت اور سکون محسوس ہوتا۔ دل ہر لمحہ مطمئن رہتا۔ آج چاند رات تھی۔ ارمان اس کے ساتھ تھا۔ اس کا دل خوب صورت انداز میں دھڑک رہا تھا۔

”مبارک ہو چاند نظر آ گیا۔“ ارمان نے قریب آ کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

”خیر مبارک۔“ زویا بے ساختہ بولی

”یہ میری زندگی کی سب سے حسین عید ہوگی۔“ ارمان نے بہت محبت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

”آج ہماری شادی کی ڈیٹ نکس ہو جائے گی۔“ زویا بے ساختہ نظریں جھکا گئی۔

”میں نیچے جا رہی ہوں۔“ زویا بولی۔

”ستوا۔ عید مبارک۔“ ارمان مسکرایا۔

زویا کو لگا یہ اس کی زندگی کی سب سے حسین اور یادگار عید ہوگی۔

☆☆☆

ماہنامہ دنیا (115) اگست 2014

سنگ بھار

۔۔۔ نکل پڑا

سہانگ کی بیچ پر بیٹھی دوہنیں آنکھوں میں
ہزاروں خواب سجاتے آنکھوں بھرا دل سے تھی
چاہت اور ارمان کے ساتھ اپنے ہمسفر کا اتنے
رہتی تھی۔
مگر وہ شاید پہلی دوہنیں تھی جو انتہائی کوہست
اور بھڑائی کے عالم میں بیٹھی آنے والے شخص
سے متعلق سوچ رہی تھی۔
اس کے پاس بیٹھی نو عمر لڑکی جو شاید اس نے

کولی سسرالی عزیز تھی اس کی خاموشی پر اسکا کر
باہر چلی گئی، اریب نے اس کے ہر سوال کا جواب
پتھ اتنی برہمی سے دیا تھا کہ بیچاری تھی ہی دیر
بہوش پن سے اس کی شکل دیکھتی رہی تھی، اس کے
چاتے ہی کمرے کی خاموشی فضا میں مہیب سی
آہستہ کا احساس چاگا تھا۔

اس نے اپنی پڑی پڑی سحرزدہ کالی آنکھوں
سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو اندر تیس دن

ناولٹ

کے سٹھ ماہ پر بیٹھی دجاہت سے بھرپور فضا کی
شعبہ چھتا چور ہو رہی تھی۔

اریب کو آج وہ پہلے سے بھی زیادہ برا لگا
تھا، انہی دنوں نے محبت پاش نظروں سے اپنی جا ب
انہی دنوں کی گہری سیاہ آنکھوں میں بھٹکا تو ایسا لگا
پیسے کی متناہی طاقت نے اس کی نگاہوں کو بھڑ
لیا ہو وہ شائستہ پنک عروسی قرار سے میں بیوی
اس کے تصور سے بھی زیادہ حسین لگ رہی تھی۔

"اسلام ٹیکس؟" امداد نے سچے میں سوچ کر کہا
اس کے پہلو میں ٹک گیا اریب نے اختیار نہ کیا وہ
بولی میرم کا جواب دینے بھی گوارہ نہ کیا۔
کھڑکی میں چور سے انوں کا پتہ نہ چھو نہ

"جوتی ہو تم آج چاند سے بھی زیادہ روشن
اور حسین لگ رہی ہو۔" انہی دنوں نے اس کی تصویر
کوٹری سے چھوٹے ہوئے اس کا دل ہتی چاہ





موڑا تو وہ ناگواری سے "اور تم چاند پر گرہ بن سوچتے ہوئے اس کا ہاتھ جھٹک رہا تھ کھڑی ہوئی، زبان نے تعجب سے اس کا انداز لوٹ لیا تھا۔

"مجھے چیخ کرنا ہے۔" آنکھوں میں استغفار تھا زبان نے اریٹک کی سمت اس کی رہنمائی کر دی وہ کہہ بھی نہ سکا کہ ابھی رک جاؤ ابھی مجھے تمہیں اس روپ میں جی بھر کر دیکھو تو لینے دو۔

آئینے کے سامنے جاتے ہی اس نے سردا زبور نوح نوح کرانا مار پھینکا اور الماری سے سادہ سا کاشن کا سوٹ نکال کر واش روم میں صحت کی پورا نگہداشت روم میں صرف کرنے کے بعد جب باہر نکلی تو زبان کو اپنا منتظر دیکھ کر اسے حیرت کا شدید جھٹکا لگا اس کا خیال تھا کہ وہ اب تک سوچکا ہو گا مگر اس کی بلا سے کوئی سوئے یا جاگے اسے کیا، اس نے نظریں گھما کر بیڈ روم کا جائزہ لیا بیڈ روم کافی کشادہ تھا اسی لئے بیڈ کے دوسری جانب صوفہ رکھ کر اس جگہ کو رکھا تھا۔ وہ بیڈ سے نکلیے اٹھا کر صوفے کی سمت مڑنے ہی والی تھی جب زبان نے اس کا ارادہ بھانپتے ہوئے اس کی بازگ کلائی تمام کر اپنے قریب بٹھالیا۔

"راہی تم اس طرح کیوں کر رہی ہو۔"

"جب میں نے کہا تھا کہ مجھے آپ سے شادی نہیں کرنی تو آپ نے نکاح کیوں نہیں کیا تھا۔" اس کی معصومیت پر وہ خوب لفظوں کو چبا چبا کر بولی تھی۔

"مگر تمہیں مجھ سے شادی پر اعتراض کیا تھا۔" وہ بے بسی سے بولا۔

"وہ میں آپ کو بتانا ضروری نہیں سمجھتی۔" کہتے ہی اس نے سر پہ چادر تان لی، اندر سے اس کا ماہنامہ حنا (118) اگست 2014

دل کھول کر رہ گیا تھا۔ "اوپر اعتراض، موصوف نے شاید کبھی آئینے کو غور سے نہیں دیکھا۔" اس کی آنکھیں بھر آئیں دل کے آئینے پر اس کا عکس پھر سے جھٹلانے لگا تھا، وہ مردانہ وجاہت سے بھرپور شخص کسی ہل نظر دل سے اوچھل ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

پچھلے دو گھنٹوں سے وہ بالکونی میں کھڑا سگریٹ پہ سگریٹ پھونکے جا رہا تھا آسمان کی ہاتھوں میں اونگھتا چاند بھی اسے خود پر ہنستا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی حالت سے حظ اٹھا کر اپنی توہین کا بدلہ لے رہا ہو ابھی کچھ دیر قبل اس نے اپنے محبوب کو چاند سے زیادہ روشن اور حسین جو کہا تھا۔

"آہ۔" محبوب کے نام پر دل میں ہوک سی اٹھی تھی، ازبیب اس کے ماموں کی بیٹی تھی ان کے خاندان میں کزنز سے زیادہ بے تکلف ہونے کا رواج نہیں تھا سوا ایک گریج اور فاضلہ ہمیشہ دونوں کے درمیان حائل رہا مگر ازبیب کو جب بھی دیکھا اس کا دل عجیب سی لے پر دھڑکنے لگتا تھا یہی وجہ تھی مگر میں جب اس کی شادی کا تذکرہ چلا تو اس نے بلا جھجک ازبیب کا نام لے لیا، سب نے لاکھ سمجھایا کہ تم دونوں کا جوڑ مناسب نہیں تم دھیمے حراج اور خاصی سلجھی ہوئی شخصیت کے مالک ہو جبکہ وہ تمہارے بالکل برعکس منہ پھٹ، خندی، مغرور اور خود پرست قسم کی لڑکی ہے اور ایک حد تک یہ سچ بھی تھا۔

وہ تین بیٹن نہیں روشنی اور چالا اس سے دو سال بڑی تھیں وہ دونوں جڑواں تھیں پھر ان کے بعد ازبیب کا نمبر آتا تھا اللہ نے اسے غیر معمولی حسن سے نوازا تھا جہاں جاتی مرکز نگاہ بن جاتی لوگوں کی رشک بھری ستائشی نگاہیں قدم قدم اس

ماہنامہ حنا (118) اگست 2014

نہیں تھی۔

بہت ہنگامہ بچایا مگر کسی نے ایک نہ سنی تو زبان کا نمبر گھما ڈالا اور وہ اس کی فرمائش سن کر عجیب چوٹیشن میں الجھ گیا تھا پہلے ہی گھر والوں کو بمشکل رضا منہ کیا تھا اور اب جبکہ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں تو انکار۔ کیا مسئلہ خیر اور قلمی سالک رہا تھا اسے سوچ کر ہی جھرمجھری آ گئی، اس رشتے سے اب انکار کا مطلب تھا کہ اماں بھی اپنے بھائی کو ہمیشہ کے لئے کھودیں اور پھر اس کی موتی صورت اس سے دستبرداری کا تو تصویر ہی محال تھا۔

وہ اس امید پر شاد ہو گئی کہ دوسری جانب سے انکار ہو جائے گا مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ ازدواج میں بندھ گئے جیسے ذیابان نے تو دل کی تمام تر گہرائیوں سے قبول کیا تھا مگر وہ ایسا کوئی تعلق بھانے کے سوا میں بالکل بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

شادی کی اگلی صبح دروازے پر ہونے والی مسلسل دھتک پر اس کی آنکھ کھلی تو اس نے آنکھیں ملستے ہوئے وال کلاک کی سمت دیکھا گھڑی سیارہ کا الٹی میٹم دے رہی تھی وہ بڑبڑا کر اٹھا تو نظریں صوفے پر نیم دراز وجود سے الجھ گئیں وہ بے خبر سو رہی تھی۔

”راہی۔“ زبان نے قریب آ کر اسے پکارا۔

”کیا ہے؟“ وہ اسے سر پر سوار دیکھ کر جھنجھلائی۔

”اٹھو اور بیڈ پر جا کر سوؤ میں سب کے سامنے کوئی حرکت نہ دیکھوں۔“ عجیب عجیب بھر انداز تھا وہ شرافت سے اٹھ گئی مگر زبان کا درشت لہجہ اسے بے حد برا لگا تھا، بھابھی ان کے لئے

ناشتہ لائی تھیں وہ فریش ہو کر میز پر آ بیٹھا۔
”ناشتے میں کیا لو گی۔“ اس نے خاموش جینھی اریب سے پوچھ تھا۔

”زہر۔“ وہ کاٹ کھانے کو دوڑی۔
”وہ اس وقت دستیاب نہیں ہے فی الحال بریڈ اور بٹر سے کام چلاؤ، حلوا پوری بھی اگر کھانا چاہو تو کوئی پابندی نہیں اور اگر“ اس“ زہر کے سوا کچھ اور کھانے کو دل چاہے تو بندہ حاضر ہے۔“ وہ مسکرایا، جبکہ اریب کے لب بچھنج گئے، مگر مزید بھوکے رہتا بھی ناقابل برداشت تھا۔

”اریب میں نے تمہارا سوٹ نکال دیا ہے تم تیار ہو جاؤ پھر تمہارے گھر والے آتے ہی ہوں گے۔“ آیا اس کے لئے بھاری کام والا سوٹ اٹھائے چلی آئیں۔

”سوری آپا آپ نے ناحق زحمت کی ورنہ میں دوسروں کی پسند کی ہوئی چیزیں استعمال نہیں کرتی۔“ ناک سکڑتے ہوئے اس نے باور کرایا اور اٹھ کر الماری کی سمت بڑھ گئی اپنے لئے جوڑا وہ خود منتخب کرنے والی تھی۔

آپا کے چہرے کی رنگت ایک لمحے کو خنجر ہوئی اور پھر وہ ایک جھٹکی ہوئی سی نگاہ زبان پر ڈال کر چلی گئیں زبان نے سرزنش کرنا چاہا تھا۔
”اریب تمہیں آپا سے ایسے بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔“

”ایسے سے کیا مطلب ہے تمہارا؟“ اس نے پلٹ کر عجیبی نظروں سے اسے ٹھورا۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو اپنے انداز کو بھی اور میرے مطلب کو بھی۔“

”دیکھو مجھے اپنی پرسل لائف میں دوسروں کی مداخلت قطعی پسند نہیں۔“

”وہ دوسرے نہیں میرے گھر والے ہیں۔“
”تو پھر آپ تک ہی محدود رہیں۔“ واٹش

ماہنامہ سنا (2011) اگست 2014

روم میں گھس کر اس نے ٹھک سے دروازہ بند کیا
تھانیاں کے کان جھنجھٹا اٹھے۔

☆☆☆

بڑی پھپھو کے گھر دعوت تھی زبان شیو کر کے
باہر نکلا تو وہ بلیک سوٹ میں بلبوس بالکل تیار کھڑی
تھی زبان کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ آج کالا لباس
پہنے مگر جب اس نے فرمائش کی تو سفید لباس کی،
جانتا تھا وہ بالکل الٹ کرے گی اور اب حسب
فشاء رذلت سامنے تھا اس کے لبوں پر مسکراہٹ
اٹھ آئی۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اسے جھانپا ہوا
اب بالوں میں برش کر رہا تھا خلاف توقع وہ
خاموش رہی تھی مگر دل ہی دل میں اچھی خاصی
جزبہز ہوئی تھی، سنکل پہ گاڑی رکی زبان نے وہ
گھرے لے کر اس کی سمت بڑھائے مگر وہ رخ
موڑے بیٹھی رہی۔

"ارے یہ مجھے لگتا ہے کہ میں ایک دوسرے
کو سمجھنے کے لئے تھوڑا وقت چاہیے ہم دوستوں کی
طرح بھی تو بیہو کر سکتے ہیں نا۔"

"تھوڑا وقت ساتھ گزارنے سے کیا مجھے تم
سے محبت ہو جائے گی۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر
ظہر یہ انداز میں گویا ہوئی۔

"آئی چیٹک۔" وہ گاڑی کا موڑ کاٹنے
ہوئے مسکرایا۔

"نہور۔" وہ اس کی مسکراہٹ سے چڑ گئی۔

"چلو میں دعا کروں گا کہ تمہیں مجھ سے

محبت ہو جائے دعاؤں میں بڑا اثر ہوتا ہے۔"

"خوابوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"خواب بھی تو تمہارے ہیں۔" وہ کہاں

خاموش رہنے والا تھا ارے یہ نے جھنجھٹا کر سیل نکال

لیا اور ایس ایم ایس چیک کرنے لگی۔

"کاش میں موبائل ہوتا، وہ اپنے نازک

سے ہاتھوں میں چلاتی مجھ کو، میں اس کی پوروں
کی خوشبو سے ہلک سا جاتا۔"

پھر وہ راستہ بھر اس لٹم کی ٹانگ، ہاتھ،
پاؤں توڑ توڑ کر جوڑتا رہا۔

☆☆☆

وہ بٹری ہسپتال میں ڈاکٹر تھا شادی سے دو
ماہ قبل اس کی پوسٹنگ سری میں ہوئی تھی رہائش
کے لئے انہیں ایک کالج دیا گیا تھا پوشیاں ختم
ہوتے تھا وہ دونوں لاہور سے سری شفٹ ہو گئے
تھے، آج ان کا اس گھر میں پہلا دن تھا۔

رات ہو چکی تھی صبح ڈیوٹی پر بھی جانا تھا اسے
کسی کتاب میں کم دیکھ کر وہ سوئے کے ارادے
سے بیڈ روم میں چلا آیا تھا نیند کی دادیوں میں سفر
کرتے ہوئے کوئی چیز ٹھک سے اس کے سر پہ لگی
تھی، وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا کشن اب زمین بوس ہو
چکا تھا اور وہ آفت کی پرکالہ اس کے سر پر کھڑی
تھی۔

"اپنا بستر زمین پر لگاؤ۔"

"کیوں؟" اس کا معنی خیز سا سوال ارے یہ
کو سر تا پا سلگا گیا۔

"کیونکہ اس گھر میں ایک ہی بیڈ روم
ہے۔"

"ہاں اور تمہیں اس بیڈ پہ سونا پسند نہیں تو
فرشی نشست تم لگاؤ ورنہ اگر چاہو تو یہاں بھی سو
سکتی ہو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" اس نے
کہہ کر سر تا پا چادر تان لی وہ کچھ دیر تو کھڑی اسے
گھورتی رہی پھر جا کر ساری کھڑکیاں کھول دی
کالج کے عقب میں جھرناتھا پانی کا شور۔

"کھڑکی بند کرو میں ڈشرب ہو رہا ہوں۔"

چادر بھر سے اتارنا پڑی۔

"تم ڈشرب ہو رہے ہو تو لاؤنج میں سو جاؤ

مجھے پانی کی آواز سننا اچھا لگتا ہے۔" ٹانگیں

ماہنامہ دنیا (121) اگست 2014

جھاتے ہوئے وہ حرے سے بولی تھی، زبان نے
دونوں کشن اٹھا کر کانوں پر رکھ لئے۔

☆☆☆

”اب اٹھ بھی جاؤ میں لیٹ ہو رہا ہوں
ناشتہ نہیں ملے گا۔“ اس نے بالوں میں برش
کرتے ہوئے ٹائی کی ٹاٹ لگاتے ہوئے پرٹیم
اسپرے کرنے کے دوران کوئی دسویں بار کہا تھا۔
”دیکھو میں صبح دس بجے سے قبل اٹھنے کی
عادی نہیں ہوں اور اپنے یہ سچے سنورنے کے
امور لاؤنج میں انجام دیا کرو ساری نیند خراب کر
دی۔“ اس نے بیڑا اتارے ہوئے کروٹ بدل کر
آنکھیں موند لیں، زبان نے اسے کلائی سے پکڑ
کر کھینچتے ہوئے بچن میں لاکڑا کیا، اس کی کتھی سی
چوڑیاں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں۔

”اگلے دس منٹ تک ناشتہ ریڈی ہونا

چاہیے۔“

”جابل، آوارہ، جنگلی۔“ وہ اپنا قصہ بدلتوں
کو بیچ بیچ کر نکالتی رہی، چائے کا ایک گھونٹ
بھرتے ہی اسے اچھوٹا تھا، بریڈ اگ بچے ہوئے
تھے۔

”کیا بدتمیزی ہے یہ۔“ اس کا غصہ طراب

ہو گیا تھا۔

”مجھے ایسا ہی ناشتہ بنانا آتا ہے کہ تو کل
سے بنا دیا کروں۔“ اس کی اداکاری قابل دید
تھی۔

”توازش ہے جناب کی۔“ وہ وہی جملے

ہوئے بریڈ اور تنک والی چائے پی کر چلا گیا تھا
اور اس کا دلنا بہت پور گزرا، آخر اب کتنا بھی
سوئی، ریڈنگ سے لیک لگائے جھیل میں نئی،
گزلتی لہروں کو دیکھتی رہی پھر شاپنگ کا موڈ ہوا تو
مال روڈ چلی آئی یہاں اس وقت کافی دس تھا
سارے ٹورنر وینڈو شاپنگ کرتے ہوئے نکل آ

رہے تھے، وہ بھی اسٹال میں لگی رنگرز اور بینڈ دیکھ
رہی تھی۔

”ہیلو۔“ تبھی عقب سے کسی نے پکارا تھا وہ

پلٹی اور پھر گویا اپنی جگہ مسرانا ہو کر رہ گئی۔

”ہیلو مس ا۔“ کیا وہ ایک بار پھر سے اس
کے سامنے کھڑا تھا حقیقت تھی یا خیال لیکن نہیں وہ
سچ میں سامنے ہی تو تھا اپنی سیاہ کالی کھور سی
آنکھیں اس پہ جمائے۔

”ہم پہلے بھی مل چکے ہیں شاید، آپ نے
مجھے پہچانا نہیں۔“

”اور آپ نے پہچان لیا مجھے؟“ اس کے
لبوں سے بے ساختہ ہی پھسلا۔

”بھلا آپ کوئی بھولنے والی چیز تھی۔“ وہ
مسکرایا تھا۔

”جی۔“ اریب نے آبرو دا دکائے۔

”سواری قاتون۔“ وہ ایک بار پھر ہنسا۔

”ویل میرا نام اریب ہے۔“

”اور میں شہر وڑ حیدر۔“ اس نے اپنا ہاتھ
اریب کی سمت بڑھایا تھا جسے ہلکا سا تھام کر اس
نے چھوڑ دیا۔

”اگر میں آپ کو ایک کپ کافی کی آخر
کرواؤں تو؟“ وہ اتنا ہی مہذب تھا یا مین رہا تھا۔

”تو میں انکار کر دوں گی۔“ وہ شرارت سے
بولی اور پھر دونوں ہی ہنسنے لگے تھے۔

”نیل کے ساتھ آئی ہیں۔“

”نہیں دوستوں کے ساتھ۔“ اس نے

روانی سے جھوٹ بولا اور پھر دوبارہ ہنسنے کا وعدہ کر
کہ چلی آئی۔

”کیا قسمت اس پر اتنی ہی مہربان تھی جو

اسے وہ نہ صرف دوبارہ مل گیا تھا بھلا پہچان بھی
چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں چاہت کے وہ

سارے رنگ بھی تھے جنہیں وہ اپنے خوابوں پر

ماہنامہ ادب (122) اگست 2014

سازھی میں ہمیشہ کی طرح بہت خوبصورت لگ رہی تھی وہ کوئی ساتویں بار اندر آیا تھا اور وہ ہنوز اپنے بالوں کے ساتھ ہیرا آڑا تھی۔
"جلدی کرو اریب۔" اب کی بار اس نے ٹوک دیا۔

"تم بس کھڑے حکم چلا سکتے ہو کہاں بنائے آتے ہیں مجھے ہال، گھر میں اماں بنایا کرتی تھیں اور شادی کے بعد بھابھی؟ دو دن سے یونی لپٹ کر رکھے تھے اب سلجھے تو بھلا کیونکہ....." تیز لہجے میں بولتی وہ آخر میں رو ہنسی ہو گئی تھی ہال تھے۔ مصیبت پھرتے بھی کھنگھریا لے، وہ ہنسنے لگی اپنی مسکراہٹ چھپاتا قریب چلا آیا۔

"اچھا میں کوشش کرتا ہوں۔" خلاف توقع وہ خاموشی سے اچھے بچوں کی طرح اس کے آگے اسٹول پر بیٹھ گئی زبان نے پوروں سے پہلے اس کی انجینیں سلجھائی تھیں اریب کو عجیب سا لگس اپنی گردن اور شانوں پر محسوس ہو رہا تھا، ذرا سی گردن موڑی، وہ قریب تھا اتنے قریب اس کا دل دھک سے رہ گیا زبان کا انداز بدل گیا تھا، چند لمحوں کی قربت اسے مدہوش کر گئی تھی۔

"اچھے میزبان ہو تم، ہمیں بلا کر خود غائب۔" وہ سب ایک ساتھ اندر آئے تھے ماحول پہ چھایا نسوں ٹوٹ گیا، زبان نے مسکراتے ہوئے سب کا تعارف کروایا۔

ماریا، کاشف، عرفان اور زوہیب؟ وہ سب کلاس فیلو تھے وہ چکے تھے ماریا اور کاشف کی پچھلے سال شادی ہوئی تھی، ماریا کو کاشف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی شکایت رہتی تھی آج بھی وہ اس کے لئے مجرے لانا بھول گیا تھا، جس پر وہ خفا خفا سی تھی۔

"یار تم تو جانتی ہو میری آج ٹائیٹ ڈیوٹی تھی کتنی مشکل سے اپنی ڈیوٹی ڈاکٹر وحسی کو سونپ

اڈھ لینا چاہتی تھی۔" وہ خوش تھی بہت خوش۔
گھر میں قدم رکھتے ہی اس کا پہلا سامنا زبان سے ہوا تھا، وہ ڈائینک ہال میں بیٹھا اس کا منتظر تھا۔

"کب سے تمہارا ویٹ کر رہا ہوں کہاں گئی تھی؟" اس کا انداز تفتیشی نہیں تھا مگر وہ خائف ہو گئی تھی وہ زبان سے خائف ہو گئی تھی بھلا کیوں۔

"میں تھی مال روڈ پر۔" اسے لگا وہ جیسے کوئی چوری کرتے ہوئے پکڑی گئی ہے۔
"اچھا آؤ کھانا کھا لو تمہاری نیورٹ لاش ہے۔" وہ محبت سے بولا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے میز میوں کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

"اریب میرا ساتھ دینے کی خاطر ہی رک جاؤ۔" زبان نے بکا مگر وہ اس کا ساتھ دینے کی خاطر نہیں رک سکتی تھی اسے زبان کا ساتھ قبول ہی نہیں تھا۔

☆☆☆

"شام میں میرے کچھ دوست انٹر پرائز ہیں ایک تو شادی کی ٹریٹ اور دوسرا تم سے ملنے کی خواہش میں یہ دعوت اور میج کی سے میں نے۔" ناشتے کے دوران زبان نے اسے مطلع کیا تھا۔

"تو میں کیا کروں؟"

"تم بس ان کے سامنے اپنے منہ کے زاویے سیدھے رکھنا۔" وہ چپ کر رہ گیا اس کی بے نیازی پر۔

"کوشش کرو گی۔" اس نے شانے اچکائے۔
"مگد، کوشش ہی منزل کی پہلی سیڑھی ہے۔"

وہ متاثر ہوا اور اریب بد مزہ۔

کچھ ڈشز اس نے ہوٹل سے منگوائی تھیں باقی ان میں باریبی کیو کا پروگرام تھا پنک شنون کی

ماہنامہ دنیا (123) اگست 2014

”تمہیں کوئی شک ہے۔“ زوہیب ڈھٹائی

سے ہنسا۔

گھٹاڑ کی مدھم مدھن پر وہ دھیرے دھیرے
مگھٹانے لگا تھا۔

محبت تم بھی کرتی ہو

محبت میں بھی کرتا ہوں

مگر بس فرق اتنا ہے

کہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں

کہ اپنے آپ کو بھی بھول بیٹھا ہوں

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور ایسی ہے

کہ میری پاپاتوں میں کوئی اور بھی نہیں شامل

تمہارے واسطے بس تمہارے واسطے

ایسی محبت ایسا چاہت ہے

اور اس چاہت میں کچھ اتنا جنوں

کچھ ایسی شدت ہے

کہ میری ذات بھی مجھ سے منہا ہو گئی ہے

جیسے کہ اپنی ذات کی خاطر بھی

میں نے کچھ نہیں چھوڑا

مجھے تم سے فقط تم سے محبت ہے

اور اس میں ایسا شدت ہے

کہ میری دھڑکنیں ہر لمحہ کہتی ہیں

مجھے تم سے محبت ہے

محبت تم بھی کرتی ہو

مگر بس فرق اتنا ہے

تمہیں تو صرف اپنے آپ سے ایسا محبت ہے

تمہیں تو صرف اپنی ذات سے اتنی محبت ہے

ذرا فرصت نہیں ملتی تمہیں

میری محبت میری چاہت

میری شدت کی طرف

بس اک نظر بھی ڈال لینے کی

سو میری جان

کر آیا ہوں کہ غلت میں کچھ یاد ہی نہیں رہا۔“ وہ
اسے منانے کو بولا۔

”دیکھنا، ایک دن یہ غلت میں تمہیں بھی

بھول جائے گا۔“ زوہیب نے مزید اس کے طعنے

کو ہوا دی تھی کاشف نے اٹھ کر اس کی گردن

دبوٹائی۔

”ایک بار تیری شادی تو ہو جانے دے

تیرے کارناموں کی فہرست تو بمبھٹوت بھابھی کو

روٹمائی میں پیش کروں گا۔“

”کوئی بچائے۔“ وہ نیچے سے دہائیاں

دے رہا تھا، عرفان اور زیان نے بچ بھاؤ کر دیا۔

دیکھتے اداؤ کے گرد بیٹھے وہ سب خوش گپیوں

میں مشغول تھے بارہلی کیو کا پروگرام شروع پر تھا۔

”یار جلدی کر دو تمہارے اندر کے چکر میں

آج میں نیچ میں گول کر چکا ہوں۔“ عرفان

بھوک کا کچا تھا لوگ دن میں تین بار کھاتے تھے

وہ چھ بار کھاتا تھا۔

”میرے بھائی تم نے یہ فاقہ کیا کاٹا

تمہارا پیٹ تو زوہیب کی سیل بیلا

ہمیشہ خالی ہی رہتا ہے۔“ کاشف کے برہنہ

جتنائی، اریب ان کی ٹوک بھونک کو اٹھائے کر

دی گئی، عرفان نے اٹھ کر گٹارا اٹھالیا۔

”زیان کوئی رنگ ہی بھاؤ تو مزہ نہیں آ

رہا۔“

”ہاں اس کا وقت کٹ جائے گا۔“ کاشف

نے پھر مذاق اڑایا، زیان کی نظر میں اریب یہ جی

تھی اور اب سب اصرار کرنے لگے تھے بمشکل وہ

ایک نظم پر مان گیا تھا۔

وہ سب اس کی شاعری کے دیوانے تھے پھر

آواز بھی اچھی تھی تو اکثر وہ گھیر گھار کر گیت نکلیں

اور غزلیں سنا کرتے تھے بھی تو وہ اکٹا کر کہتا۔

”میں کیا تم لوگوں کا ریڈیو ہوں۔“

محبت تم بھی کرتی ہو

مگر بس فرق اتنا ہے

اریب سمیت سب اس کی آواز کے سحر میں
گم ہو چکے تھے۔

☆☆☆

”کہاں تھی تم پچھلے دو روز سے مال روڈ
کے چکر کاٹ رہا ہوں۔“ وہ خفا خفا سا اس کے
سامنے کھڑا تھا۔

”کیوں؟“ عجیب سوال تھا شہر و کھڑا اسے
دیکھتا رہا۔

”کیوں تم میرے لئے دو دن سے خوار ہو
رہے ہو کیا لگتی ہوں میں تمہاری کیا تعلق ہے مجھ
سے۔“ وہ اپنا سوال وہ ہر ارے لگی، شہر و نے اس
کے دونوں بازو تھام لئے، پاس سے گزرتے من
چلنے زور سے سیٹی بھائی تھی۔

”آئی لو پو۔“ اس نے کہہ دیا وہ اس کے
ہاتھ جھٹک کر گھر چلی آئی راستے میں بارش ہو گئی
تھی اس کا لباس بھیگ گیا، کمرے میں زبان تھا۔
”تم؟“ وہ دم بخود رہ گئی۔

”میں ایک قائل بھول گیا تھا وہی لینے آیا
ہوں۔“ کہہ کر وہ اس کے بے حد قریب آن کھڑا
ہوا تھا اریب بے ساختہ ایک قدم پیچھے ہٹی تھی
زبان نے اس کی کھائی تھام لی۔

”تم شاید بارش کی وجہ سے ر کے تھے وہ تم
جکی ہے۔“ ہکلاتے ہوئے اس نے کھڑکی سے
باہر جھانکا زبان کی نظریں ہنوز اس کے سراپے
سے الجھ رہی تھی جو بھیگ کر اور بھی دلشین ہو گیا
تھا۔

”اریب تم مجھ پہ اتنا ستم کیوں کر رہی ہو
بہت محبت کرتا ہوں تم سے دل کی اتنا گہرائیوں
سے میں نے تمہیں چاہا ہے تم میری چاہتوں کی
انتہا ہو میرے پاس ہو کر بھی تم میلوں دور کھڑکی

ہو تمہیں اتنے پاس دیکھتا ہوں تو میرے لئے
تاصلے رکھنا مشکل ہو جاتا ہے میں اب تم سے دور
نہیں رہ سکتا۔“ اریب کی دھڑکنیں منتشر ہوتی جا
رہی تھیں، کیا دونوں کو آج ہی اظہار کرنا تھا۔

”چھوڑ دیجئے۔“ وہ ایک جھٹکے سے اپنی کھائی
چھڑوا کر دور چلی گئی۔

”تم زبردستی مجھے حاصل نہیں کر سکتے۔“
”زبردستی میں تمہیں حاصل کر سکتا ہوں
راہی، مگر کیا تمہیں اب بھی لگتا ہے کہ میں تمہیں
زبردستی اپنا چاہتا ہوں۔“ وہ ایک پر شکوہ سی نگاہ
اس پر ڈالتا باہر نکل گیا۔

”میرے خدا۔“ اس نے اپنا سر تھام لیا
تھا۔

☆☆☆

صبح سے اس کے کئی میسج آچکے تھے۔
”گڈ مرننگ۔“

”اب اٹھ بھی جاؤ۔“

”کوئی تمہارا انتظار ہے۔“

”بس مجھے ابھی کہ ابھی نظر آؤ میں آتی
خوبصورت صبح کو تمہارے ساتھ دیکھنا چاہتا
ہوں۔“ اور کچھ ہی دیر میں اس کے سامنے تھی۔
”تم اب سے پہلے کہاں تھی اریب۔“ وہ
پیار کی اونچی ڈھلوان پر بیٹھی تھی اور وہ اس کے
قدموں میں بیٹھا اس کا ہاتھ تھامے پوچھ رہا تھا۔
”ستاروں میں۔“ وہ کھٹکھٹاتی۔

”اب سوچتا ہوں کیسے تمہارے بغیر برسوں
سے جی رہا تھا اب تو تمہارے بغیر ایک ہل نہیں
گزر رہا دل چاہتا ہے بس ہر ہل ہر لمحہ تم ساتھ
رہوں۔“

”اچھا۔“ وہ یکدم اداس ہو گئی کیا وہ اسے بتا
دے کہ وہ شادی شدہ ہے اس نے سوچا ضرور مگر
زبان ساتھ نہ دے سکتی۔

ماہنامہ سنا (125) اگست 2014

"ہاتھ دکھاؤ۔"

"کیوں؟"

"دکھاؤ تو سہی۔" وہ بعد تھا، اریب نے

دایاں ہاتھ بڑھا دیا۔

شیراز نے اپنے ہاتھوں سے اس کی کلائی پر ایک خوبصورت سا وامیٹ گولڈ کا بریٹ سجا دیا تھا جس کے پھولوں میں میرے دمک رہے تھے۔

"ہماری محبت کا پہلا تھ۔"

"یہ تو بہت مہنگے میں نہیں لے سکتی۔"

"محبت سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا اسے ہمیشہ

اپنے پاس رکھنا۔" وہ گھر آئی تو روشنی اور اجالا کالج کے باہر نہ پھلائے تھے۔

"کہاں تھی تم، چانتی ہو دو گھنٹے سے یہاں بیٹھے سوکھ رہے ہیں۔"

"اچھا اندر تو آؤ۔" دونوں سے مل کر وہ دروازہ کھولنے لگی تھی۔

☆☆☆☆

آج اس کا کس کام میں دل نہیں لگ رہا تھا لاہور سے کل آئی تھی امی، آپا اور بھابھی کا ہر پار ایک ہی سوال ہوتا تھا۔

"بے کوئی خوشخبری۔" اسے خود بھی بچے کتنے پسند تھے، مگر اریب کا رویہ وہ تو سیدھے منہ بات کرنے کی بھی روادار نہیں تھی۔

"بس بس بات مت کر، مجھ سے روز کے بھانے۔" ڈاکٹر ماریہ ہا آواز بولتے ہوئے اندر آئی تو اس کی ابھی بھری منتر سوچوں کا تسلسل ٹوٹ۔

"ماریہ میری بات تو سنو۔" پیچھے پیچھے ڈاکٹر کاشف تھا اس کو مناتا ہوا۔

"مجھے تمہاری کوئی وضاحت بھری بکو اس نہیں سننی۔" وہ تڑخ کر کہتے ہوئے اپنی سیٹ سنہال چکی تھی، کاشف نے مدد طلب نظروں

سے اسے دیکھا۔

"کیا ہوا ماریہ؟" زبان کو مداخلت کرنا پڑی۔

"اب تم ہی بتاؤ یہ جھوٹا عکار، فریبی شخص معافی کے قائل ہے کہ نہیں۔"

"حدادب لڑکی شوہر ہوں تمہارا۔"

"پتہ تو چلے ہوا کیا ہے۔" عرفان نے کاشف کے کندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے استفسار کیا وہ ابھی ان کے پیچھے ہی آیا تھا۔

"تم تو خاموش رہو، ہماری ٹاک کے نیچے عشق لڑایا اس ڈاکٹر احسان رضا کی تک چڑھی بیٹی کے ساتھ اور اب آئے ہیں منگنی کا دعوت نامہ لے کر۔" توپوں کا رخ عرفان کی سمت مڑ چکا تھا۔

"اب کوئی الف الیٰ تو تھی نہیں جو۔"

"الیٰ مجھوں کہو کھے لڑکے سب خبر ہے

مجھے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی اب کی بار عرفان کان کھانے لگا، زبان کو لمبی آگئی۔

"اس کو چھوڑو اپنی بتاؤ۔"

"کل رات مجھے فون کیا تیار رہنا لڑ رہا ہوں کریں گے میں گیارہ بجے تک انتظار کرتی رہی موصوف ہارہ بجے تشریف لائے اور آتے ہی "میں بہت تھک گیا ہوں" کہہ کر جاسوئے اتنا خراب موڈ تھا میرا اور اس نے منایا بھی نہیں۔"

"ہاں تو رات کے اس وقت تم سے بات کرنا بھیلروں کے چھتوں کو چھیننے کے مترادف تھا اور میں یہ دسک نہیں سے سکتا تھا۔"

کتنی محبت ہے دونوں میں زندگی سے بھرپور لوک جھونک، کبھی روکنا بھی منانا پسینہ، اس نے رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا۔ کاشف نے اس کے بالوں سے کچر اتار دیا تھا جس پر وہ ہاتھ میں کچڑی قائل اسے مار رہی

ماہنامہ منا (126) اگست 2014

”کیوں تمہیں میرا یہ سب کرنا اچھا نہیں لگ رہا۔“

”مجھے تو روحانی خوشی ہو رہی ہے تمہیں یہ سب کرتے دیکھ کر، پتہ ہے زبان بھائی اس نے کالج جانا ہوتا تھا اور پریڈ پورے گھر میں ہماری لگوا دیا کرتی تھی، اجالا میرے کپڑے استری کر دیا، امی میرے بال بنا دیا، روشنی میرا شیشہ لاؤ، ابو اب جلدی اٹھ جائیں مجھے دم ہو جائے گی۔“ روشنی باقاعدہ اس کی تقلید کرتی رہی تھی۔

اریب نے چور نظروں سے زبان کو دیکھا وہ ان کی باتوں پر محض مسکرا رہا تھا، وہ مطمئن سی ہو کر کھالے سے انصاف کرنے لگی، ورنہ خدشہ تھا زبان کوئی شکایت نہ کر دے۔

”مگر سچ پوچھو نا اریب تو ساری روٹی تمہارے ہی دم سے تھی، تم ہر وقت کسی نہ کسی بات برای کامیٹر گھمائے رکھتی تھی اب تو وہ کسی کو ڈانٹتی بھی نہیں اور لبا بھی تمہیں بہت یاد کرتے ہیں۔“ اجالا نے بڑی محبت سے اسے دیکھا تھا اسے بھی ابا بہت یاد آتے تھے۔

☆☆☆

آج اس کا آف تھا سو وہ ایک لمبی بھرپور نیند لے کر صبح گیارہ بجے کے قریب بیدار ہوا تھا کٹریوں سے پردے ہٹا کر باہر بھاٹکا تو موسم کی دقری عروج پر تھی مطلع آج صاف تھا ہلکے ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔

اس کی نظریں آسمان سے بھٹکتی ہوئیں لان میں کٹری اریب سے جاکر انہیں پہاڑ، دادیاں، جبر نے، پھول، جھیلیں وہ سب سے زیادہ خوبصورت تھی آج اس نے پہلی بار ڈیپ فیروزی رنگ پہنا تھا جس میں اس کی دودھیا شفاف رنگت سونے کی مانند دک رہی تھی، لمبے لمبے بالوں سے بوند بوند پرستا ساون

تھی۔

”میں تو کہتا ہوں ماریہ اب کبھی اس سے بات مت کرنا قدر ہی نہیں ہے اسے تمہاری ذرا جو احساس ذمہ داری نام کی چیز ہو چانگی ہو رات دس بجے میں نے اسے کسی لڑکی کے ساتھ ڈنر کرتے ہوئے کیفے میں دیکھا تھا مجھے تو لگا تھا کہ تم ہو مگر۔۔۔۔۔“

یہ کیسے ممکن تھا دونوں کی جنگ میں زویب اپنا حصہ ڈالنے سے محروم رہ جائے ماریہ آنکھیں پھیلانے اسے سن رہی تھی۔

”زویب کے بچے۔“ کاشف کا کرشل کا گلہ ان اٹھاپا ہی تھا کہ وہ اٹھ کر بھاگ گیا، ڈاکٹر عرفان کو ایمر جنسی کیس آگیا تھا، جبکہ کاشف اور ماریہ کی ٹوک تھوٹک ابھی بھی جاری تھی، زبان کا دل مزید اداس ہو گیا۔

☆☆☆

”السلام علیکم ا“ گھر میں اجالا اور روشنی آگئی ہوئی تھیں، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے با آواز بلند سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام!“ دونوں استراٹھا کٹری ہوئیں۔

”اور سناؤ کیا حال ہے؟“ وہ وہیں ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا، اریب انہیں باتوں میں مشغول چھوڑ کر کچن میں چلی آئی تھی۔

کھانا بنانے اور میز پر لگانے کے بعد اس نے دونوں کو پکارا تھا۔

”اٹھ جاؤ بھئی وہ دوسری بار آواز دینے کی بجائے کھانا اٹھا دے گی۔“ اجالا نے اٹھتے ہوئے روشنی اور زبان سے کہا تو دونوں فوراً اٹھ گئے۔

”اللہ، اریب آج تم ہماری میزبان ہو یقین نہیں آ رہا۔“ روشنی نے اسے چھیڑا تھا وہ مسکرا دی۔

ماہنامہ سنا (127) اگست 2014

گھاس کی لڑیوں میں جیسے موتی ٹانگ رہا تھا۔

تم جو رنگ پہنو

وہ موسم کا رنگ

تم حسین پھول کو دیکھو

وہ بھی نہ مر جائے

تم جس لفظ پہ ہاتھ رکھ دو

اور روشن ہو جائے

تم ایک بار مجھے ہنس کر پکارو

میری زندگی میں سحر ہو جائے

وہ مہبوت سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"ٹائٹھ گئے آپ۔" اس کے ساتھ اچالا

کھڑی تھی۔

"صبح سے آپ کا ہی انتظار تھا جلدی سے

تیار ہو جائے اور ہمیں اپنا شہر دکھائیں۔" اور

زبان فوراً گاڑی نکال لیا تھا، مگر عین وقت پہ

ارباب نے انکار کر دیا۔

"ہیں کیوں بھئی۔" بس پوچھتے ہی روتے

گئے۔

"سر میں درد ہے۔" وہ بہانہ بنا کر لیٹ گئی

اسے غصہ تھا کہیں شہر نہ مل جائے۔

"کہاں ہو تم؟" اور کچھ دیر بعد اس کا پیچ

چٹا آیا۔

"میں آن نہیں آ سکتی میری طبیعت ٹھیک

نہیں ہے۔"

"کیوں کیا ہوا؟"

"نہیں پتہ ہو رہا ہے۔"

"اچھا مجھے اپنے کالج کا پتہ بتاؤ میں آ رہا

ہوں۔" اس کے استفسار پہ وہ اچھل کر رہ گئی۔

"نہیں نہیں تم یہاں مت آنا میرے ساتھ

اور بھی لڑکیاں رہتی ہیں۔"

"تو کیا ہوا؟" وہ برا مان گیا تھا۔

"نہیں تم نہیں آؤ گے۔" وہ قطعیت

سے بولی۔

"اچھا دو روز بعد میرا ہر تھ ڈے تب میں

کوئی بہانہ نہ سنتوں۔"

"دو روز بعد۔" اس نے دل میں سوچا تب

تک تو اچالا اور روشنی جا چکی ہوگی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" اس نے کہہ کر تون رکھ

دیا اور پھر بیٹھ کر ان پیسوں کا جوڑ توڑ کرنے لگی جو

زبان ہر مہینے اسے دیا کرتا تھا۔

"ارباب یہ بڑے سلیٹ کس کا ہے۔" میز پہ

برتن سیٹ کرتے ہوئے اچالا نے زبان کی نگاہ

اس کی کلائی سے ٹکرائی تھی اور وہ ہیروں کا چمکتا

دھماکہ سلیٹ دیکھ کر ٹھک گیا تھا۔

"میرا ہے۔" وہ یکدم گھبرا گئی تھی۔

"واہ واہ۔" وہ مزید حیران ہوا۔

"نہیں یہ تو اسلیٹو ہے۔" خود کو لا پرواہ

ظاہر کرتے ہوئے وہ اب پلیٹ میں سالن نکال

رہی تھی۔

"گنا تو نہیں۔" زبان کا دھیان ہنوز

بڑے سلیٹ میں اٹکا ہوا تھا۔

دو روز بعد اس نے مال روڈ سے شہر روڑ کے

لئے ایک شرٹ اور ایک ڈاکا پر لیوم خریدا تھا اور

اب اس کے ساتھ اس کی گاڑی میں سو جودگی۔

"پورے تین دن بعد کہیں جا کر اپنی جھک

دکھائی ہے۔" وہ واقعی اسے دیکھتے ہوئے کہہ

رہا تھا، ارباب کی نظریں جھک گئیں۔

جانے کیسے عجیب سا احساس تھا شہر روڑ کی

آنکھوں میں جیسے دل میں کہیں پنکیاں لپٹا ہوا

دھماکہ ہوا یا پھر یہ ہادر کروانا ہو کہ کہاں کس کی

گاڑی میں بیٹھ گئی ہو اور پھر خالی لاؤنج دیکھ کر وہ

شاکہ رہ گئی تھی۔

"ہائی سب مہمان کہاں ہیں؟"

"میں اپنی ہر تھ ڈے صرف تمہارے ساتھ

انجوائے کرنا چاہتا ہوں۔" شہروز نے اسے شانوں سے تھام لیا تھا وہ گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔

"کیا ہوا ڈر کیوں رہی ہو۔"

"میں کیوں ڈروں گی۔" دل و دماغ میں جیسے کوئی سائرن سا بجتے لگا تھا اس نے خود کو بہادر ثابت کرنے کے لئے اس کی آنکھوں میں بھانکتے ہوئے استخسار کیا۔

"ہاں وہی تو میں کوئی ڈر نکولا تھوڑی ہوں۔" وہ خواہ مخواہ میں ہنسا۔

"مجھے یہاں کا ماحول اچھا نہیں لگ رہا کہیں اور چلتے ہیں۔" اس نے کہہ کر دروازے کی سمت قدم بڑھا دیئے تھے شہروز نے اچک کر اس کی کھائی تھام لی۔

"جلی جانا ابھی اتنی جلدی بھی کیا ہے۔" وہ اس کے مزید قریب ہوا تھا اریب نے جھٹکے سے اپنی کلائی پھروانا پائی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم اتنے نخرے کیوں دکھا رہی ہو یہی تو ہوتا ہے پیار، اس کے لئے تو تم میرے قریب آئی تھیں۔ میری قربت کی کشش نے ہی تو تمہیں میری جانب متوجہ کیا تھا پھر اب کیا پر اہم ہے۔"

"شہروز۔" وہ محض اتنا ہی بول پائی تھی۔ "یار شاہوی تو ہمیں کرنی ہی ہے تو پھر۔۔۔"

اگلے ہی لمحے اریب نے ایک زمانے دار تھپنر اسے رسید کیا تھا۔ "گھٹیا انسان۔" ساتھ ہی قریب پڑا کرشل کا گھد ان بھی وہ اسے مار چکی تھی، شہروز کے ہاتھ سے اس کی کلائی چھوٹ گئی اور یہی ایک لمحہ اس کے فرار کا سبب بن گیا تھا۔

لیکن اسے راستے سمجھ میں نہیں آرہے تھے، ہلہ بازی میں بھاگتے دوڑتے وہ بہت دور نکل

آئی تھی جانے یہ کون سا علاقہ تھا، سانپ کی مانند بل کھاتے راستے، سنسان سڑکیں، پہاڑ، گھاٹیاں، اس پر اندھ میرے قدم بہ قدم اجالوں کو لگتے چارے تھے شام سے رات ہونے والی تھی، وہ جب تھک گئی تو وہیں ایک درخت کے سائے میں بیٹھ کر روئے لگی۔

"زیان مجھے لے جاؤ واپس۔" آخری بار وہی شخص یاد آیا تھا اور پھر وہ ہوش و خرد سے پرگانہ ہو کر گر گئی تھی۔

☆☆☆

"اریب اٹھو۔" عالم غنودگی میں اسے احساس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی اس پر جھکا اسے پکار رہا ہو، چند لمحوں میں اس کا ذہن بیدار ہوا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"شکر ہے تمہیں ہوش آ گیا۔" سامنے زبان تھا۔

"بخار ابھی باقی ہے۔" قرما میٹر اس کے منہ میں ڈالنے کے بعد اب وہ اسے چیک کر رہا تھا۔

"یہی تو ہے پیار جس کے لئے تم میرے قریب آئی تھیں۔" لنگھوں کی بازگشت پورے وجود پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہی تھی وہ بے کل سی ہو کر اٹھ بیٹھی۔

"تو مس اریب یہ تھا تمہارا آئیڈیل۔" کوئی اس پر زور سے ہنسا تھا اریب نے ہاتھ کانوں پر رکھ لئے اور زور سے آنکھیں میچ لی۔

"اب جلدی سے یہ سوپ بڑ پھر۔۔۔" زبردست قسم کا ناشتہ بھی کراؤں گا۔" زبان نے گرم گرم سوپ اس کی جانب بڑھا یا تو وہ اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی کتنی شرافت و پاکیزگی اور عاجزہ جھلکتی تھی ان میں، اس نے وحشت ڈنڈہ سا ہو کر پیس جھٹکیں دل کی دنیا میں ایک عالم برپا

موزی۔
وہ کمر کی دہلیز پر بیٹھا اسی کا منتظر تھا آج
سے قبل وہ انجلیٹ کبھی نہیں ہوئی تھی۔

اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ آج اس کا بالکل
لیٹا نہیں کرے گا وہ اس کی دی ہوئی آزادی کا
کچھ زیادہ ہی ناچانز فائدہ اٹھا رہی تھی لیکن اسے
کاشف اور ماریہ کے ساتھ یوں ہوش و خرد سے
پیچھے دیکھ کر وہ اپنا سارا غصہ بھول گیا تھا وہ بخار
میں پھنک رہی تھی اور وہ رات بھر اس کی پٹی سے
لگ کر بیٹھا رہا تھا۔

لیکن اربب کی پائل پیچکنے والی حرکت نے
جیسے اسے کنگ سا کر دیا تھا اور اب تو اسے یقین
ہو چکا تھا کہ وہ اس کے ساتھ بالکل بھی خوش نہیں
ہے اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ اسے آزاد کر دے
گا۔

☆ ☆ ☆
ڈھلتے سورج کی لالیاں شفق میں کھلی
رو پہلے سنہری دن کو خیر آباد کہہ رہی تھی وہ کمر کی
سے سرٹکائے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹنے
پرندوں کی قطاریں دیکھنے لگی۔

”مجھے بھی اب لوٹنا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو
کہ بہت اندھیرا ہو جائے اور اس اندھیری رات
کی سیاحی میرے وجود کو چھوٹے پھر اس کا لگ
کے ساتھ بھلا کون مجھے قبول کرے گا کمر میں اس
سے کیا کہوں۔“ وہ بے بسی سے اسٹڈی کے بند
دروازے کو دیکھنے لگی اس کے دل کے تمام تر
دروازے کھول کر اب خود دروازہ بند کیے بیٹھا
تھا۔

اس کا جی چاہا وہ دھک پھانے بنائے اور
زیان کے ساتھ اس کمر کی میں کھڑے ہو کر وہ
ساری باتیں سنے جو وہ اسے سنانا چاہتا تھا۔
کچھ سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور دروازہ

کھول کر اندر چلی آئی، وہ کسی بک کے مطالعے
میں محو تھا۔

”کچھ چاہیے۔“ اس نے کتاب کا صفحہ موز
کر ایک جانب رکھ دی اور کھل طور پر اس کی
جانب حوجہ ہو گیا۔

”میرا دل نہیں لگ رہا کہیں باہر چلیں۔“
”پہلے تو اکیلے ہی جاتی تھی۔“ وہ نہ چاہتے
ہوئے بھی جتا گیا۔

”ہاں مگر اکیلے مجھے راستہ بھول جاتا ہے اور
میں اب بھٹکتا نہیں چاہتی۔“ اور وہ اٹھ ہی گیا۔

”باہر بہت سردی ہے کوئی شال اوڑھ لو۔“
ریڈ کلر کے سوٹ میں وہ زیان کو اچھی کیوٹ لگی تھی
کہ اس کا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس رہنمی لباس اور
شنون کے ہار یک دوپٹے میں اس کے سوا کوئی
اور اسے دیکھے، اربب نے خاموشی کے ساتھ اسکی
بات مان لی تھی، وہ حیران تو ہوا تھا مگر خوش فہم
نہیں۔

راستہ بھر دونوں کے مابین خاموشی کا طویل
وقت حائل رہا تھا جسے سنگل پہ کھڑے اس معصوم
بچے نے توڑا۔

”صاحب امیڈم کے لئے پھول لے لو۔“
اس کے ہاتھوں میں تازہ کھلے ہوئے موشے کے
گہرے تھے کچھ ادھ کھلے گلابوں کی کلیاں تھیں،
زیان ہم سا مسکرا دیا۔

”چھوڑو یا تمہاری میم صاحب کو پھول
پسند نہیں ہیں۔“

”پسند گزرتے وقت کے ساتھ بدل بھی تو
جاتی ہے۔“ وہ اسے ٹوکتے ہوئے بولی تو زیان
نے سارے پھول خرید کر اس کا دامن بھر دیا تھا۔

اربب کو لگا وہ دن دور نہیں جب ان کی
خوشبو سے زندگی کا ہر پل صبحے گا اور ساری
آرزوئیں کھر جائیں گی۔

ماہنامہ حنا (131) اگست 2014

کے ایف سی کے شاندار ماحول میں وہ مینو کارڈ ہاتھوں میں لئے بسٹ پہ نظر دوڑا رہی تھی۔ جب "السلام علیکم ڈاکٹر صاحب!" کی آواز اس کے کہیں بہت قریب سے ابھری نظریں اٹھا کر دیکھا تو اپنی جگہ پتھر کی ہو کر رہ گئی، وہ زبان سے مصافحہ کرتا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔
 "یہ آپ کی....."

"میری مسز ہیں۔" زبان کو نہ چاہتے بھی تعارف کروانا پڑا اریب کی رحمت ملی میں ہلدی کی مانند زرد ہو چکی تھی وہ دو چار باتیں کرنے کے بعد چلا گیا لیکن دھیان اریب میں ہی اٹکا رہا تھا۔

"کون تھا یہ۔" اسے اپنی ہی آواز اجنبی سی لگی۔

"اس علاقے کے جاگیردار خان ولی احمد کا اکلوتا عیاش رئیس زادہ ہے اور کیا سنگڑاؤں۔" وہ شاید کچھ اور بھی کہنے والا تھا جب اریب نے ٹوک دیا۔

"گھر چلیں۔" اور وہ مردانگی سے اسے دیکھتا اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

اگلی صبح وہ اٹھا تو سب کام ریڈی تھا استری شدہ کپڑے، پالش جوڑے اور ناشتہ تیار یہاں سے وہاں گھومتی وہ تمام کام جلدی جلدی تمنا رہی تھی وہ کسی خواب میں گھرنا نہیں چاہتا تھا مگر اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا بہت اچھا۔

پراٹھا کچھ کچا پکا سا تھا آلیٹ ٹھیک ہاں چائے ابھی تھی وہ منہ کے زادیے بگاڑے بغیر کھا کر چلا گیا۔

اور وہ کتنی ہی دیر بیٹھی اس کی سعادت مندی پر ہنستی رہی برتن اور مٹائی سے فراغت کے بعد وہ لاؤنج کی ڈسٹنگ کر رہی تھی جب فون کی بیل

نے اس کی توجہ کھینچی۔

"ہیلو۔" اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا اور دوسری جانب کی آواز سن کر اس کے ہاتھ سے کرسٹل کا گلدان گر گیا۔

"کیسی ہیں مسز زبان ملک۔" وہ ریسیور کریڈل پہ رکھ کر وہیں صوفے پر ڈھیر ہو گئی دل معمول سے ہٹ کر دھڑکنے لگا تھا۔

کل رات بھی اس کے بیل فون میں کال آئی تھی اس نے سم نکال کر سو بائل لاکر میں رکھ دیا تھا۔

اور اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح فون کی بیل بھر سے بچنے لگی تھی اور پھر وہ وقتے وقتے سے سارا دن بچتا ہی رہا آج اسے اپنی حماقت کا احساس ہو رہا تھا، آنے والے لمحوں میں چپے طوفان کی آٹھیں اس کا دل ہولا رہی تھی اب جانے کیا کچھ بکھرنے والا تھا۔

☆☆☆

"کیا چاہتے ہو تم آخر مجھ سے۔" تین روز سے یہ لمبی چوہے کا کھیل جاری تھا کبھی آنسرنگ پر پیغامات آرہے تھے تو کبھی دن بھر فون کرنا رہتا وہ تنگ آ کر ہیڈ فون دیتی پھر زبان کا مسئلہ ہوتا کہ اگر اس نے گھرنون کر دیا تو اپنی اس حرکت کا کیا جواز دے گی۔

اب بھی وہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی اور مسلسل پنکھا ڈتی اس بیل نے اس کا خون کھول دیا تھا۔

"میں تو بس تمہیں چاہتا ہوں۔" دوسری جانب اس کی بے بسی کا مزہ لیتے ہوئے وہ خوب والہانہ انداز میں بولا تھا۔

"بغور کرو کجواس۔" وہ درشتی سے چلائی۔
 "کبھی تو اس کجواس کے لئے دوڑی چلی آتی تھی۔" اس کا طریقہ چبھتا ہوا سا لہجہ اریب

ماہنامہ حنا (132) اگست 2014

نے دانت پیٹے ہوئے آنسو ضبط کرنے کی کوشش کی۔

"تم جیسے آوارہ راہ چلتے پر اعتماد کرنے کی سزا بھگت رہی ہوں۔"

"سزا تو ابھی باقی ہے میری جان۔"

"دیکھو میرا بچا چھوڑ دو۔"

"چھوڑ دوں گا مگر اک شرط ہے۔"

"مجھے تمہاری کس شرط سے غرض نہیں۔"

"چلو اور اچھوڑا چھوڑ گئی ہو پس اسے ملل کر

دو۔" اس کی لیٹھاڑ، ادیب سر تا پاس تک اٹھی۔

"میں کیا تمہیں راستے میں پڑی نظر آتی

ہوں۔"

"تمہیں راستے میں لانا میرے لئے مشکل

بھی نہیں ہے۔" وہ اس کی بات کاٹ کر خباثت

سے مسکرایا۔

"تم مجھے بلک میل کر رہے ہو۔"

"نہیں میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ تمہارے

پاس انکار کی گنجائش نہیں ہے اب بتاؤ کب آؤ گی

یا پھر میں آ جاؤں ڈاکٹر صاحب تو آج گھر آنے

والے نہیں ہیں۔" اور ادیب کا سانس گویا اندر ہی

کبھی رک گیا وہ اتنا باخبر تھا کہ۔

اس نے بھاگ کر ساری کمڑیاں،

دروازے بند کیے اسی وقت لایٹ چلی گئی تھی وہ

سکڑ سمٹ کر لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھ گئی، کئی بار

زبان کا نمبر ڈرائی کیا۔

پھر یاد اپنی مخصوص ٹون میں آپریٹ اپنا پیغام

سنانے لگی تھی۔

"اف میرے خدا۔" اس نے سر تھام لیا۔

فون پھر سے بجنے لگا تھا اس نے لیڈ نکال

کر پھینک دی، کچھ ہی لمحوں بعد، دروازے پر

بڑی زور کی دھمک ہوئی تھی اس نے سر اسید سا ہو

کر دونوں کانوں پہ ہاتھ رکھ لئے، دھمک لمحہ پہ لمحہ

بڑھتی گئی، پھر اس کے ساتھ اک صدا بھی بلند

ہوئی۔

"ادیب کہاں ہو تم۔" اس سے ہلا تک نہ

گیا۔

"راہی میں ہو زبان۔"

"زبان؟" اس کے لب دھیرے سے ہلے

وہ اٹھی اور بھاگ کر دروازہ کھول دیا وہ تاریخ

ہاتھ میں لئے کھڑا تھا۔

"کہاں تھی تم کب سے، دروازہ بجا۔"

دھیان اس کی متورم آنکھوں کو رجرجاتی پلکیوں

پہ پڑا تو ٹھک گیا۔

"کیا ہوا ہے؟"

"زبان وہ....." اس سے کچھ بولا ہی نہیں

گیا بے اختیار اس کے سینے سے جا لگی اور پھوٹ

پھوٹ کر رو پڑی۔

اس وقت لایٹ بھی آگئی تھی پورا لاؤنج

روشنیوں میں نہا گیا وہ اسے ساتھ لگائے لاؤنج

میں لے آیا صوفے پر بٹھا کر پہلے اس کے آنسو

صاف کیے اور پھر پانی کا گلاس بھر لایا۔

"اب بتاؤ کیا ہوا ہے؟"

"میں ڈر گئی تھی۔" اس نے اسے بھی خود کو

سنہالنے کا موقع مل گیا تو کسی حد تک سچ بتا دیا

زبان نے بمشکل اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"کاش یہ ڈر تمہیں میری موجودگی میں بھی

لگا کر رہے اسی بہانے پاس تو رہا کرو گی۔"

"زبان۔" وہ دہاکی ہوئی۔

"اچھا بھئی اپنے گھر میں ڈرتے نہیں

دروازہ لاک کر لو میں ایک فائل لینے آیا تھا شب

بکھر۔" ہر وقت اسے احساس ہوا کہ وہ لیٹ ہو رہا

ہے سو فوراً اٹھ گیا۔

"نہیں پلیز تم مجھے چھوڑ کر مت جاؤ۔" وہ

اس کے راستے میں حائل ہو چکی تھی۔

(اگست 2014) مابنامہ ص 2

"پہلے تو بڑی خوش ہوتی تھی میری خیر موجودگی سے، اب ایسی کیا آقاؤں پڑی ہے کہ اکیلے نہیں رہ سکتی۔" وہ زچ ہوا تھا اس کے ہل ہلے رگوں سے۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے بس۔"

"ضروری کیس ہے میں لیونٹس لے سکتا، چلو تمہیں ماریہ کے ہاں ڈراپ کروں ڈاکٹر کاشف بھی آج ہیٹ ڈیوٹی پر ہے تمہیں صبح واپس پک کر لوں گا۔"

☆☆☆

ماریہ کے گھر وہ آج پہلی بار آئی تھی وہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی ویسے بھی وہ عرا جاکانی باتونی اور خوش اخلاق لڑکی تھی۔

ارباب کا دل بہل سا گیا مگر فرار اس مسئلے کا حل نہیں تھا وہ کب تک خود گریوں دیکھ سکتی تھی۔ اس نے اپنا سیل فون چیک کیا رات سے اب تک کوئی فون یا ایس ایم ایس نہیں آیا تھا۔

شدید حیرت کے ساتھ ساتھ ایک اطمینان سا اس کے اندر اترتا یکدم اسے پرسکون سا کر گیا تھا اسی طرح دو دن گزر گئے اور پھر ایک ہفتہ، شہروز نے دوبارہ کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اسے لگا وہ اسے بھول چکا ہے، مگر یہ اس کی بھول تھی۔

ہلہ ہلہ ہلہ

"کھانا تو دھیان سے کھاؤ۔" زبان کب سے اسے دیکھ رہا تھا وہ بے دھیانی سے پلیٹ میں پیچ چلاتی جانے کن خیالوں میں گم تھی جن کا محور کم از کم وہ تو نہیں تھا بس سوچ کر وہ چ گیا۔

"ہاں..... اچھا۔" وہ چونک کر سیدھی ہوئی کھانے سے اس کا من اچاٹ سا ہو گیا، وال کڈک کی جانب نظر اٹھی تو وہ پھر میں شہروز سے ہونے والی ٹھیک یاد آ گئی۔

"گاڑی میں بیٹھو۔" وہ اسٹور سے کچھ ضروری اشیاء لے کر باہر نکلی تھی جب بلیک لینڈ کر ڈر کے باہر اس کے قریب آ کر چڑھائے اور اس کے لئے فرنٹ ڈور کھول کر وہ جس استحقاق بھرے انداز میں بولا تھا اس پر وہ اپنی جگہ کھول کر رہ گئی تھی، پھر لب کھلتے ہوئے قدرے رسوا سے بولی۔

"دیکھو میں مانتی ہوں میری غلطی ہے مجھے تم سے دوستی نہیں کرنی چاہیے تھی مجھے اپنے اس عمل پر افسوس ہے اب تم پلیز میرا بیٹھا چھوڑ دو۔"

"تمہارے افسوس کرنے سے اب کیا ہوتا ہے جو بھول تم کر چکی ہو اس کا غیازہ تو اب بھگتا ہی پڑے گا آج شام آٹھ بجے مال روڈ پہ تمہارا ایٹ کروں گا اگر تم سائی تو یاد رکھنا پھر میں آؤں گا۔" کہہ کر وہ زن سے گاڑی بھاگ لے گیا تھا۔ سات بج کر پچاس منٹ ہو چکے تھے وہ برتن اٹھا رہی تھی مگر اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور جسم بالکل ٹھنڈا پڑا ہوا تھا وہ برتن واپس میز پر رکھ کر بیٹھ گئی۔

بس چند لمبے اور پھر گویا کہ قیامت آنے والی تھی وہ بیٹھ کر دس منٹ گزرنے کا انتظار کرنے لگی، پھر زبان کو دیکھا وہ کوئی فائل کھولے بیٹھا تھا تک، تک کی آواز کے ساتھ وقت گزر رہا تھا اور پھر ہی مسافت بھی سمٹ ہی گئی، آٹھ بج کر پانچ منٹ پر ڈور بیل بج اٹھی تھی زبان اٹھ کر بیرونی دروازے کی جانب بڑھ چکا تھا وہ اٹھی اور زبان کے پیچھے ہی چلی آئی، زبان نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور اس کے بدترین خدشوں کی تصدیق ہو گئی سامنے شہروز کھڑا تھا۔

"تم یہاں۔" زبان نے حیرت بھری سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

ماہنامہ حنا (134) اگست 2014

آئی تھی اریب اسے اتنی صبح صبح دیکھ کر حیران تو ہوئی مگر ظاہر نہ کیا۔

”آؤ ماریہ بیٹھو۔“ اریب نے اسے لاؤنج میں بٹھایا۔

”ناشتہ کرو گی۔“ برتن اٹھانے سے قبل اس نے ماریہ کو دعوت دی اور پھر اس کے انکار پر بغیر ناشتہ کیے پھیلاوا سمیٹنے لگی۔

”یہ سب بعد میں کرنا پہلے یہاں آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔“ اس کا غیر معمولی انداز اریب کو چونکا گیا تھا، وہ برتن وچیں چھوڑ کر اس کے قریب آن بیٹھی، ماریہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”اریب کیا تم زبان کے ساتھ خوش نہیں ہو۔“ وہ بغیر کسی تہید کے گویا ہوئی، جبکہ اس اچانک اور قدرے غیر متوقع سوال پر وہ الٹا سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

”آج صبح زبان آیا تھا ہسپتال، بہت ڈسٹرب لگا مجھے، میں نے وجہ پوچھی تو اس نے بتا دیا کہ تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو اور وہ تمہیں چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہے آج اس کی وکیل صاحب کے ساتھ میٹنگ ہے وہ طلاق کے کاغذات تیار کروانے گیا ہے۔“ ماریہ کے انکشاف پر وہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس کی سیاہ آنکھیں آنسوؤں سے بھر چکی تھیں۔

”ماریہ کیا تم اس کے وکیل کو جانتی ہو۔“
”میں وثوق سے تو نہیں کہہ سکتی مگر ایڈووکیٹ اعتشام رضا میر کے ساتھ اس کی اچھی علیک سلیک ہے شاید وہ اسی کے پاس گیا ہو۔“
”تم میرے ساتھ چلو گی۔“ اس نے کچھ جھجکتے ہوئے ہی کہا تھا۔

ماہنامہ حنا (135) اگست 2014

”ہاں میں تمہاری بیوی کا یہ بریسلٹ لوٹانے آیا ہوں جو وہ غلطی سے میرے بیڈروم میں بھول آئی تھی۔“ اریب کی جانب استہزائیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ زبان سے مخاطب ہوا اور پھر خود ہی اس کا ہاتھ کھول کر اس پر بریسلٹ رکھا اور چلا گیا۔

”گنڈ نامیٹ اریب! تمہارے ساتھ گزرا وقت ہمیشہ یاد رہے گا۔“ جاتے سے پہلے وہ پھر پلٹا اور جیسے اس کی بے بسی کا مکمل لطف لیتے ہوئے بولا۔

زبان ساکت سا کھڑا بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، اریب کا جی چاہا کاش زمین پھٹے اور وہ اس میں سا جائے نظروں سے گرنے کا احساس کس قدر جان لیوا ہوتا ہے وہ بھی اس وقت جب نظروں میں بے رہنے کا ارمان دل میں جاگزیں ہو جائے، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس کے قریب سے گزرتا چلا گیا۔

”زبان!“ اریب نے پکارنا چاہا مگر الفاظ حلق میں ہی کہیں گھٹ کر رہ گئے۔

☆☆☆

وہ رات بھر گھر نہیں آیا تھا اریب کی نظریں دروازے پر لگی رہیں رات بھر وہ لٹکوں کو توڑ توڑ کر جوڑتی رہی مگر ایسا کوئی متن وضاحت دلیل تیار نہ کر پائی جس سے زبان کی بدگمانی دور کر پاتی۔

اگلے روز وہ آیا اور آتے ہی بیڈروم میں چلا گیا وہ اٹھ کر اس کے لئے ناشتہ بنانے لگی دس منٹ میں تیار ہو کر صبحے آیا تھا اریب کو اسے مخاطب کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

وہ اس پر اس میز پر سبجے لوازمات پر اک ٹکا غلط ڈالے بغیر باہر نکل گیا۔

زبان کے ٹکٹے ہی دس منٹ بعد ماریہ چلی

”ہاں کیوں نہیں۔“

☆☆☆

”یہ رہے تمہارے کاغذات۔“ اشتیاق نے کاغذات اس کے سامنے رکھتے ہوئے اس کا شانہ ہولے سے دبایا۔

”زیان ایک بار پھر سوچ لو۔“ اور وہ اب سوچتا ہی تو نہیں چاہتا تھا اس نے خاموشی سے پن نکالا اور کاغذات کا رخ اپنی جانب موڑتے ہوئے پہلے صفحے پر سائن کر دیئے پھر دوسرے اور تیسرے پر اس کا قلم چلنے لگا تھا جب دروازہ ایک دھاڑ سے کھلا اور اربیب کو دیکھ کر وہ حیران ہی تو رہ گیا تھا۔

اس نے آتے ہی طلاق نامہ اس کے ہاتھ سے لے کر کڑے کڑے کر کے ہوا میں اچھال دیا۔ اشتیاق رضا میراثہ کرچیمیر سے باہر چلا گیا، اب کمرے میں دونوں اکیلے تھے۔

زیان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اور وہ ایک دم بھڑک کر اٹھی تھی۔

”پہلے میں تم سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی تم نے زبردستی مجھے اپنایا اور اب جب تمہارے ساتھ رہنا چاہتی ہوں تو تم مجھے جھوٹا چاہتے ہو سمجھتے کیا ہو تم خود کو جو تمہارے دل میں آئے گا تم کرتے پھر دو گے ہر بار تمہاری من مانی نہیں چلے گی کچھ فیصلے تم نے اپنا مرضی سے کیے تھے اب کچھ فیصلے میری مرضی سے ہونگے۔“ طیش کے مارے اس نے زیان کا گریبان پکڑ کر بجنجوڑ ڈالا وہ اسے اس وقت اپنے حواس میں نہیں لگ رہی تھی، زیان نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے گریبان سے ہٹا کر جھٹک دیئے۔

”تم نے جو کیا وہ قابل معافی نہیں ہے۔“ ”میں تو بس اتنا جانتی ہوں کہ میں نے تم سے محبت کی ہے باقی جو سب تمہارے ایک مراب تھا

جس نے مجھے اپنے فریب میں الجھا لیا تھا مجھے پلیز معاف کر دو میرے قدم ہٹکے ضرور تھے مگر لڑکھڑائے نہیں، وہ شخص مجھ سے بدلہ لینے کی خاطر جھوٹ بول رہا تھا وہ بریسلٹ میں خود اس کے منہ پر مار کر آئی تھی اس سے قبل کہ میں تمہاری جانب لوٹ پائی اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا تھا۔“ دھیرے دھیرے اس نے زیان کو سب بتا دیا تھا زیان نے شکل سے بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔

”اور تم نے یہ سب مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا جب وہ بریسلٹ لوٹا نے آیا تھا تو میں کہتے ہی تل تمہارے سامنے ٹھکر کھڑا رہا کہ تم اس کی جگہ اس کو جھٹاؤ گی، اپنی من مانی میں کچھ کیو گی مگر تمہاری خاموشی۔۔۔۔۔“ اس نے ایک تل کو توقف میں اس کے صلیبے کا جائزہ لیا متورم آنکھیں زرد پڑتا چہرہ اچھے بکھرے بال اس کا دل کھٹکے لگا تھا۔

”تمہاری خاموشی نے ہی مجھے یہ انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کیا تھا مجھے لگا تم میرے ساتھ خوش نہیں ہو میں تمہاری خوشی چاہتا ہوں رابی، تم مجھے اداس اچھی نہیں لگتی۔“ اس نے بے ساختہ اس کا چہرہ ہاتھوں کے پیا لے میں بھر کر اس کی آنکھوں میں جھانکا تو وہ رو پڑی۔

”بہت بری ہوں نا میں۔“

”نہیں بہت زیادہ تو نہیں ہاں مگر تھوڑی سی دھمکی روتے ہوئے۔“ وہ مصنوعی سنجیدہ تھا اربیب روتے ہوئے ہنسنے لگی داپسی کا سفر بے حد خوشگوار تھا اور کیوں نہ ہوتا ہت جھرنے آتی ہوئی بہار کو خوش آمدید کہا تھا، اب خزاں ان کی زندگی سے رخصت ہو رہی تھی۔

☆☆☆

ماہنامہ حسنا (136) اگست 2014

عیدِ شکر



”رانیہ دیکھو ذرا یہ رنگ کیسا رے گا؟“
انہوں نے کچن میں افطاری کی تیاری کرتی رانیہ کو
آواز دی اور رانیہ بس ایک ٹھنڈی آہ بھر کر رہ گئی،
گرمی کے روزوں میں افطاری کی تیاری ویسے ہی
بے جان اور بے حال کی ہو جاتی وہ اوپر سے وقت
بے وقت ہر کسی کی پکار۔

”رانیہ!“ اب کی بار انہوں نے بلند آواز
سے پکارا تھا۔

”جی آئی۔“ رانیہ جلدی سے باہر آئی۔
”بواجی دوپٹے ڈال کر والائی ہیں ذرا کے
سوٹ کے ساتھ یہ والے سجے گا یا پھر یہ؟“
قریب آئی رانیہ کو دیکھ کر انہوں نے ایک ہاتھ
میں ہنر اور دوسرے میں چائنی دوپٹہ رانیہ کو
دکھاتے ہوئے پوچھا۔

”کون سے سوٹ کے ساتھ امی؟“ اپنی
ہیزاری کو چھپاتے ہوئے اس نے عام سے لہجے
میں پوچھا۔

”لئے ہائے بھول گئی ابھی کل ہی تو تم
لوگ لے کر آئی تو ہمیں میں نے فون پر بتا دیا تھا
بواجی کو اور رانہ کے ہاتھ سوٹ کی کٹرن بھوادہی
تھی اسی لئے فوراً رنگ لائی ہیں۔“ انہوں نے
جھڑی سے رانیہ کو یاد دلانا چاہا۔

”اچھا ایسا کرو وہ کل والے شاٹنگ بیگز
میں سے سوٹ نکال لاؤ بیچ کر کے دیکھ لیتے
ہیں۔“ خاموش کھڑی رانیہ سے انہوں نے کہا اور
رانیہ کو فٹ زدہ ہوئی ان کے کمرے کی جانب
بڑھ گئی کچھ دنوں سے اس گھر میں جاری ایک
سرگرمی نے اسے یہ صرف ہیزار کر ڈالا تھا بلکہ وہ
کچھ بدگیاں ہی ہوتی جا رہی تھی ان سب کی محبت
سے بلکہ سچ کہو تو وہ اپنے احساسات کو صحیح نام ہی
نہیں دے پا رہی تھی، ہار ہار اس نے خود سے سوال
کیا تھا کہ کیا وہ ذرا سے حسد کر رہی ہے لیکن ایسا

نہیں مگر وہ اپنی کوفت اور ہیزاری کو بھی کوئی معنی
نہیں دے پا رہی تھی اب بھی سہ جانے اس پر
کیوں جھنجھلاہٹ سی جاری ہونے لگی تھی جی چاہا
کہ پناخ کر جواب دے دے کہ انہم کو لگائے ان
فضول کاموں میں مجھے افطاری بھی بنانی ہے مگر وہ
ایسا کر نہیں سکتی تھی۔

”امی یہ تو دو سوٹ ہیں شاید ایک انہم کا
ہے۔“ ایک شاہ پر تھامے وہ ان کے کمرے سے
برآمد ہوئی تھی۔

”ہوں دیکھو تو کون سا دوپٹہ اچھا رنگ
رہا ہے۔“ انہوں نے سوٹ کے ساتھ دونوں
دوپٹے لگاتے ہوئے پھر اپنا سوال دہرایا تھا۔

”مجھے تو یہ ہنر والا اچھا لگ رہا ہے۔“ رانیہ
نے دونوں کو دیکھتے ہوئے آخر کار اپنی پسند بتا
دی۔

”کو بھی شریا بیگم ہیزاری نے اپنی پسند بتا
دی، کب سے ابھی پڑی تھی تم دونوں دوپٹوں
کے درمیان یہ دوپٹہ میں ایک اور بیگم صاحبہ ہیں
ان کو دے دوں گی انہوں نے ایسا ہی رنگ کرنے
کو کہا تھا۔“ کب سے خاموش بواجی بھی بول اٹھی
اور چائنی رنگ کے دوپٹے کو شاہر میں ڈالنے کے
لئے ہاتھ بڑھایا۔

”ٹھیک ہے رانیہ تم جاؤ تیاری کرو افطاری
کی، بوا یہ دوپٹہ بھی رہنے دو کیا خبر ذرا کو یہ وانا
پسند آجائے فوراً آج کل کی لڑکیوں کی پسند بھی
خوب ہے۔“

جاتی ہوئی رانیہ نے جب پیچھے سے ان کی
بات سنی تو اس کی کوفت و ہیزاری غصہ میں ڈھل
گئی جب پسند ذرا ہی نے کرنا ہے تو اس کا وقت
ضائع کرنے کا مقصد کچن میں آکر اس نے اپنا
غصہ برتنوں کو شیخ کر ڈالا لیکن اس سے بھی فرق نہ
پڑا تو اس کا دل بھر آیا جی چاہا بلند آواز میں رونے

ماہنامہ سنا (138) اگست 2014

شروع کر دیے مگر یہ سراسر حماقت ہوتی جسے وہ ہر گز نہیں کر سکتی تھی لیکن اس کی آنکھیں پھر بھی نم ہو گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"بھئی آج افطاری کی تیاری ابھی کر لیتے ہیں پھر آرام سے شاپنگ پر چلے گئے ورنہ اتنے دنوں سے صبح شاپنگ ہی نہیں ہو پار ہی ایک دو چیزیں خرید کر گھر بھاگنے کی پڑی ہوئی ہے کہ جا کر جلدی سے افطاری کی تیاری کریں اور آج جائے گے بھی حامد بھائی کے ساتھ یہ اصغر تو جلدی بجائے رکھتا ہے۔" انہم نے لاؤنج میں ایک صوفے پر خاموش بیٹھی رانیہ کو آج کا پروگرام بتایا۔

"ارے میں کیوں بھئی؟ سنڈے تو آرام کرنے دو۔" حامد جو پاس ہی دوسرے صوفے پر بیٹھا اخبار کی ورق گردانی کر رہا تھا انہم کا پروگرام سن کر جلدی سے بول اٹھا۔

"ارے نہیں بیٹا آج واقعی تم نہیں شاپنگ پر لے جاؤ اور یہ کام تمنا ہی دو، روز روز ٹکنا دشوار ہے پھر عید سر پر آگئی ہے ذارا کی پہلی عید اس کے میکے سے جانی ہے اس سفر کے کو تو اب سر کر ہی ڈالو۔" ثریا بیگم بھی جلدی سے بول اٹھیں۔

"تم تو جانتے ہو ذارا کی ساس ذرا تک جھمی ہیں ہر بات میں اعتراض نکال لیتی ہیں، مجھے رانیہ کی پسند پر بھروسہ ہے کپڑے تو آگئے ہیں بس آج یہ اوپر کی چیزیں چوڑیاں، مہندی وغیرہ سب خرید لائے تو کل ہی اس کی عید روانہ کروں یہ پہلی عید ہے میری بچی کی اپنے سسرال میں اور یہ پہلی عیدی اس کی میکے سے جانی ہے کوئی کسر باقی نہ رہے بیٹیاں جب بیانی جائے تو میکے سے آئی والی عید شب رات کا انہیں انتظار رہتا ہے اس میں انہیں اپنے میکے کا پیار اور مان

محسوس ہوتا ہے اور سسرال میں بھی انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ایسے ہی لاوارث وہ وہاں نہیں پڑی ہوئیں ان کی خیر خبر رکھنے والے پیچھے موجود ہیں، جن کا میکہ نہیں ان کا میکہ نہیں۔" ثریا بیگم نے بات بڑھاتے ہوئے کہا اور آخری چند جملے سن کر رانیہ کا دل چاہا کہ وہ وہاں سے اٹھ کر چلی جائے اور کمرے میں آ کر دھاڑیں مار مار کر روئے اسے ان کی باتیں تکلیف پہنچا رہی تھیں مگر وہ صبح طرح سے فیصلہ نہیں کر پار ہی تھی کہ وہ یہ سب اسے جان بوجھ کر سنار ہی ہیں یا پھر ایسے ہی روانی میں کہہ جاتی ہیں۔

"اور تمہارے ڈیڈی نے بھی خاص طور پر ذارا کی عید کے لئے علیحدہ سے پیسے دیئے ہیں کہ یہ اس کی پہلی عید جانی ہے بہت خاص اور بہترین ہوئی چاہیے، سسرال میں ٹاک نوچا ہو جائے، رانیہ جلدی سے تیار ہو جاؤ آج افطاری میں دیکھ لوں گی آج یہ عیدی کا سارا کام تمنا ہی آؤ۔" ثریا بیگم نے رانیہ کو کہا جو دھواں دھواں چہرہ لئے فوراً اپنے کمرے میں چلی آئی اور دروازہ بند کر کے روٹی چلی گئی۔

یہ اس کی بھی سسرال میں پہلی عید تھی ذارا اور رانیہ کی شادی ایک دن کے فرق سے ہوئی تھی رانیہ نے اپنی ساس جو اور خلوص بھری فطرت سے سسرال میں ایک خاص مقام بنایا تھا اس کے سسرال والے بھی بہت اچھے تھے سب ہی بہت اچھے طریقے سے پیش آتے تھے لیکن اب جب سے رمضان شروع ہوا تھا رانیہ کو لگنے لگا تھا کہ وہ چاہے کچھ بھی کرے کتنی بھی محنت کرے ہی جان سے سب کے کام کرے خلوص اور محبت سے رہے سب کا خیال کرے وہ اس گھر کی بیٹی ہر گز نہیں بن سکتی رہے گی تو یہو ہی اس کی ساس سر نند انہم اور دیور اصغر جو ہر وقت اس کا دم بھرتے

ماہنامہ سنا (139) اگست 2014

اگر سب کے ساتھ خلوص سے پیش آتی تھی تو وہ بھی اس کے خلوص کی قدر کرتے تھے مگر اب جو کچھ اس گھر میں ہو رہا تھا اس سے رانیہ کو دکھ پہنچا تھا۔

”ہونہو ویسے تو یہ زارا اور انعم ہمیشہ کہتی ہیں کہ ہمیں نندہا بہت سنبھلے تھے ہم آپ کی بہنیں ہیں اور امی جی کہتی تھی کہ میں ساس نہیں ماں ہوں مگر اب کیسے مجھے میکے کے نام پر طعنے مل رہے ہیں یہ اصغر جو مجھے چھوٹے بھائیوں کی طرح پیارا ہے ان میں سے کسی نے ایک عید کارڈ تک مجھے دینا گوارا نہیں کیا کیسے اس دن سب کزنز کے لئے دوستوں کے لئے اور زارا کے لئے اپنا اپنا کارڈ خرید رہے تھے میرے لئے ایک کارڈ تک عیدوش کا نہیں خریدا سکے تھے یہ سسرال سسرال ہی ہوتا میکے بھی نہیں مل سکتا اور تیرا تو ہے ہی نہیں آپنی نے بھی بس فون پر رمضان کی مبارک باد دے دی اور کام ختم۔“ رانیہ نے دلگرمی کے ساتھ سوچتے ہوئے بازو مار جانے کی تیاری کی۔

☆ ☆ ☆

”انعم یہ پیسے زیادہ بن رہے ہیں بلکڈیل ہم نے اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں؟“ رانیہ نے کالکس کی ایک بڑی دوکان پر خریداری کرنے کے بعد کاؤنٹر پر مل بنا دیکھ کر پیچھے کھڑی انعم سے پوچھا۔

”نہیں بھابھی زیادہ نہیں کچھ میں نے اپنے لئے بھی شاپنگ کی ہے زارا آپنی کی عید کی شاپنگ کے ساتھ۔“ انعم نے جلدی سے جواب دیا اور کاؤنٹر پر پڑے شاپر اٹھا کر دوکان سے باہر کی جانب قدم بڑھائے۔

”اب چوڑیاں اور جوتی رہ گئی ہے، شکر ہے آج ساری شاپنگ ختم ہوئی۔“

انعم نے پیچھے خاموشی سے آتی ہوئی رانیہ کو

دیکھے جب سے زارا کو پہلی عید کی بھجوانے کا ذکر گھر میں شروع ہوا تھا رانیہ تو جیسے ایک کونے میں کر دی گئی تھی حالانکہ ہر چیز اس کی پسند سے لائی جا رہی تھی مگر اسے لگنے لگا یہ سب اسے جتایا جا رہا ہے ان سب کا رویہ اسے دکھ دے رہا اور حامد جو کہ رانیہ کا شوہر تھا اور پورے گھر والوں کے ساتھ اسے خلوص اور چاہت سے پیش آنے پر ہمیشہ رانیہ کی تعریف کرتا تھا اس تک نے جیسے رانیہ کو فراموش کر دیا تھا کسی نے تو کیا خود حامد نے بھی ایک بار رانیہ سے نہیں کہا تھا کہ وہ بھی اپنی پہلی عید کی خوب شاپنگ کرے بس ایک بار سرسری سا پوچھا اور رانیہ نے یونہی کہہ دیا کہ ابھی اس کے پاس نئی شادی کے سٹے جوڑے پڑے ہیں انہیں میں سے کوئی مانگ لے گی تو حامد نے اصرار کرنے کی بھی دوسری بار ذکر تک نہیں کیا اور یہ سب اسی وجہ سے تھا تاں کہ اس کا میکے نہیں تھا اور آج تو ہاتوں ہی ہاتوں میں ثریا تینم نے اسے اس کی اوقات بتا دی تھی رانیہ کا دل بے حد اندر وہ تھا روزے بھی بس اس سے گزر رہے تھے اور چند دن بعد آنے والی عید کا بھی اسے کچھ خاص انتظار نہ تھا وہ دن کے روپوں سے بدل اور ہزار ہو گئی تھی اسے اپنے امی ابو کی بہت یاد آ رہی تھی ابو تو اس کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اور امی ایک سال قبل دو دو جی بہنیں تھیں بڑی بہن بیاہ کر تین سال قبل کینیڈا جا رہی تھی بس امی کے انتقال پر آ کر جھٹ پٹ اس کی شادی کر کے وہ واپس چلا گئی تھی اس کے سسرال کے توسط سے ہی حامد کا رشتہ آیا تھا چھان بین کر کے رانیہ کی آپنی کو یہ رشتہ قسمت خداوندی لگا تھا بھی اس کی جھٹ پٹ شادی کروا کہ وہ آرام اور سکون سے کینیڈا رہا نہ ہو گئی تھیں اور تقریباً ایک سال میں رانیہ کو اپنے سسرال والوں سے بھی شکایت نہیں ہوئی تھی وہ

ماہنامہ سنا (140) اگست 2014

مخاطب کیا اور چوڑیوں کے ایک بڑے اسٹال کی
چائپ بڑھ گئی، رانیہ اس کے پیچھے بدولی سے آ
رہی تھی۔

وہ سوچتی تھی کہ اب اس کا میکہ نہیں ہے وہ
سسرال والوں کے ساتھ محبت اور خلوص سے
ایسے رہے گی کہ وہی اصل میں اس کے رشتے دار
ہو گئے اس نے کبھی انہم ڈارا اور اصغر کو نندہ پور نہیں
سمجھا تھا بلکہ بہن بھائی ہی سمجھا جب وقت جس
کام کے لئے انہوں نے کہا اپنے آرام اور
تھکاوٹ کو ایک طرف رکھے دل جی سے ان کا
کام کیا ہر روز رات کو وہ شریا بیگم کی ایڑیوں کی
مالش کر کے سوتی تھی کہ ان کی ایڑیوں میں درد
رہتا تھا چاہے وہ دن بھر کی تشی بھی تھکی ہو، نیند
سے برا حال ہو لیکن وہ اپنے معمول کے کام تن
وہی سے ہی سرانجام دیتی اور دل سے اپنے ساس
سسر کو ماں باپ کا درجہ دیتی، ذرا جب بھی اپنے
شوہر کے ساتھ یا اکیلی میکے آتی خوب اس کی
مہمان نوازی کی جاتی اور وہ اس کی اور اس کے
شوہر کی پسند کی وہ تین ڈشز تیار کرتی ذرا اسکے آ
کر فرمائشیں بھی خوب کرتی اور وہ خوش دلی سے
پورا کرتی مگر چند دن سے جو گھر میں ذرا کی جلی
عید کو لے کر جوش و خروش شروع ہوا تھا اس میں
رانیہ تو یکسر نظر انداز کر دی گئی تھی صرف رانیہ ہی
اپنے سسرال والوں کا خیال نہیں رکھتی تھی بلکہ وہ
سب اتنی اچھی بہو اور بھابی پا کر اس کے بڑے
قدر دان تھے شریا بیگم کو رانیہ اپنی بیٹیوں کی طرح
پیاری تھی کہتی تو وہ یہی تھیں جنہیں دفعہ وہ خود رانیہ
سے سارے کام پہنڑوا کر اسے کمرے میں بھیج
دیتیں کے صبح سے کام سے لے کر ہر چیز میں اس کی پسند نا
پسند پوچھی جاتی اور خیال رکھا جاتا انہیں رانیہ کی
پسند اور سلیقہ داری بے حد پسند تھی، جس کا وہ بڑا

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب

شمار گندم

دنیا گول ہے

آدم مر دلی ڈائری

ابن ابی الویل کے عقاب میں

چلتے ہو تو چھین کو چنے

تکری کی آبی پچھ اسٹار

خط انشائیہ

مہنتی کے ایک بپ میں

چاند گھر

دن کی

آپ سے کیا پڑو

ڈاکٹر مولوی مہدی الحق

قادیانہ

عقاب کا اسم

ڈاکٹر سید عید اللہ

طیف شر

طیف نزل

طیف اقبال

ایبٹ آباد کی ایڈٹ روہ بازار بازار

فون نمبر 7321590-7310797

• ہفت ماہ (141) اگست 2014

حامد نے کندھے اچکاتے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”تم جاو ملو تو سہی کولنڈ ڈرنکس میں لے آتا ہوں اور جو بھی ان کی خاطر داری کا سامان چاہیے بتا دو میں لے آتا ہوں سنو سے بلکہ میں خود ہی دیکھ لیتا ہوں سامنے تو سنو ہے کچھ کھانے پینے کی چیزیں لے آتا ہوں تب تک تم ان سے مل لو پھر آکر سرو کر لینا میں تمہیں سامان لا کر آواز دے دیتا ہوں چلو اب۔“ حامد نے آگے بڑھ کر جلدی جلدی سے کہتے ہوئے رانیہ کو باہر کی جانب دھکیلا وہ سب ایسے ہی تھے ایک دوسرے کا خیال اور احساس کرنے والے آج کتنے دلوں بعد لاپرواہ سے حامد کی بجائے اسے پہلے والا خیال رکھنے والا حامد نظر آیا تھا وہ اداسی سے بس اسے دیکھے چلی گئی۔

”افوہ اچھو بن کر کیوں کھڑی ہو جاؤ بھی۔“ حامد کے کہنے پر وہ خاموشی سے ڈرائنگ روم کی جانب بڑھی۔

”نہ جانے کون ہیں؟ ان کے تو دور دور تک رشتے دار یہاں نہیں رہتے تھے جو چند ایک قریبی رشتے دار تھے وہ ان سے ہمیشہ لاپرواہ اور خود میں مگن رہے آج یوں اچانک کسی کو اس کی یاد آ گئی۔“ خود سے انجستی وہ آگے بڑھی حامد بھی اس کے پیچھے تھا۔

”میں نے سوچا پہلے تمہارے ساتھ تمہارے رئیس سے تو مل لوں پھر لے آتا ہوں سامان وغیرہ۔“ حامد نے قریب آکر کہا اور رانیہ حامد کے عجیب و غریب انداز پر بس اسے دیکھ کر آگے بڑھی اور ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور سامنے صوفوں پر براجمان مہمانوں کو دیکھ کر وہ حیران پریشان کھڑی رہ گئی اس کے دہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ مہمان ہیں۔

اٹھار کر تیس گھرا ب تو جیسے سب لوگوں کو وہ بھول ہی گئی تھی حتیٰ کہ حامد کو بھی وہ ایک بینک میں منجر کی پوسٹ پر تھا حمید کے نزدیک ہونے پر اور چھٹیوں سے پہلے ان کے بینک میں بے تحاشا کام تھا صبح کا ٹکا وہ شام ڈھلے ہی آتا اور کھانا کھا کر نماز تراویح کرتے فوراً سو جاتا ایسے میں اس سے کیا بات کرتی یا کیا گلہ کرتی سو وہ اندر ہی اندر سب کے عجیب سے رویوں کو محسوس کرتی افسردہ اور تھوڑی سی بدگمان تھی اسے عید کا انتظار تھا نہ کوئی جوش غم میں آکر اس نے اپنے لئے کسی بھی قسم کی کوئی شاپنگ نہیں کی تھی۔

☆ ☆ ☆

آج چاند رات تھی رانیہ کی آنکھیں بار بار بھرا رہی تھیں لیکن وہ خاموشی سے عید کی تیاریوں میں مگن ہوئی تھی سب کے کپڑے وہ پریس کر چکی تھی دھم اور اصغر یونہی زارا سے ملنے گئے ہوئے تھے بس بیٹھے بیٹھے دونوں کا موڈ بن گیا اور وہ نکل گئے ایسے لگا جیسے وہ اس سے کچھ چھپا رہے ہو رانیہ کو بڑا اچھ کھوج کیا عادت نہیں تھی اور ویسے بھی آج وہ بہت اداس تھی ثریا بیگم نے ایک بار بھی نہیں کہا تھا کہ وہ حامد کے ساتھ جا کر چوڑیوں کی شاپنگ کر آئے آج سے حامد کو بھی بینک سے چھٹیاں ہو چکی تھیں اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

”بیگم آپ کے کچھ مہمان آئے ہیں۔“ ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہیں۔“ حامد نے رانیہ کو کچن میں آکر اطلاع دی جو ست رومی سے کچن کا پھلا واسیٹ کر ڈنر کی تیاری بھی کر چکی تھی۔

”میرے مہمان کون؟“ حامد کی اطلاع پر اسے اچھٹا ہوا اور مز کر حیرت سے ٹراوڑی شرت میں ملیں حامد سے پوچھا۔

”پتہ نہیں تمہارے کوئی رشتے دار ہیں۔“

ماہنامہ صفا (142) اگست 2014

”آپ.....؟ وہ حامد کہہ رہے تھے کہ میرے کوئی رشتے دار مجھ سے ملنے آئے تھے مگر.....؟“ رانیہ نے سب کی جانب دیکھتے ہوئے کنفیوژ ہوتے ہوئے کہا۔

”تو یہ تمہارے رشتہ دار ہی بیٹھے ہیں۔“ حامد نے آگے بڑھ کر اپنی بات پر زور دیا۔
”ہاں مگر آپ.....!“ رانیہ کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

”ہائے ہائے کیا بچی کو پریشان کر ڈالا ہے ایک تو یہ آج کل کی نو جوان لسل ہر بات میں خواہ مخواہ کا سسپنس اور سر پرانز چاہیے رانیہ بچے تم ادھر میرے پاس آ کر بیٹھو میں بتاؤں۔“ ثریا بیگم نے اپنے قریب بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”بھئی بات یہ ہے کہ ہم سب تمہارے میکے والے ہیں مگر تمہاری پہلی عید لے کر آئے ہیں۔“ ثریا بیگم نے اسے پاس بٹھا کر کہا اور رانیہ اپنی جگہ حیران پریشان بیٹھی رہ گئی۔

”جی بھابی دراصل جب سے ہم زارا آپلی کی عید کی شاہنگ کر رہے ہیں ساتھ میں آپ کی بھی کر رہے تھے اور اسی لئے آپ کو ضرور شاہنگ کر لے کر جاتے تھے تاکہ سب آپ کی پسند کا خرید سکے ابونے زارا آپلی کی عید بھوانے کے جتنے پیسے دیئے تھے اتنے آپ کے لئے بھی دیئے تھے اسی وقت میرے اور اصغر کے مائنڈ میں آپ کو سر پرانز دینے کا خیال آیا بس پھر ہم دونوں نے امی ابو بھائی اور زارا آپلی تک کو اپنے اس سر پرانز پلان میں شامل کر لیا۔“ انعم نے آگے بڑھ کر چپکتے ہوئے ساری بات بتائی۔

”بھابی آپ اپنے کفٹس دیکھے ناں۔“ اصغر نے سامنے ٹیبل پر رکھے بہت سارے چھوٹے بڑے کفٹ پیک کیے ہوئے ڈبوں کی

جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
رانیہ تو بس اپنی جگہ گم صم بیٹھی رہ گئی تھی اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ خوشی کا اظہار کرے، حیرت کا یا اپنی بدگمانی پر افسوس کشی جلدی اس نے خود کو سب گھر والوں سے الگ اور تنہا سمجھ لیا تھا۔
ایک دم ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے جو خوشی کے تشکر کے اور ندامت کے تھے۔

”ارے جیہا ہم جانتے ہیں پہلی عید میکے سے آتی ہے مگر تمہارا میکے میں کون ہے آ جا کر ایک بہن وہ بھی پردیس میں اور پھر یہ میکے سسرال کیا تم مجھے اپنی بیٹی کی طرح ہو اٹھنے نے بہو کے روپ میں ایک فرماں بردار، سچی سلیقہ مند، محبت کرنے والی بیٹی عطا کی ہے اس لئے ہمارا خیال تھا کہ تمہیں کم از کم عید پر میکے کی کمی محسوس نہ ہو اور ہم سب لوگ بھی ثابت کر سکے کہ ہم ہی تمہارے اصل رشتے دار ہیں۔ بہن بھائی اور ماں باپ ابنا ہم سب بچوں کے اس خیال میں شامل ہو گئے یوں اچانک یہ سب پا کر تم اور زیادہ خوش ہو جاؤ گی، خوشی میں رو تے نہیں ہٹا ہتے ہیں۔“ ثریا بیگم نے اسے لگاوٹ سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”چلو بیٹا جلدی سے عیدی دیکھو سر پرانز کے چکر میں تو انہوں نے مجھے بھی کچھ نہیں دکھایا کہ ابا کے منہ سے کچھ نکل نہ جائے۔“ صدیقی صاحب نے متوجہ کرتے ہوئے کہا اور رانیہ نم آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے کفٹس کھولنے لگی زارا کی طرح کا بوتیک سے لیا ایک بے حد جاذب نظر اور دلکش سوٹ تھا جس کی قیمت تقریباً دس ہزار تھی رانیہ نے خود ایسا ہی زارا کے لئے پسند کیا تھا اور پھر ساتھ میں چوڑیاں مہندی، جوتے، جیولری اور کاسٹیکس کی چیزیں بھی اصغر اور انعم کی جانب سے عید کارڈز بھی تھے زارا نے

ماہنامہ دنیا (145) اگست 2014

بھی چڑیاں بھجوائی تھیں۔

ہوئی ہنس پڑی۔

"لو..... ہو۔" جب وہ کمرے میں چیزیں رکھنے آئی تو پیچھے سے آکر حامد نے اسے متوجہ کرتے ہوئے گلہ صاف کیا۔

"جناب یہ عیدی تو آپ کے میکے کی طرف سے آئی ہے ہمارے لئے کیا حکم ہے۔" حامد نے قریب آکر رانیہ کی کمر میں بازو محائل کرتے ہوئے لگاؤٹ سے پوچھا۔

"آپ مجھے کھانے کے بعد شاپنگ مال لے کر جائے گے وہاں سے مجھے زارا، انم، اصغر اور امی ابو کے لئے شاپنگ کرنی ہے۔" رانیہ نے جھٹ سے کہا۔

"یعنی لین دین، کچھ اچھا نہیں لگتا یہ تو بدلہ چکانے والی بات ہوگی، انہوں نے تمہیں عیدی دی اور بدلے میں تم بھی دے رہی ہو۔" حامد نے کہا۔

"نہیں جناب ایسا نہیں انہوں نے عیدی اپنی بیٹی کو دی ہے اور یہ شاپنگ ان کی بہوان کے لئے کر رہی ہے اور مجھے پتہ ہے میری لور زارا کی شاپنگ کے چکر میں انم اور اصغر نے اپنی بس آدمی شاپنگ کی ہے امی ایک دن کڑھائی والی چادر کا ذکر کر رہی تھیں ابو کے لئے چپل رہتے ہیں، زارا نے مجھے چڑیاں بھجوائی ہیں میرا بھی تو اسے کوئی گفٹ دینا بنتا ہے اور یاد آیا آپ نے سب کے ساتھ مل کر مجھے نظر انداز کیا جانتے تھے ناں کہ میں آج کل اداس ہوں تو بھی گھٹے سے رہے اس کی سزا یہی ہے کہ اب آپ ہم سب کو شاپنگ مال لے کر چلے شاپنگ کے بعد ڈنر۔" رانیہ نے تنصیفاً جواب دیا اور جتنا قی نظروں سے دیکھا۔

"بندہ قسم کا غلام ہے پتہ تھا ان لوگوں کے ساتھ ملنے کی سزا ضرور ملے گی آپ کی یہ سزا دل و

"اچھا ابھی اس دن بل زیادہ بنا تھا میں بھی کہوں اتنی چیزیں تو نہیں خریدیں جتنا بل بنا ہے۔" رانیہ نے انم کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں اسی دن آپ کے ساتھ آپ کے لئے کچھ چیزیں خریدی تھیں ورنہ تو میں اور اصغر بعد میں جا کر ویسے ہی شاپنگ کر کے آتے تھے جیسی زارا آپ کی لئے آپ کر کے لاتی تھیں۔" انم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور یہ سوٹ امی آپ اسی لئے مجھ سے دوپٹے کا رنگ پوچھ رہی تھیں۔" رانیہ نے مڑ کر پوچھا۔

"ہاں یہ تمہارے اور زارا کے لئے میں نے خریدا تھا بس دوپٹے کے رنگوں کا فرق ہے اس دن بوا رنگ کر لائی تو تمہاری پسند کا بہتر دوپٹہ میں نے تمہارے لئے رکھ لیا اور جانشی زارا کو لگا کے دے دیا۔" ثریا بیگم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

"تھنک یو، تھنک یو سوچا یہ عید اور یہ عیدی سر پر اتار مجھے ہمیشہ یاد رہے گا اور آپ سب کا یہ احساس دلانا کہ میں اس گھر کا فرد ہوں یہ میرا سسرال بعد میں اور میکہ پہلے ہے میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکرا کر دوں اتنا کم ہے میں بہت خوش ہوں، امی، ابو، انم اور اصغر ہم سب کا بہت بہت شکریہ اتنے خوبصورت سر پر اتار دینے کا۔" رانیہ نے غم لہجے سے خوشی سے بھر پور انداز میں سب کا شکریہ ادا کیا اور چیزیں سیٹ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو انم تم خود کو مہندی لگاؤ پھر میں فارغ ہو کر آ کر تم سے لگوائی ہوں، پہلے میں کھانا لگا لوں۔" رانیہ نے چپکتے ہوئے کہا اور رانیہ کی اتنے دنوں بعد چکار بھری آواز سن کر سبھی مسکرا اٹھے ان کی نگاہوں میں ہمیں شرارت پر رانیہ بھی پھمکی

ماہنامہ دنیا (144) اگست 2014

چہرے کو دیکھتے اس کے دل کا بوجھ ہلکا کیا اور
رائیہ دل سے مسکرائی۔

"چلو اب جاؤ دل بے ایمان ہو رہا ہے۔"
حامد حریذ شرارتی ہوا۔

اس کی بات پر رائیہ فوراً آتش کرکٹ اور تیزی
سے پیچھے ہٹی مبادا وہ کوئی شرارت کر رہی نہ

ہو۔۔۔۔۔ میں سب کو بتاتی ہوں پروگرام کا
آپ پہنچ کر کے آجائے ہم سب تو تیار ہی ہیں۔"

رائیہ نے قدرے ہلکے ہوئے انداز میں کہا
اور تیزی سے باہر کی جانب بھاگی، حامد کے قہقہے

نے اس کا پیچھا کیا جس پر اس کے لبوں پر بھی
میشی سی مسکان آن ٹھہری اور پھر کچھ ہی دیر بعد

محبوبوں کا قافلہ ایک گاڑی میں سوہر شاچنگ مال
کی جانب رواں تھا اصرار اور انہم کی لوک جھوک،

ای ابو کی مسکراہٹ حامد کی پیار لٹائیں نظریں
راشہ خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرتی تھیں اگر اس نے

انہیں اپنا بنایا تھا اور سمجھا تھا تو انہوں نے بھی
ثابت کر دیا تھا کہ وہ اس کے اپنے ہی ہیں رائیہ

نے دل سے ہمیشہ کے لئے ان خوبصورت
رشتوں کے یونہی قائم رہنے کی دعا کی اور ہر عید

اس سے بڑھ کر خوبصورت سر پرانز لائے اس
نے دعا کی اور اصرار کی کسی بات پر ہلکھلا کر ہنس

پڑی، اس کی ہنسی میں سب کی ہنسی شامل ہو گئی۔

☆☆☆

جاس سے قبول ہے کہ کافی دلوں سے آپ کی محبت
بھری نظروں کو ترس رہے ہیں کم از کم آج چاند

رات تو ہرگز نہیں آپ کی بے انتہائی برداشت ہو
گی جلدی سے سب کو تیار ہونے کا کہو ابھی چلتے

ہیں۔" حامد نے جھٹ مانتے ہوئے کہا۔
"اور سنو تم میرے لئے بہت اہم اور خاص

ہو کہ تم نے میرے دل میں محبت میرے سے گزر
کر یا صرف میری چاہت میں نہیں بٹائی بلکہ دل

روز سے تم نے میرے ساتھ جڑے رشتوں کو اپنا
سمجھا ہے اور انہیں بھی چاہا ہے بھی تو آج بھی تم

نے اکیلے کیڈل ڈنر وغیرہ کی فرمائش کرنے کی
بجائے سب کے ساتھ مل جل کر رہنے اور

انجوائے کرنے کا خیال آیا ہے اور کس کی کیا چیز وہ
گئی ہے اپنی اداسی کے باوجود تمہیں سب خبر رہی

ہے مجھے تمہاری اسی ادا سے بے حد پیار ہے۔"
حامد نے اس کا بازو تھامتے ہوئے محبت سے کہا۔

"مگر میں مادم ہوں اپنی بدگمانی پر مجھے لگا
آپ سب مجھے بھول گئے ہیں نظر انداز کر رہے

ہیں۔" رائیہ نے دل پر دھرا بوجھ کہہ کر ہٹا دیا
ڈالا۔

"یہ ایک فطری عمل ہے مادم تو تم تب ہوتی
جب تم ذرا کی عید شاچنگ دل سے نہ کر لی یا

کرنے سے منع کر دیتی۔" حامد نے اس کے
چہرے پر آئی شریٹ کو کان کے پیچھے اڑتے

ہوئے محبت بھری نظروں سے اس کے معصوم

"مبارک باد"

حاکم ہر دھڑ مصلحہ فوزیہ غزل کو اللہ تعالیٰ نے بیٹے کی نعمت سے نوازا ہے ادارہ حنا کی طرف
سے فوزیہ غزل کو ولی مبارک باد۔

ماہنامہ حنا (145) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سہریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپیڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کماتے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

اک سحر اور ہے

سحر و شفی

امرت عمارہ کے گھر آتی ہے اس سے بات کرنے عمارہ کا بہت غلط رویہ اسے مزید پریشان کر دیتا ہے، گوہر اس سے معذرت کرنے پیچھے جاتا ہے، رستے میں آوارہ لڑکوں کے تنگ کرنے پر اسے گوہر کی ضرورت پڑتی ہے، گوہر اور امرت کی بہت اچھی تعلیمی بات چیت ہوتی ہے جس پر عمارہ کو اعتراض ہے، وہ ہر طرح سے عمارہ کو سمجھاتا ہے باجوہ اس کے عمارہ کے دل میں کوئی خاص احساس نہیں جاگتا مگر جب عمارہ کی جگہ گوہر امرت کی پیشکش پر کام کرنے جانا چاہ رہا ہے تو عمارہ کچھ سوچ کر آئیں جوائن کر لیتی ہے، امرت اس کے بار بار بدلتے رویے پر حیران اور افسوس کن ہے۔

امر کلہ ورستے میں ایک خاتون ملتی ہیں جو اپنے شوہر کو خودکشی کی دھمکی دے رہی ہے، خاتون اسے خودکشی کے طریقے بتانے لگتی ہے، وہیں شام ڈھلے اسے پروفیسر غفور مل جاتے ہیں جو اسے پریشان دیکھ کر اپنے گھر لے آتے ہیں اور اس سے گھر سے نکلنے کی وجہ پوچھنا چاہتے ہیں، وہ امر کلہ کو کچھ دن بعد ذکار کے گھر لے آتے ہیں تاکہ وہ اسے کھوج سکیں کہ امر کلہ کا اصل کیا ہے، جبکہ ذکار کے ساتھ گفتگو کے دوران وہ بہت محتاط ہے مگر کبیر بھٹی کا ذکر آنے کے بعد گوہر کے نام پر وہ اپنی حیرت پر قہقہے نہیں رکھ پاتی۔

آٹھویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے





”میں نے کب کہا کہ میں کسی ایسے بندے کو جانتی ہوں۔“ دوسرے ہی لمحے وہ سنہلی تھی۔
 ”تم یہ جھوٹ پہ جھوٹ میرے ساتھ بول رہی ہو یا پھر خود اپنے آپ سے، تم خود کو بھی نہیں جانتی، تم علی گوہر کو نہیں جانتیں، پھر تم تو کچھ بھی نہیں جانتی ہو گی۔“
 ”میں واقعی کچھ نہیں جانتی، اب میں فری ہوں کھانا تیار ہے۔“
 ”تم آج رات یہاں رک سکتی ہو؟“
 ”کبھی بھی نہیں۔“

”تمہارے حوالے سے میرا ذہن کچھ سٹلر دے رہا ہے، دیکھو میں بات کرنی ہو گی، مجھے لگتا ہے یہ ضروری ہے۔“

”مجھے آپ کا مسئلہ سمجھ نہیں آتا اس لئے کہ آپ کے ساتھ ایک وقت میں کئی مسائل ہیں جو آپ نے خود اپنے لئے تیار کیے ہیں، بہر حال اس کا بھگتن کسی اور کو نہیں بھگتنا چاہیے، بہت ہو گی فتنوں بات اب آجائیں۔“ وہ کھانے کی ٹرے لے کر حال میں آ گئی، پروفیسر ابھی تک سو رہے تھے۔

”تم واقعی اس لڑکی کو نہیں جانتی جس کی محبت میں علی گوہر گوشہ نشین بن گیا ہے، دیکھو مجھے اس کا پتہ دے دو مجھ سے علی گوہر کی پریشانی دیکھی نہیں جاتی۔“

”اس سلسلے میں، میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“ وہ میز پر کھانا لگا کر پروفیسر کی طرف بڑھی اور سوچنے لگی ان کو جگانا کیسے چاہیے، اس نے چھڑی اٹھا کر میز پر ماری، ایک دو تین بار مگر ان کے خراٹوں کا سلسلہ نہ رکا۔

”اسے سونے دو، ہم کھا لیتے ہیں۔“ وہ ناچار بیٹھ گئی کہ بھوک بہت لگی تھی، ادھر ان کا بھی یہی حال تھا۔

”میں نے ابھی تم سے کچھ پوچھا تھا، تم ایسا کیوں کر رہی ہو، علی گوہر بہت اچھا لڑکا ہے۔“
 اسے لگا وہ اس بحث کو ختم ہونے نہیں دیں گے۔

”مجھے پتہ ہے وہ بہت اچھا ہے۔“ وہ بے ساختہ کہہ گئی۔

”تم وہی ہو نا، تمہیں اس سے ملنا ہو گا مریم۔“

”یہ ناممکن ہے۔“ وہ چھوٹے چھوٹے نوالے بنا کر کھانے لگی۔

”تم اسے کیوں سزا دینا چاہتی ہو، وہ بہت چاہتا ہے تمہیں مریم۔“

”مگر میں اسے اس حوالے سے پسند نہیں کرتی تھی اور پھر اس کی ایک سنگیتر بھی ہے جو ہمیشہ اس کا انتظار کرتی تھی، پھر مجھے یہاں نہیں رہنا۔“

”پھر کہاں جانا ہے تمہیں؟“

”پتہ نہیں مگر یہاں سے بہت دور ہر جگہ سے دور، ہر عجیب لوگوں سے دور۔“

”عجیب لوگ شریف بھی تو ہوتے ہیں۔“

”سب نہیں ہوتے۔“

”تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟“

ماہنامہ حنا (148) اگست 2014

”میں نے یہ کب کہا؟“
 ”مردوں کے بارے میں تمہاری رائے کچھ اچھی نہیں ہوگی، اکٹری اکٹری رہتی ہو۔“
 ”مجھے ہر جگہ مرد ملے ہیں اور بہت اچھے لوگ ملے ہیں، مگر اس حوالے سے مجھے کسی پر بھروسہ نہیں ہے۔“

”اس کی وجہ؟“

”آپ کیوں جانتا چاہتے ہیں؟“
 ”میرے جاننے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔“
 ”ایک بار دھوکا کھا کر دوسری بار کی ہمت نہیں ہے۔“
 ”تمہارے ساتھ بھی دھوکا ہوا ہے؟“
 ”اور کس کے ساتھ ہوا تھا؟“

”میرے بیٹے کے ساتھ۔“

”ادہ پھر میری ہمدردیاں آپ کے بیٹے کے ساتھ ہیں، مگر ہو سکتا ہو یہ آپ کا خیال ہو آپ کے بیٹے نے دھوکا کیا ہو۔“

”یہ نہیں ہو سکتا میرا بیٹا بہت شریف انسان ہے۔“
 ”شریف انسان ہی دھوکے کر کے برے ثابت ہوتے ہیں۔“
 ”خیر میں اپنے بیٹے کو زیادہ اچھے طریقے سے جانتا ہوں۔“

”ہاں یہ تو ہے۔“ وہ کھانا ختم کر چکی تھی۔

”اب تو ان کو اٹھ جانا چاہیے۔“ اس کا اشارہ پروفیسر کی جانب تھا۔
 ”کچھ دیر اور بیٹھ جاؤ مریم ایسا لگتا ہے پرائیڈ دست مل گیا کوئی، تم سے بہت باتیں شیئر کروں اپنے بارے میں، بہت طرے طرے کی کہانی باتیں، یادیں دل کرتا ہے کسی کے ساتھ پھر کوئی کہانی دہراؤں۔“

”دعا کرتی ہوں اس کے لئے آپ کو کوئی اور اچھا دوست مل جائے جو خود خواہاں ہو آپ سے سننے کا، کیونکہ میں زیادہ نہیں جانتی آپ کو نہ ہی مجھے دیکھی ہے۔“ وہ اٹھ کھڑی ہوئی کیونکہ پروفیسر صانع کے خراٹوں میں کچھ کی واقع ہوئی تھی۔

”دوبارہ ملنے نہیں آؤ گی، میں تمہیں اپنی قائم مقام شہزادی بنانا چاہ رہا تھا۔“
 ”میں بہت عام سی ہوں شہزادی بننے کے قابل نہیں مگر ایک شرط ہے۔“ وہ اتنی دیر میں پہلی بار مسکرائی تھی۔

”وہ کیا؟“

”وہ یہ کہ علی گوہر سے کچھ نہیں کہیں گے، جب تک میں پروفیسر غفور کے پاس ہوں تب تک تو بالکل نہیں۔“

”تم پروفیسر کو چھوڑ کر چلی جاؤ گی؟“

”جانا پڑے گا اس سے پہلے کہ ان کو میری عادت پڑ جائے۔“

ماہنامہ سنا (۱۴۹) اگست 2014

”مگر آپ سے ایک شرط پر پھر ملوں گی، وہ یہ کہ علی گوہر کے پاس میری ایک امانت ہے وہ اس سے لے کر رکھیے گا مگر جب میں یہاں نہ ہوں تب آپ اس سے بات کیجئے گا اپنی چیز لینے میں بھی نہ کبھی آ جاؤں گی۔“

”وہ کیا امانت ہے بتاؤ گی؟“

”اس میں کیا ہے یہ نہیں پتا مجھے، ہاں بس یہ جانتی ہوں کہ ٹھنڑی ہے چھوٹی سی۔“ وہ راز دارانہ انداز میں بات کر رہی تھی بہت آہستہ آواز میں۔

”کسی نے تجھے میں دی تھی؟“

”ہاں ایک دوست تھی۔“

”یاد آتی ہے؟“

”بہت یاد آتی ہے۔“

”دکھ ہوتا ہے؟“

”دکھ تو اور بھی بہت ساری چیزوں کا ہوتا ہے مگر اب میں اینڈ جسٹ کر چکی ہوں، مجھے پتہ ہے میرے ساتھ کسی نے تادیر نہیں رہتا۔“

”وہ بھی تمہیں یاد کرتی ہو گی؟“

”مجھے پتہ ہے بہت کرتی ہو گی، ہمارا ساتھ اسکول سے لے کر یونیورسٹی تک رہا ہے۔“

”بہت اچھی اچھی یادیں ہیں اس حوالے سے۔“

”صرف اچھی نہیں بری بھی ہیں، مگر اچھی زیادہ ہیں، میری ماں کے بگڑنے کے باوجود بھی وہ اکثر گھر آتی تھی، بہت ڈانٹ کھاتی پڑی اسے میرے لئے ہر موقع ہر جگہ، بہت فقیں کیں اس نے میرے لئے بہت خواب دیکھے، ہار ہار مجھے موت کے منہ سے نکال لیتی تھی۔“

”اس کے پاس چلی جاؤ نا مریم۔“

”بہت مشکل ہے، وہ بھگتی ہوئی میں مر چکی ہوں، میں ان میں سے کسی کی بھی زندگی میں لوٹنا نہیں چاہتی جو مجھے موت کے ساتھ قبول کر چکے ہو گئے، میں دوسری مرتبہ اپنی اصلی موت سے ان کو دکھ دینا نہیں چاہتی، مجھے پتہ ہے مجھے جلدی جانا ہے وہ درد پھر شروع ہو رہا ہے۔“

”کس قسم کا درد۔“ وہ اس کو لے کر راہ داری تک آ گئے تھے۔

”سر کا درد، نیو مر ہے مجھے، اب جان گئے کہ میں کیوں علی گوہر سے ملنا نہیں چاہتی۔“

”مریم!“ دکھ سے آواز زندہ گئی۔

”میں تمہیں زندگی کی دعا دیتا ہوں اور دوں گا، تم اپنا علاج کرواؤ نا۔“

”میرے پاس زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے پروفیسر صاحب۔“

”میرے پاس بھی زندہ رہنے کے لئے کوئی بہانہ نہیں ہے مریم سوائے اپنے بیٹے کے،

میرے پاس بھی وقت کم ہے تمہارے گھر بھائی نے بتایا۔“

”تو اس وقت کو آپ جیتی بنائیں، پروفیسر صاحب کسی اور کے لئے نئی امید پیدا کریں یقین

جانیں آپ کے پاس بہت بہانے ہیں اور یہ کہ میں آپ کی زندگی کی دعا کروں گی اور دعا میں اثر

ہوتا ہے وہ دعا جو دل سے کی جائے اور پلیز پروفیسر صاحب علی گوہر کو کسی بات کی بھٹک نہ پڑے،
میں فی الحال پروفیسر غفور کے پاس ہوں مگر یہاں سے چلی جاؤں گی میں یہاں مرنے نہیں چاہتی۔"

"مریم تم نے ناقدری نہیں کی ان سب رشتوں دوستوں کی۔" وہ ہلکا سا مسکرائے۔

"جیسے ابھی تم میری ناقدری کر رہی ہو کبھی بھی نہ ملنے کا کہہ کر۔"

"بہت ناقدری ہوں، یہ وصف مجھے دہشتے میں ملا ہے۔"

"ہماری پوری ٹیمیل میں ناقدری ہے، سکیلیشن ہے بد لحاظ اور مقام پرست جس میں ہر کوئی
اپنے لئے جیتا ہے۔"

"تم تو اپنے لئے نہیں جی رہی۔"

"میں جی رہی ہوں ابھی بہت ہے۔"

"تم اپنا خیال رکھو گی وعدہ کرو۔"

"آپ بھی رکھیے گا، یہ لمبے بال کٹوا دیں اور داڑھی کم کر لیں تو اچھے خاصے خوبرو لگیں گے۔"
وہ ان کی اپنائیت پر مسکرائی تھی۔

"تمہارے خیالات علی گوہر سے کتنے ملتے ہیں۔" وہ ہنس پڑے۔

"کس کے خیالات کس سے ملتے ہیں؟" پروفیسر غفور چھڑی کھمکھمائے ٹوپی پہنے باہر آئے تھے۔

"تم کب آئے؟"

"ابھی ابھی، اٹھتے ہی کھانا کھایا جو تم لوگوں نے پچایا تھا اب ہاتھ دھو کر سیدھا اسی طرف آ رہا
ہوں، ویسے تمہارے گھر کے بھی ٹل میں ڈنگ لگا ہوا ہے پانی کے ساتھ جو بہتا ہے۔"

"یہاں ہر جگہ ڈنگ لگا ہوا ہے پار۔"

"خیر مگر قابل قبول ہے سب کچھ تم بھی، تمہیں بھی تو ڈنگ لگ گیا ہے یہاں بیٹھے بیٹھے، پالش
کر دو ذرا خود کو۔"

"سوچ رہا تھا کوئی لڑکتہ صفت لڑکی میرے جسم سے اور ذہن سے سونیاں نکالنے آئے گی۔"

"اس عمر میں؟" وہ مسکرائے تھے۔

"ہاں اسی عمر میں۔" وہ بے ساختہ ہنسے تھے، ان کے ساتھ امر کا نہیں ہنس سکی کسی خیال نے
اسے ہنسنے سے روک لیا تھا۔

"تو پھر ہم چلتے ہیں، اب تم گھر سے باہر نکلا کر دو پار۔"

"ضرور آؤں گا عید الغفور خیال رکھنا ہماری بیٹی کا بھی اپنا بھی۔"

"خیال رکھوں گا اپنی بیٹی کا بھی اپنا بھی۔" وہ آنکھ مار کر مسکرائے چلتے ہوئے۔

"آپ سے مل کر واقعی اچھا لگا۔" اسے کسی سوچ نے ہنسنے سے روک لیا تھا پھر مسکرانے سے
نہیں۔

"ہمیشہ مسکراتی رہو اور جیتی رہو۔" بہت پیار سے سر نہیچھپایا، اسے لگا وہ ایک دفعہ اور اپنے کبیر
بھائی سے جدا ہو رہی ہے جیسی آنکھیں بھرا آئیں نہیں۔

☆☆☆

ماہنامہ حسنا (151) اگست 2014

”تم یہ بھول جاؤ کہ تمہاری شادی کسی اور سے ہوگی، تمہاری شادی عہد النہان سے ہی ہوگی۔“ پیار کا ہتھیار جب کام نہ آیا تو دوسرا ہتھیار تمام لیا۔

”آپ مجھے بلیک میل کر رہی ہیں؟“

”میں تمہاری ماں ہوں امرت۔“

”ہاں جیسی تو بلیک میل کر رہی ہیں، اکثر جب مائیں ایسا کرتی ہیں تو باپ ڈھال بن جاتے ہیں، میرے پاس دوسرا آپشن نہیں کسی سلسلے میں بھی نہیں، آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ میرے پاس عہد النہان کے علاوہ کوئی آپشن ہے اور میں کسی اور سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“

”تو پھر تم بار بار انکار کیوں کرتی ہو شادی سے۔“

”اس کی وجہ میرے بدتر حالات ہیں۔“ وہ دونوں ہاتھوں کے ناخن صاف کرتے ہوئے

بولی۔

”دیکھو امرت، حالات ہمیشہ ایک جیسے نہیں رہیں گے، میری آدمی زندگی گزر گئی ہے بوڑھی ہو رہی ہوں، چاہتی ہوں تمہاری شادی ہو جائے، خیر سے سکون مل جائے مجھے۔“

”آپ کا اور انکل کا کیا بنے گا یہ سوچا ہے؟“

”اس کی وجہ سے ہم تمہیں عمر بھر نہیں بٹھا سکتے، شادی تو ہونی ہے نا۔“

”امی میرے پاس اتنی ہمت نہیں ہے کہ پہلے بھاری ترھے پر جھینر بناؤں اور پھر آدمی عمر قرضہ اٹارنے میں لگ جائے، ٹھیک ہے اسے اگر شادی کی جلدی ہے تو اسے بغیر جھینر کے مجھے قبول کرنا ہوگا اور بعد میں میں جا ب کر کے، ہم دونوں مل کر کچھ کر لیں گے، مگر فی الحال شادی جیسا جن جنمٹ میں انورہ نہیں کر سکتی۔“

”امرت تم کیوں بناؤ گی بچے، ہم تمہیں دیں گے زیور، جینر سب کچھ۔“

”بہت بڑی بھول ہے امی آپ کی، انکل کا پیسہ اتنی آسانی سے اس کا بیٹا ضائع ہونے نہیں دے گا جیل کر دے گا وہ نہیں۔“ وہ بڑے غصے سے مسکرا کر ناخنوں کا جائزہ لینے لگی، کٹے ہوئے ناخن کی ایک چھوٹی سی پھیدہ رہ گئی تھی جس پر ناخنچی چل رہی تھی بچہ ہی ٹیل کٹرا سے پتہ تھا اب یہ چھوٹی سی نظر نہ آئے والی پھیدہ ہر چیز میں اگلے گی، کپڑے، چادر، کھانسی ہال ہر چیز میں اٹ کر پریشان کرے گی اور پھر کمر پٹنے پر زخم ہو جائے گا اسے سوچ کر ہی ڈسٹر بنس ہو رہی تھی، تکلیف دینے کے لئے ایک چھوٹی سی چھید ہی کافی ہوتی ہے، عہد النہان اور امی تو اور بات ہے، لائسنس سوچیں مسٹر انے پر مجبور کر رہی ہیں، وہ بھی بظاہر بچہ مسٹر انے اور مسکرا کر بنس دی۔

”میں سنجیدہ ہوں امرت وہ دو چار انوں میں آرہا ہے۔“

”میں بھی سنجیدہ ہوں امی، وہ آرہا ہے تو آئے دیں۔“

”وہ اب کی بار آئے گا تو بات بلی کر جائے گا تیزی کی ڈیٹ فکس کر کے ہی جائے گا ورنہ۔۔۔“ وہ کچھ سوچ کر ہی ڈر گئیں۔

”ورنہ کیا؟ عزائیل ہے کیا، روح تو نہیں نکالے گا۔“

”ہاسٹل ہوتا ہے اس کے پاس۔“ وہ ہراساں گئیں۔

ماہنامہ سنا (152) اگست 2014

”عبدالرحمان نہ ہوا موت کا فرشتہ ہو گیا۔“ وہ بے ساختہ ہنس دی۔
 ”مت کرو ایسا امرت، میں ڈیٹ دے دوں گی کوئی سی بھی پھر نہ کہنا کچھ بھی۔“
 ”اتنا زیادہ بوجھ ہے آپ پر میرا، اچھا ہونا اگر آپ یہ بوجھ نہ لے آئیں یہاں، وہیں رہنے
 دیتیں، جہاں کی بنیاد تھا۔“
 ”تم جہاں بھی ہو تمیں کیا شادی نہیں ہوتی، وہ کسی ان پڑھ جاہل کے ساتھ کر دیتے تب خوش
 رہتی تھیں۔“

”عبدالرحمان کون سا علم والا ہے، خیر وہ چرائس میری ہی تھا اس لئے بہر حال یہ الزام میں آپ
 کو نہیں دے سکتی۔“
 ”مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا کہ تم کیا کرنا چاہتی ہو، مگر مجھ میں کسی نئے تماشے کی سکت نہیں ہے
 امرت یہ سن لو۔“

”تماشے کا وقت اور سکت مجھ میں بھی نہیں ہے بہر حال، مگر آپ پریشان نہ ہوں، میں ملتی
 ہوں حنا سے، یا پھر بات کرتی ہوں، کچھ سوچتے ہیں، ان کی ٹیلی اگر آئے گی تو دھاوا بول دے
 گی، پھر تو نا ہونے والا بھی تماشہ ہو کر رہے گا، مجھے تو یہ سوچ کر ہول اٹھ جاتے ہیں کہ مجھے ہمیشہ
 وہاں رہنا پڑے گا، ایسے عجیب ماحول میں۔“

”ماحول تو تمہارے سامنے تھا اب علی ہوج لیتی نا۔“
 ”ہاں اس میں آپ کا کوئی تصور نہیں امی کہہ تو رہی ہوں، میں بہر حال اس سے بات کرتی
 ہوں ذرا سو جاؤ تھوڑی دیر تھک گئی ہوں پھر شام میں کرتی ہوں بات۔“
 آج سنڈے تھا، وہ گھر پر کسی کام سے فارغ ہو کر ہی بیٹھی تھی اور اب دماغ بچ رہا تھا حکمن
 اتنی تھی، اس لئے لیٹتے ہی نیند آ گئی جو کبھی رات میں بھی نہیں آتی تھی۔

☆ ☆ ☆

”میں ویسے تو مریم بد دماغ ہوں، مگر تمہیں ایک پتے کی بات بتانا ہوں اور وہ یہ ہے کہ
 انسان خدا کے بطور ادھورا ہے، عبارت سے امید پیدا ہوتی ہے محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں سگنل مل رہا
 ہے، ہماری کیفیات پہنچ رہی ہیں، کوئی درد آشنا ضرور ہے، خدا کو چاہے جس انداز سے پکارو، چاہے
 عجز و خوارگی کا خدا ہو، یا عیسیٰ کا خدا، خدا بہر حال ایک ہے اور وہ سب کا ہے، چاہتا ہوں اگر مسجد نہیں تو
 گھر جا چلی جاؤ، جہاں سے سکون کیش کر سکتا تمہارے لئے آسان ہو، جس گمان سے تمہیں لینے کا
 رستہ دیا گیا ہو، مگر رستے بند نہ کرو، اس خدا کا ایک بار تو شکریہ ادا کرو، اس مریم کے خدا کا، جو تمہیں
 نئی سے نئی راہوں پر سہارے عطا کرتا ہے۔“

”میں یہ تو نہیں کہہ رہا کہ وہ سرف عائنہ کا خدا ہے، عمر فاروقؓ، ابو بکر صدیقؓ کا خدا ہے، میں
 تو کہہ رہا ہوں، وہ عیسیٰ اور مریمؑ کا خدا ہے، تو پھر تم کسی اختلاف کی بنیاد پر اس سے دور کیوں ہو۔“
 برویسر عبدالغفور کے اندر یا تو فنکار کی روح گھس گئی تھی یا پھر کبیر احمد بھائی کی، وہ ہکا بکا
 پروفیسر کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

”میں تمہیں اس قدر بے چین نہیں دیکھ سکتا، سگی اولاد کی طرح پیاری ہو گئی ہو، ایک ہفتہ ہٹا

ماہنامہ حنا (153) السٹ 2014

کر کھلایا ہے، کپڑے دھو کر رکھی ہو پتہ بھی نہیں چلا، صبح اٹھتا ہوں تو گھر صاف ستھرا نکھرا ہوا ملتا ہے، ہر چیز اپنی جگہ پر ترتیب سے رکھی ہوتی ہے، احساس ہوتا ہے، اولاد کا سکھ کیا ہوتا ہے، لوگ کیوں خدا سے اولاد مانگتے ہیں اور اولاد کو بڑھاپے کا سہارا کیوں کہا جاتا ہے، کیوں میرا دوست اپنے آوارہ گرد علی گوہر کے لور لور پھرنے پر پریشان ہوتا تھا، اب دھڑکا لگا رہتا ہے کہ تم کہیں چھوڑ کر نہ چلی جاؤ، تھانہ رہ جاؤں، عادی ہو گیا ہوں تمہارا، چھوڑ کر نہ جانا تم، خدا نے اولاد نہ دی مگر اولاد جیسی نعمت تو بھیج دی، بڑھاپے کا سہارا، اتنی محبت اور اتنا اسرار کے جس کا کوئی جواب نہیں ہے، امرت، حالدار، کبیر بھائی، علی گوہر، پروفیسر غفور، ذکا، کیسے کیسے لوگ زندگی میں آئے، آکر چپے گئے مگر اب یہ شفقت یہ احساس پتا ہے۔ "وہ بھی کہاں چاہتی تھی خدا گاہ سے لٹکنا وہ نہیں چاہتی تھی پروفیسر غفور کو چھوڑ جانا، وہ باپ کے طور پر قبول کر لیتا چاہتی تھی، کبیر بھائی کے بعد یہ بڑا سہارا تھے۔

"مجھے ابا کہو، تاکہ مجھے پتہ چلے کہ میں اولاد سے فیض یاب ہوا ہوں۔" بوڑھی آنکھیں اشک بار تھیں۔

"لوگ کہیں گے، باپ مسلم، بی بی عیسائی۔" وہ میلی آنکھوں سے مسکرائی بلکہ مسکرنے کی کوشش کی تھی۔

"لوگوں سے کہیں گے، محمد علیؑ اور عیسیٰؑ کا خدا ایک ہی ہے۔" بڑی لا جواب سی دلیل تھی، دل میں گھر کر گئی اس کے۔

جواب ایسا تھا کہ سوال سارے چپ کی اوڑھنی لوڑھے مطمئن ہو کر سو رہے، ایک اس کے دل کی کشتی ڈول رہی تھی، لا جواب ہونے کے بعد بھی کچھ سوال، اگر زندہ تھے تو یہ زندگی کی علامت بھی تھی اور کمزور انسان کے ایمان کے اطمینان کا سوال تھا، پہلا شیخ ایمان، اس کے بعد اطمینان تھا اور وہ دوسرے پہلے اس کے درمیان بے نام سی کھڑی تھی، کبھی عائشہ کلثوم، جو یہ یہ، نذیب اور اب امر کلہ اور مریم، ان سب میں وہ خود کہاں تھی خود اسے بھی اس کا علم نہ تھا، اگر علم تھا تو یقین نہ تھا اور اگر یقین تھا تو ایمان تھا، پھر ایمان تھا تو اطمینان نہ تھا، کشتی ہچکولے کھا رہی تھی جو ڈوبتی تھی پوری طرح سے اور نہ ہی کنارے کا نام لیتی تھی شاید اس لئے کہ نام بہت سے تھے اور کام بہت ناقص تھا۔

وہ اپنے ناقص علم کی بنیاد پر اندر ہی اندر ہچکولے کھاتی اور اس کی سوچ اور دور اندیشی، بوڑھی آنکھوں کی دم جھم اور نظر میں کم ہوتی گئی، رحم اور شفقت خدا کی وہ صفت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو عنایت کی ہے اور جب اس کا بندہ یہ صفت آزمائے لگتا ہے تو ہل بھر کے لئے کائنات کے تمام دکھ ساکت و جامد ہو جاتے ہیں۔

☆☆☆

"تمہیں یہ کام پورا تو نہیں کر رہا۔" وہ پرانے پرچے کھٹکانے لائبریری کے حصے میں آگئی تھی، اسے پرانے سلسلہ دار ادبوں کو تلاش تھا وہ سندھی کہانی پر تجزیہ لکھنے جا رہی تھی اس لئے سندھی کہانی کی پوری تاریخ دیکھنی ضروری تھی، حالانکہ خود اسے بھی کہانی کی کوئی خاص سمجھ نہ تھی بس وہ لکھتی تو

ماہنامہ حنا (154) اگست 2014

لکھتی ہی چلی جاتی تھی، اسے کہانی کی بھنیک سے کوئی سروکار نہ تھا، اسی لئے وہ کہانی کار کی بھنیک پر کوئی بات نہیں کر رہی تھی، وہ اس جزیات پر کسی اور سے رائے لے رہی تھی اس لئے اس نے بہت پرانے ادیبوں کے کائنات نمبر نکالے تھے ایک دو سے رابطہ ہو گیا تھا اسے کوئی تسلی بخش جواب تو نہیں ملا تھا، البتہ وہ دیگر سے کچھ امیدیں رکھتی تھی اسی لئے وہ مزید کھنگال رہی تھی اور خود وہ کہانی کے کرداروں، واقعات کی ہنت اور فیملی کو فو کس کر رہی تھی جس میں کچھ اعتراضات اس کے سر فہرست تھے اور کچھ حیرن کن چیزیں سامنے آئیں تھیں، اسی ناظم عمارہ اپنے روم سے اٹھ کر اس تک آئی تھی۔

”کام اپنی پسند سے نہیں کرنا ہوتا بلکہ کام کو پسند میں ڈھالنا مجبوری ہوتا ہے، حالانکہ میں صرف کام کر رہی ہوں، اس سے پسند کا کوئی تعلق نہیں اور یوریت کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔“

”بھیک کہتی ہو تم، میری کچھ مدد کرو گی۔“ وہ بہت سارے میگزین سنبھالے ہوئے تھی جو ابھی گرنے ہی لگے تھے، اس نے اس کے ہاتھ سے ایک دستہ لے لیا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”ان سب کا کیا کرنا ہے۔“

”یہ کچھ الگ کر لو بلکہ ان سے نام پڑھ کر ان کی کہانیاں الگ کر لو۔“ اس نے ایک چھوٹی سی لسٹ اسے پکڑاتے ہوئے دکھایا۔

”اس سارے کام کے تمہیں یہاں پیسے ملتے ہیں یا پھر یہ تمہیں کسی تقے سے نوازیں گے، ادبی بورڈ کی اعلیٰ خدمتگار کے طور پر، مجھے ان میں سے دونوں چیزوں کا امکان نظر نہیں آتا، نہ ہی ایسی کوئی امید رکھنا چاہیے۔“ وہ مسکراتے ہوئے ڈائری اور میگزین کے درمیان پلٹتے ہوئے کچھ مطلوبہ چیزیں ڈھونڈ رہی تھی۔

”تمہیں ایسے نادر خیالات سوچتے کہاں سے ہیں اتنی پریشاندوں کے باوجود بھی۔“

”عمارہ میں دراصل امرت کو گھر ہی چھوڑ آئی ہوں، یہاں صرف ایک ورکر کام کرتی ہے جو اپنی ذمہ داری پوری طرح سے نبھانا جانتی ہے، ضروری نہیں عمارہ کہ سارے ورکر چست ہوں تو بات بنتے، ابھی کبھار ایک ورکر بھی اگر ذمہ دار ہو جائے تو بات بن ہی جاتی ہے تھوڑی بہت۔“

”تم نے ہر کسی کے ساتھ نیکی کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہے کیا گوہر کی طرح۔“ وہ پرچے چھانٹ کر الگ کرتے ہوئے بیزارگی سے بولی۔

”علی گوہر تو لا جواب سا انسان ہے، میں بہت پسند کرتی ہوں اسے۔“

”ہاں مجھے پتہ ہے تم دونوں ایک دوسرے کو کتنا پسند کرتے ہو۔“ اس کا لہجہ کچھ روکھا سا ہو گیا تھا۔

”میں اسے اس کی نیچر اور شرافت کی وجہ سے پسند کرتی ہوں۔“ وہ وضاحت دینا ضروری سمجھ رہی تھی۔

”بہر حال جو بھی ہے میرا درد مر نہیں۔“

”ہونا بھی نہیں چاہیے، ویسے شادی کر لینی چاہیے اب تم دونوں کو اگر برانہ لگے تو میں بھیک ہی کہہ دی ہوں کیا خیال ہے۔“

ماہنامہ حنا (155) اگست 2014

"اسے اپنے حساب سے کوئی لڑکی ملے گی تو کر لے گا، پسند تو اسے بہت سی لڑکیاں ہیں ویسے مگر شادی....." وہ جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ گئی۔

"شادی بہر حال وہ تمہارے ساتھ کرے گا، تمہارا سنگیتر جو ہے۔"

"ہم لوگوں کی باقاعدہ سنگیتر نہیں ہوتی، بس گھر والوں کا خیال ہے۔" وہ پہلی بار اس کے ساتھ ہارل انداز میں بات کر رہی تھی۔

"وہ مجھے اپنی بہن بھی کہتا ہے، کبھی دوست کبھی کچھ تو کبھی کچھ، اس کا کوئی بھروسہ نہیں ہے۔"

"بڑے طے کی بات ہے میرا سنگیتر اگر مجھے بہن کہہ کر چھوڑ دے تو کیا ہی بات ہے، ویسے علی گوہر کا بھی کوئی جواب نہیں ہے وہ کسی اور کو پسند نہیں کرتا عمارہ۔" اس کے ذہن میں فوراً سے خیال آیا۔

"تمہیں ایسا لگتا ہے، یا اس نے کچھ کہا ہے؟" وہ مشکوک سی ہو گئی۔

"نہیں میں تم سے پوچھ رہی ہوں، مجھے کیوں بتائے گا وہ۔"

"کیوں تمہارے ساتھ تو بہت ساری گپ شب ہوتی ہے اس کی۔"

"کب ہوتی ہے تمہاری گپ شب۔" وہ حیرانی سے منہ دی۔

"لاسٹ ٹائم نہیں ہوتی تھی کیا؟" وہ اسے بغور دیکھ رہی تھی جیسے کہتا چاہ رہی ہو جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں۔

"اتفاق سے ہوئی تھی، وہ مجھ سے معذرت کرنا چاہ رہا تھا تمہارے رویے کی۔"

"اور تم نے اسے اسے سے ڈیڑھ بج اسٹوری بتادی، مجھے کہہ دیتیں کہ اتنی مختصراً کر چکی ہو تم میرے لئے، شکر یہ ادا کر دیتی ہیں، کوشش بھی کر لیتی احسان اتارنے کی بھی، اس سے شکایتوں کی پٹاری کھولنے کی کیا ضرورت تھی مجھ سے جتنی شکایات ہیں کہہ دیتیں۔" وہ میگزین میز پر بے ترتیب انداز میں پھینک کر کرسی سے اٹھی تھی، وہ تو شکر ہے اس وقت لاہور کی کے حصے میں ان دونوں کے سوا کوئی دور نہیں تھا اور نہ کوئی نزدیک ورنہ اس کے انداز کا نوٹس کون نہ لیتا جس طرح وہ رستے پھینک کر اٹھی تھی اور لہجہ تیز ہوا تھا۔

"میں کیوں شکایتیں کروں گی تمہاری اس سے، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہوگی عمارہ۔"

"ہاں غلط فہمی ہوئی ہے جس کی بنیاد پر اس نے مجھ سے جو بحث کی اور مجھے مجرم بنا کر شہرے میں لا کھڑا کیا، ایسا کون سا ظلم کر لیا تھا میں نے امرت، زیادہ سے زیادہ تم سے ابھی طرح سے بات نہیں کرتی تھی اور کیا ایسا تھا۔"

"مجھے تم سے کبھی کوئی اچھی امید رہی بھی نہیں عمارہ۔"

"یہ سچ ہے کہ مجھے دکھ ضرور تھا تمہارے رویے کا مگر یقیناً جانو میں گوہر سے کیوں کہوں گی، اگر ضروری ہوتا تو میں نہیں کہہ دیتی، میں کوئی تم سے ڈرتی تو نہیں تھی۔"

"امرت پلیز مجھے کسی قسم کی وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں تمہیں کس لئے وضاحت دوں گی میں تمہیں بتا رہی ہوں عمارہ۔"

"بہر حال تمہارا جو خیال تھا کہ علی گوہر کو میرے خلاف کر کے تم مجھے ریٹائر کرادگی یا اس کے

وجہ سے مجھ سے معافی منگواؤ گی تو یہ تمہاری خوش فہمی ہی ہے، تم نے جو کیا خود کیا، میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میرے لئے تم کسی محاذ پر کھڑی ہو جاؤ، پھر بھی تمہارا شکریہ، مگر معافی میں بہر حال نہیں مانگوں گی، چلتی ہوں۔" اس نے میز سے اپنا بیگ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔

وہ حیران پریشان سی انیسویں سے رسالوں کے ڈبیر کے بیچ بیٹھی رہ گئی تھی، اب دیر تک ساکت سی بیٹھی رہی تھی۔

"آف ہو گئی ہے آپ چلیں باہر رکشہ کھڑا ہے آپ کے انتظار میں۔" ملازم کچھ دیر میں اندر آیا تھا، وہ جب چپ چاپ آئی۔

"ان کا کیا کرنا ہے میڈم!" اس کا اشارہ رسالوں کی طرف تھا۔

"انہیں الگ کر کے رکھ لیں، میں کل دیکھوں گی۔" وہ غائب رہا غی سے کہتی ہوئی باہر نکل گئی، عمارہ ہمیشہ اسے پریشان ہی کرتی تھی، اس سے بات کر کے اسے کبھی کبھی ملا سوائے دکھ اور انیسویں کے۔

☆☆☆

"آٹھواں مہینہ، پہلا دن۔" کیلنڈر دیکھتے ہوئے پہلی بار ہاتھ کانپے تھے۔

"وقت کا حساب کتاب بڑی دشوار چیز ہوتی ہے، جان نکال دیتا ہے یہ وقت بھی نا، تو ایک مہینہ آٹھ دن میں، میں کیا کچھ کر سکتا ہوں کچھ کتنا قیمتی ہوتا ہے۔" پہلی بار احساس ہوا تھا، تو سب سے پہلے کیا کام کرنا چاہیے، گھر پہلے سے کچھ بہتر لگ رہا تھا، گھر کو مزید کچھ بہتر بنانے کا نہ وقت تھا نہ ہی ضرورت، تو کیوں نہ خود پر توجہ دی جائے اور دکھار لایا جائے، سب سے پہلے صبح سویرے شید کی چہرہ صاف کیا بال کنوائے پانی کے پاس جا کر، چار گرمیوں کے سوٹ لے کر سلوانے کو دیئے اور رخ کیا علی گوہر کے گھر کا، جو سب سے ضروری کام تھا، دروازے پر پتل لگی ہوئی تھی دروازہ پینے کی ٹوہٹ نہیں آئی تھی۔

"جی آپ کون؟" عمارہ ابھی ابھی دفتر سے گھر پہنچی تھی تھوڑی دیر پہلے ہی، اس نے سمجھا تھا گوہر آیا ہوگا۔

"مجھے علی گوہر سے ملنا ہے۔"

"وہ گھر پر نہیں ہے، کوئی پیج ہو تو دے دیں۔"

"تمہارا اہا گھر پر ہے؟"

"وہ بھی نہیں ہیں، آپ ہیں کون؟"

"تم مجھے نہیں جانتیں، پر میں تمہیں جانتا ہوں، عمارہ ہو تم۔"

"جی ہاں، میں عمارہ ہوں۔"

"عمارہ کیا ایک گلاس پانی کامل سکتا ہے، کیونکہ میں نے علی گوہر سے کہا تھا اس کے گھر کا پانی

پینے ضرور آؤں گا ایک دن۔"

"آپ پانی پینے کے لئے علی گوہر کے گھر آئے ہیں (تف ہے اس عقل پر)۔" وہ مسکرائی تھی

بے ساختہ۔

ماہنامہ حنا (157) اگست 2014

”تو مل جائے گا پانی بیٹے۔“

”ہاں ضرور ملے گا، میں آپ کو اندر بلا لیتی مگر اس وقت گھر پہ کوئی نہیں، اماں بھی نہیں ہیں۔“

پانی بہر حال لاتی ہوں۔“ وہ کہتی ہوئی اندر آئی کچن کی طرف پانی کا لافرتج سے اور لے آئی وہ

بھری دھوپ میں پسینے میں مثل تھے۔

”شکر یہ بچے۔“ انہوں نے گلاس تمام لیا دروازے کی چوکت پر بیٹھ کر پانی تین دقنوں سے

پیا اور اٹھے اسے گلاس پکڑا لیا۔

”میں علی کو ہر سے کیا کہوں کون آیا تھا؟“

”اسے کہنا کہ پروفسر آیا تھا، تمہاری چوکت پر بیٹھ کر پانی پیا، وعدہ پورا کیا اپنا، تم بھی ایک

چکر لگا لینا ایک مہینے آٹھ دن کے اندر اندر ورنہ شاید پروفسر کو نہ پاؤ گے، ابھی اس دیرانے میں، اب

بولو میں نے کیا کہا؟“ اس کے چہرے پر اچھے تاثرات دیکھ کر انہیں اندازہ ہوا کہ اس کے پلے شاید

ہی کچھ پڑا ہو۔

”پروفسر صاحب آئے تھے دروازے پہ بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا اس مہینے چکر لگا لینا،

بس یا پھر کچھ؟“

”ہم لفظوں کا ہیر پھیر ہے مگر بات پہنچا سکتی ہو۔“

”چلو ایک بات اور سنو۔“ وہ ذرا راز داری والے انداز میں کچھ نزدیک ہوئے۔

”پلیز آسان لفظوں کا انتخاب کیجئے گا۔“ اس کے چہرے پر صاف ہیزاری تھی۔

”اسے کہنا امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے۔“

”کون سی امانت، وہ سرخ کوٹ۔“

”اوہ وہ تو میرے بیٹے کا ہے ہاں چلو اسے کہنا اگر اسے وہ کوٹ پسند ہو تو رکھ لے میں حالاً

سے بات کر لوں گا، مگر میں ایک گھڑی کی بات کر رہا ہوں جس کی گروہ کسی سے نہیں کھلی۔“

”وہ تو کسی لڑکی کی امانت ہے شاید۔“

”اسی کو لوٹانی ہے۔“

”کہاں ہے وہ؟“

”یہ میں نہیں بتا سکتا، تم اسے کہنا پروفسر غفور کے گھر کا چکر لگا لے۔“

”اب اس کے گھر کا چکر کیوں لگائے وہ، وہاں کیا ہے؟“

”اف اوہ تم کہہ دینا بس، ٹھیک ہے یاد ہے نا۔“

”اب میں یہ سب دوبارہ نہیں بولوں گی۔“

”ٹھیک سے مکرر دے دینا اسے، کہہ دینا دیر نہیں کرنی چاہیے۔“

”بس یا پھر کچھ ہے، اس کے علاوہ مجھے کچھ یاد نہیں ہوگا۔“

”نہیں فی الحال کافی ہے یہ سب، اسے سلام بھی کہہ دینا۔“

”چلیں کہہ دوں گی۔“

”چلوں گا، خدا حافظ۔“

ماہنامہ حنا (158) اگست 2014

"اللہ حافظ۔" اس نے فوراً دروازہ بند کر لیا اور کندھی چڑھا دی۔
 "عجیب آدمی ہے۔" وہ بوڑھائی ہوئی اپنے کمرے کی طرف آگئی مگر ذہن اسی گٹھڑی کی
 طرف اشارے کر رہا تھا۔

☆☆☆

"نوکری نہیں تو کیا ہوا، مزدوری تو ہے، کام تو کام ہے، اپنا ہی کہا ہوا بیج کر دکھانا پڑا۔"
 کاغذات جیب میں رکھ کر پہلے اٹھایا، سینٹ بکری لٹا ملو بہ ڈھو کر اوپر تک لے جاتا تھا، لکڑی کی
 بیڑھی پہلی بار تانگیں کانپی لگ رہا تھا چکر آنے پر اگر پاؤں بے قابو ہوا تو دوسری منزل سے نیچے
 فرش پر، وہ ڈرتا پڑتا ایک باری کے بعد نیچے بے دم ہو کر بیٹھ گیا۔
 "کہا تھا بابو صاحب تمھ سے یہ کام نہیں ہوگا، بڑی مشقت والا ہے یہ دھندہ، ترس آ رہا ہے
 تمھ پر، بولو کتنا پڑھا ہے۔"

"ماشرز کیا ہے ادا۔" وہ مزدور کے ساتھ بیٹھا ہانپ رہا تھا۔
 "میری مان ہو گیا شوق پورا اب گھر جا کپڑے بدل اور کوئی اور کام ڈھونڈ، دھندے بہت
 ہیں، یہ کام مختل والا ہے نہیں کر پاؤ گے ہاؤ، اپنی تو جوانی کو ضائع نہ کر، کیا رنگ ہے گورا چٹا، چار
 دن میں جل جائے گا، کیا نین سٹل ہیں، کون سی لڑکی مزدور سے شادی کرے گی، اس سے بھلا ہے
 کچھ نہ کر، یا پھر قرضہ درخص لے کر کوئی کاروبار کر لے چھوٹا موٹا، ارے دوکان ہی کھول لے۔" وہ
 آدمی اس کی ہمدردی میں مرا جا رہا تھا۔

اس نے لپٹتے ہوئے جوتے پہنے اور ٹائی گلے سے نکال کر جیب میں رکھتے ہوئے اٹھا،
 کپڑے جھاڑے مگر سینٹ کے دھبے اور مٹی کے داغ سفید شرٹ پر چپک سے گئے تھے۔
 "کل پھر آؤں گا بھائی، مگر کل بابو والا نہیں مزدورں والا لباس پہن کر آؤں گا، پھٹی پرانی
 قمیض کوئی اور چھوٹا سا رد مال سہا کر آؤں گا کدھے پر، ڈھیر سارا تیل بالوں میں لگا کر آنکھوں میں
 سرما پہن کر کوئی تھیلا اٹھائے آؤں گا، پھر کل جو مزدوری ملے گی اسے ہا میں جیب میں چھپا کر
 جاؤں گا بنوہ بھی گھر چھوڑ آؤں گا اور ڈگری بھی، پھر نہیں آئے گا نہیں مجھ پر ترس۔" بات تو مسکرا
 کر کہی تھی مگر سننے والا پھر بھی مسکرا نہ سکا تھا اور وہ داغ دار لباس پہن کر مسکراتا ہوا سوچتا جا رہا تھا
 کہ گھر جا کر سب سے پہلے آئینہ دیکھوں گا اور خود کو اپنی اوقات بتانے میں آسانی ہو جائے گی۔

☆☆☆

"یہ کیا حالت بنائی ہے اپنی، آ کہاں سے رہے ہو، پھر کسی جگہ تو نہیں گئے تھے۔" وہ ابھی
 گیٹ سے اندر داخل ہی ہوا تھا۔

"اماں کہاں ہیں؟"

"اماں دوپہر سے گئی ہوئی ہیں کہیں ابھی لوٹی نہیں اور ہا ابھی ابھی لیٹے ہیں عصر پڑھ کر، مگر تم
 یہ کیا بن کر آئے ہو۔"

"کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" وہ فوراً کمرے میں گھس گیا اور بیس منٹ بعد نہا کر باہر آیا
 برآمدے میں جا ہلکا ہلکا بچھائی اور عصر ادا کرنے لگا، وہ جب تک اس کے لئے چائے بنا کر آگئی۔

ماہنامہ حنا (159) اگست 2014

”حردوری کرنے گیا تھا۔“ وہ اس سے چائے لے کر کرسی پر آ بیٹھا سر پہ ابھی بھی نماز والی ٹوپی پہنی ہوئی تھی، مگرے فکر کے کرتے میں وہ بہت سادہ نقیس اور سلجھا ہوا لگ رہا تھا خصوصاً اس طرح کی بات کرتے ہوئے تو کچھ زیادہ ہی، سلیپر سے پاؤں نکال کر وہ محسن کی طرف رخ کر کے بیٹھا ہوا چائے کے سیپ لینے لگا۔

”ہوش میں تو ہونا۔“ وہ اس کا بھرپور جائزہ لیتے ہوئے کرسی پر بیٹھ کر چاول پسنے لگی ایک بڑا سا تھاں گود میں رکھے۔

”ہوش میں آنے کی کوشش تو کی ہے، سوچا تھا تین سو پچاس روپے امیں کو کیسے دوں گا پہلی کمائی، شاید کل اس سے زیادہ دے سکوں تین سو پچاس روپے روز ک ملا کر کل کتنے نہیں گے ہمارے، تمہارا میٹھ مجھ سے زیادہ اچھا ہے۔“

”ٹوکل ساڑھے دس ہزار، تمہاری بیلری اسے پھر بھی کم ہی ہو گئے مگر ملا جلا کر کچھ نہ کچھ بن ہی جائے گا۔“ وہ اگلیوں پر گنتے ہوئے بولا۔

”تم سنجیدہ ہو گو ہر حردوری کرو گے تم؟“

”تو کیا ہوا حردوری کام نہیں یا حردوری کرنے کے بعد میں انسان نہیں رہوں گا حردور بن جاؤں گا۔“ وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہا تھا۔

”مجھے نہیں یقین آ رہا تم اتنی جلدی ہار مان لو گے گو ہر۔“ اسے قطعی پسند نہ تھا یہ آئیڈیا۔

”میں نے ہار کو شکست دی ہے یہ بتایا ہے خود کو میں بے کار نہیں ہوں نہ ہی کوئی کام بے کار ہے۔“

”تم ایسا کرو چلے جاؤ بورڈ، مجھے کسی اسکول میں کام مل جائے گا ویسے بھی یہ کام مجھے بہت پور کرتا ہے اور پھر جیسے میرے اور امرت کے حالات ہیں شاید ہی میں زیادہ دیر تک پاؤں، مجھے پتہ ہے چار دن ٹھہر کر اس نے میری کمپین کرنی ہے اور مجھے گیٹ سے باہر ہو جانا ہے۔“ وہ بڑے مزے لے لے کر بتا رہی تھی جیسے کوئی خوش گوار کہانی بتا رہی ہو۔

”تم نے پھر کوئی بحث کی ہے اس کے ساتھ۔“ اسے اندازہ ہو گیا۔

”کیوں کیا پھر شکایت تم تک ہیں بچی کوئی۔“

”ہمارے.... کیا کیا ہے پھر۔“ وہ بڑے افسوس سے دیکھنے لگا۔

”اس کا شکر یہ ادا کیا مگر معافی نہیں مانگی۔“

”ہمارے۔“ افسوس کے ساتھ بے چارگی شامل ہو گئی۔

”کیا ہوا، اب تم ہر کسی کے لئے اتنے پریشان مت ہو جایا کرو۔“

”میں کتنی بار اس سے معافیاں مانگوں گا تمہاری وجہ سے۔“

”تو مت مانگو معافی تمہیں کس نے کہا ہے معافی طلبی کرنے کو۔“

”تمہیں ملتا کیا ہے اسے ہرٹ کر کے، اس کی انسلٹ کر کے۔“

”تمہیں تکلیف کیوں ہوتی ہے گو ہر ہڑب ٹرپ جاتے ہو اس کے لئے۔“

”میں نے سمجھا تھا مگر رتے وقت کے ساتھ تم سمجھو ہو جاؤ گی، مگر تمہارا آئی کیو لیول بجائے

ماہنامہ حنا (160) اگست 2014

بڑھنے کے گھٹنا ہی چار ہا ہے، تیز، لحاظ، محبت نہ سہی مروت ہی سہی اور دی سہی مگر نہیں، تمہارے خانے سے ان چیزوں کی یا تو ایکسپانڈ ہو چکی ہے یا پھر سرے سے کی گئی، مجھے اس سے بات کرنا پڑے گی، پتہ نہیں اب وہ مجھ سے بات کرے گی یا نہیں۔" وہ پریشان سا ہوا تھا۔

"کر لینا بات مجھے پتہ ہے تمہارے اندر سب کا احساس ہوتا ہے ساری لڑکیوں کا درد کھائے جاتا ہے تمہیں، میں بھی جانتی ہوں تم سے بات کر کے کچھ ملتا تو نہیں سوائے ملامت کہ مگر کسی کا بیج تھا جو تمہیں دینا تھا۔" وہ چاول صاف کر چکی تھی، اٹھتے ہوئے اسے جتا کر بولی تھی جو اسے نظر انداز کر کے فون اسٹینڈ کی طرف بڑھا تھا۔

"کوئی ملک آیا تھا تم سے ملنے کے لئے پیغام دے گیا ہے۔" وہ نمبر ڈائل کرتے ہوئے رکا مگر اس کی طرف دیکھا نہیں۔

"درد اڑے کی چوکھٹ پر بیٹھ کر پانی کا گلاس پیا اور کہا علی گوہر سے کہنا وعدہ پورا کر لیا ہے۔" بال لیے تھے، بڑی سی دائی، بے ترتیب حلیہ، ایسا تھا، وہ اس بات پر فون رکھ کر فوراً حوجہ ہوا تھا۔ "ہال ٹارل تھے، کئے ہوئے، تازہ شیو کی گھی شاید، دائی نہیں تھی، مونچھیں نہیں، حلیہ بس ٹھیک تھا۔"

"کیا کہا اور اس نے؟"

"امانت لوٹانے کا وقت آ گیا ہے، پروفیسر غفور کے گھر جاؤ اور ایک مہینے کے اندر ملنے آنا، وقت کم ہے وغیرہ وغیرہ۔" وہ کچھ سمجھتے نہ سمجھتے ہوئے اسے دیکھنے لگا۔

"اور ہاں وہ سرخ کوٹ اس کے بیٹے کا ہے شاید پروفیسر صاحب، اوہ..... اور کیا کہا۔"

"بس شاید یہی کہا تھا۔" اس نے ذہن پر زور دینے کی پوری کوشش کی۔

"اس طرح نہیں کہا ہو گا جیسے تم کہہ رہی ہو۔"

"ہاں، اب جیسے بھی کہا تھا مطلب تو یہی ہونا۔"

"پروفیسر غفور کے بارے میں کچھ اور کہا؟"

"نہیں بس یہی کہ کھڑی لے کر چلا، امانت لوٹانی ہے۔"

"اوہ۔" وہ اب پوری بات سمجھ گیا۔

"یہ بھی کہا کہ وقت بہت کم ہے؟" اس نے پلٹے ہوئے پوچھا۔

"ہاں شاید کہا تھا۔" وہ تھال اٹھائے کچن کی طرف چلی گئی، وہ تیز تیز قدموں سے اپنے

کمرے میں آ کر تجوری کھولنے لگا، وہ سرخ کوٹ پہن کر کھڑی اٹھائی اور جیب میں اڑسی نہیں قدموں بائیک نکالی کمرے عجلت میں نکل گیا۔

"گوہر بات سنو، گوہر جا کہاں رہے ہو بات تو سن لو بھئی۔" وہ پیچھے کچن کی کھڑکی سے آوازیں دیتی رہ گئی۔

☆☆☆

وہ عصر کا وقت تھا جب پروفیسر غفور کا سیدہ کچھ زیادہ تنہا ہو گیا تھا اور وہ درد اڑے کی چوکھٹ پر بیٹھی سرگشوں پر لگائے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

ماہنامہ حنا (161) اگست 2014

جب انہوں نے سلام پھیرا تھا اور اس کی طرف دیکھا اور اسے اشارے سے پاس بلایا، وہ وہاں سے اٹھ کر ان کے نزدیک آ بیٹھی تھی۔

”کیا چاہیے میری مریم کو؟“ ایسے پوچھا جیسے کوئی ماں بچے سے پوچھتی ہے، یا پھر باپ بچے سے پوچھتا ہے، کیا چاہیے تاکہ دنیا کی ساری خوشیاں تمہارے قدموں میں ڈھیر کر دوں۔

”پتہ نہیں مریم کو کیا چاہیے ابا۔“ پہلی بار ابا کہا تھا ایسے کہا جیسے کوئی بچہ بہت سے کھلونوں میں سے کسی ایک کا انتخاب نہ کر پاتا ہو۔

”میری بچی کو کیا چاہیے؟ میری مریم کو۔“

”مریم کو خدا جانے کیا چاہیے پر مجھے سکون چاہیے ابا۔“

”کس سے چاہیے سکون، بولو کس سے بات کرو۔“ ایسے پوچھا جیسے کوئی تحمل والا استاد نادان بچے سے رعایت کر کے آدھا سوال پوچھ لیتا ہے یا سوال پوچھتے وقت اشاروں میں آدھا جواب تو خود دے دیتا ہے۔

”اپنے خدا سے کہیں مجھے سکون دے دے۔“

”اپنے خدا سے کہوں مجھے سکون دے دے، ویسے ہی کہا جیسے استاد خود نادان بچہ بن کر دکھاتا ہے اور غلطی کرتا ہے تاکہ شاگرد اصلاح کرنا سکھ جائے۔“

”اپنے خدا سے کہیں اے پیارے خدا امر کلہ کو سکون دے دے۔“ امر کلہ تھک گئی تھی۔

”بہت ٹھوکریں کھائی ہیں ابا جی، بہت تھک گئی ہوں، زندگی نہیں چاہیے، صحت بھی نہیں چاہیے کچھ بھی نہیں چاہیے سوائے سکون کے اور اطمینان کے۔“ ایسے روئی تھی جیسے بچے ماں باپ کے آگے روتے ہیں، جب پرچے میں نمبر نہیں لے پاتے، جب کارکردگی نہیں دکھا پاتے، جب اسکول سے ہیدل آتے آتے تھک جاتے ہیں، جب ٹیچن سے پاؤں شل ہو جاتے ہیں، تو وہ بے بسی سے ماں باپ سے لپٹ کر رو لیتے ہیں۔

”یا اللہ! میری بچی امر کلہ کو سکون بھی دے اور اطمینان بھی محبت بھی دے اور ایمان بھی، سلامتی بھی دے اور سرخ روئی بھی، زندگی بھی دے اور صحت۔“

ایسے دعا مانگی جیسے ایک کے بجائے اے دس فرمائشیں پوری کرنی کی کوششیں کرتے ہیں، سفارش پوری ہی تھی اور امر کلہ اے کا ہاتھ پکڑ کر ایسے روئی ایسے روئی کہ چپ ہونے کا نام بھی نہیں لے رہی تھی یہاں تک کہ عصر اور مغرب کا وقت گزرنے لگا۔

☆☆☆

اے عشق تہا کچھ تو ہی تہا

اب تک یہ مہر حل نہ ہوا

ہم میں ہے دل بے تاب نہیں

یا آپ دل بے تاب ہیں ہم

موٹر ہائیک جہاز کی طرح اڑی تھی اور اڑ کر جیسے پہنچ گئی، نگلی میں کھڑی کی، چابی نکالی، تالا ڈالنا بھی یاد نہ رہا اور مہر و فیسر غفور کا دروازہ بچنے لگا۔

ماہنامہ حنا (162) اگست 2014

دتر کی پہلی رکعت تھی، جب ذہن کا تسلسل ٹوٹنے لگا، دروازے کے دھڑا دھڑ بچنے پر دل دھک دھک کر رہا تھا، دوسری رکعت میں یا اللہ، خیر دل سے نکل رہا تھا، تیسری رکعت تک ماحول پور منتشر ہو چکا تھا، سلام پھیرا، نہ دعا کی نہ تسبیح، تسبیح انگلیوں پر کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھا جا رہا تھا، گلی پڑی تھی۔

”خیر ہے سب، علی کو ہر تم؟“ تسبیح کرتے ہاتھ رکے تعجب سے۔

”اس وقت یار، سب خیریت ہے نا، اپا تیرا ٹھیک ہے۔“

”سب ٹھیک ہے، اندر آ جاؤں۔“ وہ بے چینی سے دروازے کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔

”آ جاؤ، اس وقت، اچانک، تو اب مغرب نہیں پڑتا کیا؟“

”پڑھ لوں گا قضا (ظہر بھی گئی مغرب بھی قضا ہوئی)۔“

”اچھا ٹھیک ہے آ جاؤ۔“ تسبیح پوری کرتے ہوئے چاہ نماز اٹھا کر طے کر کے رکھی اور چٹری اٹھا کر صحن میں آ گئے۔

وہ بے چینی سے پورے گھر کا جائزہ لے رہا تھا، آنکھوں میں آنکھوں سے، ایک انکوتا کمرہ تھا اس گھر کا جس کا دروازہ پورا کھلا تھا ایسے کہ کمرے کا ہر ایک کونہ نمایاں تھا جیسے میں لگے دروازے کے کھلنے پر اس کے آگے برآمدہ، وہیں چھوٹا سا کچن کا منظر پیش کرتا ہوا ایک کونہ، ایک چوکی، ایک چولہا، چند برتن اور ایک چھوٹا سا فریج دو کرسیاں ایک میز، چھوٹا سا صحن جس میں دو چار پانیوں کے بعد ٹھوڑی سی جگہ ہی بچتی تھی، ایک طرف چار کھلے ایک طرف باہر کی دیوار، تیسری طرف دروازہ جو باہر کھلا تھا، پورا گھر ہی سامنے تھا۔

”کیا چاہیے علی کو ہر، کس چیز کی تلاش لے رہا ہے۔“

مناسب الفاظ کی تلاش میں رات ہی تمام ہو جاتی تھی، اس نے بس الفاظ کا چناؤ کیا بکھرے بے ترتیب ٹوٹے ٹھٹھ۔

”امانت، لڑکی، کوئی لڑکی ہے، آپ کے پاس یہاں، کسی کو دیکھا، یہاں کوئی اور ہے، ملنا ہے۔“

”اوہ..... اچھا..... ہاں تم نے کہا تھا کہ کوئی بھی لاوارثوں کی طرح گھڑی اٹھائے یا تھپلا تھپتے سچ سڑک یا سڑک کے کنارے کوئی لڑکی پریشان دکھائی دے تو اسے اپنے ساتھ لے آنا، میں لے آیا، کون بھی وہ؟“ دیوار سے لگ کر کھڑا تھا۔

”نام اپنے بہت سارے بتاتی تھی نہ پتہ، نہ ٹھکانہ۔“

”پروفیسر ملے تھے اس سے، ہاتھ جیب پر رکھا تھا جس میں خزانہ تھا۔“

”ہاں میں لے گیا تھا اس کے پاس۔“

”وہ امریکہ بھی۔“ وہ ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا۔

”ہاں اس نے آج مجھے بتایا کہ اس کا نام امریکہ ہے، بلکہ اس طرح کہا کہ امریکہ کے لئے دعا کریں اسے سکون چاہیے۔“

”کبیر بھائی کہاں ہیں؟“

ماہنامہ حنا (163) اگست 2014

”کون میں کسی کبیر بھائی کو نہیں جانتا لڑکے۔“

”جن کے ساتھ وہ میلے تھے۔“

”اس سے پہلے کہاں تھی نہیں معلوم۔“

”مجھے اس بارے میں واقعی نہیں پتا، ہو سکتا ہے پروفیسر کو بتایا ہو فنکار بڑا چالاک آدمی ہے کچھ تو پوچھ ہی لیتے ہو گا، اتنا تو اندازہ ہے مجھے کہ وہ ملاقات ناکام نہیں گئی ہوگی، میں تو سو گیا تھا۔“

چھڑی فرش پر نکائے چھڑی کے ایک سرے پر دونوں ہاتھ رکھے اسٹول پر جم کر بیٹھے تھے۔

”مجھے اس سے ملنا ہے، ایک امانت لوٹانی ہے اس کی۔“

”وہ شاید تم سے منسلک ہے، جیسی تو تم اس کی غیر موجودگی میں آئے ہو۔“

”وہ ہے کہاں، پلیز مجھے بتائیں۔“ وہ دیوار سے ہٹ کر ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

”آج چرچ گئی ہوگی، کہہ رہی تھی خدا کو تلاش کرنے جا رہی ہوں، جب تھک گئی تو لوٹ آؤں گی، رات تک اس نے آ جانے کا کہا تھا، آج پہلی بار اسے عبادت کا شوق ہوا تھا، میں نے کہا جیسے عادی ہو ویسے پکار دو اسے۔“

”کہنے لگی مسجد، مندر، مگر جا؟“

”میں نے کہا، تمہیں وہ کہاں ملا؟“

”کہنے لگی ملا ہی نہیں۔“

”میں نے کہا تو ڈھونڈو، اپنے پرانے طریقے سے ہی، پھر مجھ سے اجازت لی اور چل دی۔“

”کیوں جانے دیا آپ نے اسے، کچھ دیر تو روک لیتے۔“ وہ فرش پر بیٹھ گیا، چہرہ تاریک تھا۔

”سب آئے گی وہ، آئے گی بھی یا نہیں؟“

”آج اس نے مجھے اپنا کہا ہے، اصولاً تو آ جانا چاہیے، اس کا کوئی لھکانہ بھی نہیں، کہہ رہی تھی

تھک گئی ہوں، مجھے لگتا ہے لوٹنے کی۔“

”سب... سب لوٹنے کی؟“

”آج رات ہی لوٹنے کی، مگر کئے گی یا نہیں، یہ نہیں معلوم۔“

”آج صبح سے دل دھڑک رہا تھا کسی خدشے کے تحت، لگ رہا تھا کچھ غلط نہ ہو، مغرب کی

نماز بھی منتشر ہو گئی، مگر وہ آئے گی ضرور دل کہتا ہے میرا۔“

”ساری رات یہاں بیٹھا رہوں گا، بس ایک ملاقات، بس آخری بار ہی سہی۔“

”آخری بار کی بہت جلدی نہ کر شہزادے، ہو سکے تو اس ملاقات کو نال دے، طول دے

دے، اب نہ سہی، پھر بھی، تو چلا جا، وہ آئے گی تو تمہارا پیغام دے دوں گا۔“

”میں نہیں جاؤں گا، کبھی نہیں جاؤں گا، ایک بار ملوں گا، امانت لوٹاؤں گا، ساری رات بیٹھ کر

گزار دوں گا۔“ وہ ضدی بچے کی طرف چوکت چکر بیٹھ گیا۔

سبحانہ ہو، مسحور ہو، ہمیں انتظار قبول ہے

وہ کبھی ملیں، وہ کبھی ملیں، وہ کبھی سہی، وہ کبھی سہی

ماہنامہ حنا (164) اگست 2014

”خدا نہ کر علی گوہر، زندگی نے ہمیں بھی بڑے صدمے دیئے ہیں۔“
 ”مگر حوصلہ نہیں مرا، تو کہہ آج نہیں تو پھر سہی، پھر نہیں تو پھر سہی، آج اگر اختتام ہوا تو لمبی
 دھول اڑے گی، کیا پتہ آج آغاز ہو۔“ عجیب خوش بھی نے دل پکڑ لیا۔
 اسے دیکھنے کی جولوگی تو سخیردیکھ ہی لیں گے ہم
 وہ ہزار آنکھ سے دور ہو، ہو ہزار پردہ کشیں سہی
 ”یہی وقت ہوتا ہے چامتے میں خواب دیکھنے کا، کوئی نہیں روک سکتا جنہیں، مگر وہ لگتا ہے
 خوابوں سے نکل آئی ہے، اگر اس نے جنہیں نہیں پہچانی، اگر آج اختتام ہوا علی گوہر؟ تو تیرے
 خوابوں کی عبارت ڈھے جاتی ہے، میں چاہتا ہوں تو امید پر جیسے، کبھی سہی، کبھی سہی۔“
 ”بھولی امید پر جیوں، آج نہ ملا تو شاید خوش گمانیاں عمر بھر کے لئے مرجائیں گی، جو ہو سو آج
 ہو، (تھانہ دل نادان)۔“

جو ہو فیصلہ، وہ سنائیے، اسے حشر پر نہ اٹھائیے
 جو کریں گے آپ ستم وہاں وہ ابھی سہی وہ سہیں سہی
 ایک ہی رٹ تھی جو وہ لگائے بیٹھا تھا، سرخ کوٹ پہنے ایک جوگی چوکٹ پڑے بیٹھا تھا،
 رات کو اسی طرح تمام ہو جاتا تھا۔

☆☆☆

”رات پوری ہو گئی غمارہ، فجر ہونے لگی ہے، میرا علی گوہر ابھی تک نہیں لوٹا۔“ محن میں پڑی
 چار پائی پر سیدھی لیٹیں وہ آسمان کی طرف دیکھتے بولیں ماندا زہ تھا کہ وہ بھی جاگ رہی ہے۔
 ”آجائے گا اماں، رات گزر گئی ہے اب آجائے گا۔“
 وہ جو چادر کے ایک کونے سے آنکھ لگا لے ارد گرد دیکھ رہی تھی سیدھی ہو کر ٹوٹے بکھرے
 قائب ہوتے ہوئے تاروں کے کھیل تماشے دیکھنے لگی۔
 ”وہ آجائے گا نا، کہاں گیا تھا وہ، جنہیں تو پتہ ہو گا نا۔“ ماں کے دل کو کسی طرح سے قرار نہیں
 تھا جب تک اسے دیکھ نہ جاتی تھیں نہیں آتا تھا۔
 ”آجائے گا اماں، بہت دنوں سے روزا ہسٹری نہیں کی تھی نا، آوارہ گردی کرنے گیا ہو گا، آ
 جائے گا صبح تک، سو جائیں فجر میں ابھی تھوڑا نام ہے۔“
 ”سو گئی تو فجر نکل جائے گی، تو سو جا، جنہیں صبح ڈیوٹی پر جانا ہے، مگر پہلی ڈیوٹی فجر ہے۔“
 ”اتھا دینا اماں اذان ہوتے ہی کچھ منٹ آنکھ لگ جائے تھک گئی ہوں، پوری رات جاگی تھی
 خود سے لڑتے تھک جاتا ہے بندہ۔“ اس نے آنکھیں بند کیں، نیند پلوں کے کناروں پر کھڑی
 جہانک رہی تھی۔

☆☆☆

”جس خدا کی تلاش میں لوگوں نے زندگیاں دے ڈالیں وہ تجھے ایک رات میں کہاں لے گا
 ہر کل۔“ جے جے سے ہا ہر نکلتے ہوئے بھی دل اتنا ہی خالی تھا جتنا خالی دل لے کر آئی تھی، مگر ایک
 لحاظ اس تھی کہ تلاش کا آغاز تو ہوا، علی گوہر نے کیا خوب کہا کہ

ماہنامہ حنا (165) اگست 2014

"ہو سکتا ہے آغاز ہی ہو، اسے کوئی سیدھا سادھا طریقہ زندگی چاہیے تھا کیونکہ وہ پھر الف سے آغاز کرنا چاہتی تھی۔"

"جن کو ایک لمحے میں خدا مل جاتا ہوگا، وہ بھی کچھ خوش نصیب ہونگے اس جہان میں، مگر کتنی کٹھنائیوں کے بعد یہ کوئی ان سے پوچھتا۔" خالی دل لے کر اس نے واپسی کا راستہ لیا، آج لوٹ آنے کا وعدہ جو کیا تھا کسی سے اور لیا بھی کہا تھا۔

"میں چلی گئی تو کہاں جاؤں گی، مگر ان کا بھی کیا ہوگا، بستر کون سیٹے گا، کپڑے کون دھوئے گا ان کے، کھانا کون بنائے گا، کپڑے پر چھڑی بجا کر کون جگائے گا، ابا کون کہے گا اسے۔"

"اور جیسے کون رکھے گا، کون جینی کہے گا، کون سہارا دے گا کما کر کھلائے گا، خیال رکھے گا، خدا کی طرف جانے والے رستوں پر روانہ کر کے پھر گھر لوٹنے کا کہے گا، کون میرے نہ لوٹنے پر میرا انتظار کرے گا، لمبے چانچے گا، پل گئے گا۔"

کوئی خیال اٹنے قدموں واپس لے آیا تھا، رات تمام ہوئے کوٹھی، ابھی کسی سواری کا ملنا بھی دشوار تھا، وہ چرچ سے تین بجے کے درمیان پیدل نکلی تھی، پاؤں شل ہو گئے تھے۔

"کھانا نہیں کھایا ہوگا ابے نے، انتظار کرتا ہوگا۔" لمحہ لمحہ بھاری تھا، قدم تیز پھر چکے، پھر تیزی پکڑتے، گھر سے دو گئی آگے کا رستہ تھا، سوز تھا، وہ سانس لینے کے لئے رکی تھی اور رکی رہ گئی۔

اس کی طرف اس کی پشت تھی، وہی سرخ کوٹ جو پہلی ملاقات پر پہن کر آیا، نشانی کیا تھی اس نے سفید رنگ کے کپڑے کی پشت پر ایک پٹی چسپاں کی تھی، بچے دھاگے سے سی تھی، موٹے

موٹے نائکے نمایاں تھے، اندھیرا اتنا بھی نہ تھا، اندھیرا چھٹ رہا تھا، چودھویں کی رات تھی اور سے ہر کچھ دکھائی دیتا تھا۔

"حالار تم لوٹ آئے کس لئے، کس کے لئے، حالار وہی جسم امت وہی قدامت، وہی اسٹائل ہال بھی پیچھے سے وہی، جیسی تو فنکار نے قائم مقام شہزادہ بتایا تھا علی گوہر کو۔" سائیڈ پوز سے

جب چہرہ مڑ کر سامنے آیا تو وہ رنگ رہ گئی، حالار کے روپ میں علی گوہر تھا۔

"یہ کہاں تھی۔" وہ اوٹ میں ہو گئی، چپ گئی۔

"یہ تو وہی کوٹ تھا، پیچھے سے حالار سامنے سے علی گوہر۔"

حالار نے جیسے رخ پھیر لیا تھا اور علی گوہر جیسے بے تاب تھا کیا بے چینی تھی اس کے چہرے پر، کیا حلال تھا، وہ ساکت رہ گئی، دل جیسے دھڑکنے بھول گیا، کہانی نے کیا رنگ بدلا تھا، جب علی گوہر نے شکستہ انداز میں رخ بدلا تھا، پھر ہار تسلیم کی تھی۔

وہ وہیں رکی تھی گھر سے دو گئی دور، نہ ادھر ہوئی نہ ادھر دل چاہ رہا تھا اسے آواز دے دو، آخری بار مل لو۔

مگر یہ آخری بار کتنا مشکل ہوتا ہے، آخری بار وہ امرت سے بھی ملی تھی تب بھی سانس اٹکی تھی، آخری بار وہ کبیر بھائی سے ملی تھی تب بھی خود کو سنبھالنا مشکل تھا، آخری بار اس سے حالار بھی ملا تھا، تب بھی زندگی رک گئی تھی اور اب آخری بار علی گوہر آیا تھا، جس کے ہاتھ میں کپڑے کی ٹکڑی تھی، یہ آخری بار ایسا تھا، جس نے بقیہ روح کو جسم سے کھینچ کر نکال دیا تھا، یہ آخری بار ایسا تھا جب جان

ماہنامہ حنا (166) اگست 2014

ایک جانی تھی اور راستے سارے ختم ہو جانے تھے، منزل کو کوئی سرانہ پہنچا تھا اس لئے اس نے رک ہوئی سانس کو بحال کیا اور اسے آواز نہ دی، اسے نہیں روکا۔
 آگے سے علی گویا، پیچھے سے حالہ کی طرح چلتا تھا، مڑ کر نہیں دیکھتا تھا، شاید ایک بار مڑ کر دیکھتا تو اسی موڑ پر تھا کہ امر کلہ نہیں سامنے تھی، مگر وہ پیچھے اگر مڑ کر دیکھ لیتا تو شاید پتھر کا ہو جاتا۔
 اس لئے دل گرفتہ لئے وہ تھکے قدموں سے لوٹ رہا تھا پشت پر کسی کی گہری نگاہیں تھیں جسے علی گویا نے اپنا وہم سمجھا تھا اور آنسو بائیں ہاتھ سے بے دردی سے رگڑے تھے۔

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں
 منزل پہنچنے ہی دو ایک
 اے اٹل زمانہ قدر کرو
 نایاب نہیں کم باب ہیں ہم
 زحمتوں کے اگر ملکوں ملکوں
 ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

(جاری ہے)

☆☆☆

ابن انشاء کی کتابیں

طنز و مزاح سفر نامے

- اردو کی آخری کتاب،
- آوارہ گرد کی ڈائری،
- دنیا گول ہے،
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں،
- چلتے ہو تو چین کو چلئے،
- نگری نگری پھر اسافر،

شعری مجموعے

- چاند نگر
- اس بستی کے اک کوپے میں
- دل و دشت

لاہور اکیڈمی

۲۰۵ سرگرم روڈ لاہور۔

ماہنامہ حنا (167) اگست 2014

اس کا سوسائٹی

چودھویں قسط

ستارا اسے دیکھ کر ایک دم حیران اور کھینچا ہوا ہوئی۔
 ”وہ طلال سے منہ سے مجھے۔“ اس نے شوہر
 بخت کے پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”آپ میں۔“ وہ پیچھے ہٹ گیا۔
 ستارا اندر چلی، طلال ہیڈ پر لٹے ہوئے دروازے پر
 اسے کیونکر اٹھ کر بیٹھ گیا، وہ آگے بڑھ گئی۔

”اسلام میکم!“ ستارا نے دھیرے سے کہا،
 طلال خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔
 ”کیا خیال ہے؟ کام کی بات کریں؟“
 طلال کا ہنسنے لگا۔ ”تو جیکہ شاہ بخت حیرت
 میں کم چپ پیپ ایک طرف گھڑا تھا۔“
 ”جیکہ ہے۔“ ستارا نے بھی وہ ٹوک کہا۔
 ”اس نے مجھے بہتے رہنے کا کہہ دیا ہے آپ

ناولٹ

”مجھ کا میں۔“ طلال نے کہا، ستارا صوفے پر بیٹھ
 گئی۔
 ”یا جاننا ہے آپ کو۔“
 ”آپ کو اور میں کی زندگی کی اصل بیچہ۔“
 ”میں نے بتانا چاہا تو۔“ طلال کا
 انداز تھکا، یہ تو وہ جان گیا تھا کہ یقیناً نوافل
 نے اسے بتا دیا تھا۔
 ”مجھے آپ کی مرضی، میں بہر حال آپ سے
 زبردستی تو جبر بھی نہیں پہنچا سکتی۔“ وہ اسی طرح
 ناراض انداز میں بولتی ہوئی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
 ”یقیناً دیکھ لیا میں، میں آپ کا بہت احترام
 کرتا ہوں اور میرا آپ سے تو بہر حال کوئی جھگڑا
 نہیں ہے۔“ طلال نے قدرے، پر سکون ہوتے
 ہوئے کہا۔
 ”آئی لے تو میں یہاں آئی ہوں تاکہ وہ
 لحاظ دیاں وہ کر سکوں جو آپ کے اور نوافل کے





درمیان ہیں۔“

”نہیں وہ غلط فہمیاں نہیں ہیں، وہ سچ ہے، جب آپ کو سچ کا پتا چلے گا تب آپ بھی انہی کا ساتھ دیں گے۔“ اس نے لہجے میں سچی کی آمیزش کی تھی۔

”میں کس کا ساتھ دوں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا ابھی آپ مجھے بتائیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں میرے اور ان کے متعلق؟“ اس نے فوراً سے اپنے مطلب کا سوال کیا تھا۔

طلال چند لمحے خاموشی سے زمین کی طرف دیکھتا رہا، پھر اس نے سر اٹھا کر شاہ بخت کو دیکھا اور چوٹکا جیسے اس کی یہاں موجودگی سے ابھی آگاہ ہوا ہو۔

”ارے یار تم کیوں کھڑے ہو بیٹھو ناں۔“ اس نے کہا۔

”میرے خیال سے میری یہاں ضرورت نہیں ہے تم جب فارغ ہو بتا دینا میں چلا آؤں گا ابھی میں چلتا ہوں۔“ بخت کو اپنا آپ غیر ضروری لگا تھا چہاں اس نے کہہ دیا۔

”بالکل نہیں ادھر ہی رکو۔“ طلال نے فوراً رد کا تھا۔

”لیکن یہ خالصتاً تمہارا معاملہ ہے میرا کرنا مناسب نہیں لگتا۔“ اس نے اس بار قدرے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا تھا۔

”تم کہیں نہیں جا رہے ہو، کہہ دیا نہ پس اور تم سے بڑھ کر میرا ذمہ کچھ بھی نہیں ہے۔“ اس نے کسی قدرے افسردہ مگر مان بھرے انداز میں کہا تھا، اب شاہ بخت کو رکن لازمی ہو چکا تھا، جہاں وہ خاموشی سے ایک کرسی پر بیٹھ گیا، طلال نے ستارا کو دیکھا۔

”جی آپ کچھ پوچھ رہی نہیں۔“

”آپ کے اور ان کے درمیان جھگڑے کی

وجہ؟“

”یہ جھگڑا تو شاید ہماری پیدائش سے ہی شروع ہو گیا تھا۔“

”کیا مطلب؟“ وہ چونکی۔

”میں اور نونگل ٹوئز ہیں۔“ اس نے انکشاف کیا۔

”کیا واقعی؟“ ستارا حیران رہ گئی۔

”جی ہاں۔“ وہ طنز یہ بنسا۔

”پھر۔۔۔؟“ اس نے تجسس سے پوچھا۔

”پھر کیا، بس شخصیات اور مزاج کا فرق، وہ

رحمہل میں سنگدل، وہ نرم گو میں تلخ گو، وہ

پر سکون سمندر میں جھلٹا آتش لٹاں، وہ بے غرض

اور میں خود غرض، وہ سخی اور میں بخیل، وہ عالی

ظرف اور میں کم ظرف، تو آپ ہی بتائیں آخر

آپ سکاٹ کا فرسٹ ہیں، ڈاکٹر حیدر کے ساتھ کام

کر چکی ہیں آپ کو پتا ہو گا کہ شخصیتوں کے اتنے

تضاد کے بعد دو لوگ کبھی اکٹھے نہیں رہ سکتے۔“

اس کے انداز سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بلیٹن نثر

کر رہا ہو، لہجے میں اتنی لا پرواہی تھی جیسے کسی غیر

متعلق شخص کی بات کر رہا ہو۔

”میں آپ کی بات سے قطعی اتفاق نہیں

کرتی، شخصیتوں کا کتنا ہی تضاد کیوں نہ ہو، مگر

میں رہنے والے افراد ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں۔“

ستارا نے اسے ٹوکا۔

”معاف کیجئے گا یہ آپ کی پاکستانی

سوسائٹی کا دستور ہے جہاں یہ فارمولا اپلائی ہوتا

ہے، یورپ میں لوگ اس قسم کی پابندیوں سے

قطعی مبرا ہیں۔“ طلال نے صاف کوئی سے کہا۔

”چلیں مان لیں ہم اذلی مجبور لوگ ہیں مگر

اتنی سی بات پر ایک بھائی دوسرے بھائی کو کم از کم

گولی نہیں مار سکتا۔“ ستارا کا انداز پہلی بار تلخ ہوا

تھا۔

ماہنامہ حنا (170) اگست 2014

شاہ بخت شمشدر رہ گیا، کہانی اس کی سمجھ میں خود بخود آرہی تھی طلال اور معصوب بھائی تھے اور ستارا، طلال کی بھابی، کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر دونوں بھائی آپس میں متصادم ہوئے اور نتیجتاً اسے کوئی لگ گئی۔

”تو یہ وجہ آپ نے ان سے کیوں نہ پوچھی؟“ طلال کے ماتھے پر شکن آگئی۔

”یہی جاننے کے لئے تو آپ کے پاس آئی ہوں۔“ اس نے اپنا دفاع کیا، طلال چند لمحوں خاموش رہا۔

”میرے باپ نے ایک ٹیکس سے شادی کی تھی، جس سے ہم دونوں بھائی پیدا ہوئے، نوفل کو ان سے جنونیت کی حد تک محبت تھی، بہت بچپن سے ہی وہ ہمیشہ ان کے قریب رہا، ان سے لگا کر، ان کے ساتھ سونے کو چلتا اور گورنمنٹ کے لاکھ سنبھالنے پر بھی وہ رہتا رہتا، ماما اور پاپا دونوں کو یہ بے باکی بڑی اچھی لگتی تھی، اس لئے وہ خوش تھے اور اس خوشی میں، میں کسی کو یاد نہیں تھا، نہ ہی میرا کوئی حصہ تھا، مجھے لگتا تھا یہ جگہ میری ہے ہی نہیں، میں چھپے ہوا گیا، یہاں تک کہ ان تینوں سے بہت دور ہو گیا۔۔۔۔۔“ وہ بات کرتا کرتا رک گیا، اس کی آنکھیں پر سوچ انداز میں سگری ہوئی تھیں۔

شاہ بخت خاموشی سے پلکیں جھپکاتے بغیر اسے دیکھ رہا تھا اور ستارا بے چینی سے اس کے بولنے کا انتظار کر رہی تھی۔

”پھر کیا ہوا؟“ وہ بول اٹھی۔

”پھر بس کچھ ماحول کا اثر، تربیت کی کمی، ایسے دوستوں کا ساتھ اور میری فطری بدبختی، مجھے اپنی ماں پسند نہیں تھی، شی وائز ٹیکس، میں اس کا تعارف کروانا پسند نہیں کرتا تھا، میرا اور نوفل کا ساری زندگی یہی جھگڑا رہا ہے، اگرچہ وہ بہت نرم

دل اور صلح جو انسان تھا مگر میری فطرت میں اتنا کینہ اور بغض نہ ہوتا تو شاید بہتری کی کوئی صورت نکل آتی، بہر حال جب میری نفرت کا راز میرے گھر پہ عیاں ہوا تو سب کچھ ختم ہو گیا، پہلے میرا گھر میں داخلہ ممنوع ہوا پھر نوفل کا مجھ سے رابطہ منقطع ہوا اور پھر میری ماں بھی ختم ہو گئی۔“ وہ اپنے بارے میں اس قدر سرد دھری سے بات کر رہا تھا جیسے کوئی روڈ ٹوٹ بول رہا ہو۔

ستارا کو جھٹکا لگا تھا، اسے نوفل کا طیش اور غم یاد آیا جب اس نے زبردستی وہ البم دیکھنا چاہا تھا اور جب اس نے غلط فہمی کی بنا پر انہیں میڈ بول دیا تھا۔

”آپ میرے اور ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟“ ستارا نے مطلب کی بات پہ آتے ہوئے کہا۔

اسے معلوم تھا وہ شخص تو گونگا بن چکا تھا وہ کسی قیمت پہ نہیں اسے سچ بتائے گا اور اسے یہ بھی پتا تھا کہ مہر و کمال سے اس کی طلاق کا معاملہ اتنا سیدھا ہرگز نہ تھا جتنا اسے نوفل نے بتایا تھا۔

”نوفل بن معصوب، جس شخص کا نام ہے میری خوش قسمتی کہ وہ میرا بھائی ہے میں اس کی بغض جانتا ہوں، اس کی سوچ جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے میرے اختیار کی حد شروع ہوتی ہے وہ مجبور ہے کیوں کہ راز کو فلو کرتا ہے اور میں آزاد کیوں کہ قانون بتانے والے میری ایک کال پر لائن حاضر ہو جاتے ہیں، اسے لگتا ہے جو کچھ اس نے آپ کے معاملے میں کیا اور کر دیا میں اس سے بے خبر ہوں؟ یہ اس کی بھولی ہے وہ بے خبر یہ نہیں جانتا کہ میں نے اس کا کام کتنا آسان کیا تھا، بہت سی جگہوں پر سامنے آئے بغیر اس کی حد کی تھی۔“ وہ اب کی قدرے اکڑا اور غرور سے پتہ

اس جگہ اور مقام پر ہی نہ جاتے اور شاید یہ بھی

”بعض دفعہ حادثے صرف آپ کی بد
احتیاطی اور بد بختی کی وجہ سے نہیں ہوتے بلکہ یہ
کچھ دوسرے لوگوں کے لئے ایک دھمکی، سبق اور
نصیحت ہوتے ہیں تاکہ وہ اپنے انہام سے ڈر
جائیں مگر صد افسوس انسان سبق سیکھنے کی بجائے
دنیا کی مختصر زندگی کی بے ثباتی سے ڈرنے کی
بجائے اپنے اعمال پر غور اور فکر کی نگاہ ڈالنے کی
بجائے سب کچھ اپنی بدقسمت پر ڈال کر رونا
پیشا شروع کر دیتا ہے۔“

”مہا تیمور“ کا حادثہ بھی ایسا ہی حادثہ تھا
شاید اگر یہ حادثہ نہ سمجھا جاتا ایک سبق سمجھا جاتا تو
روپیوں میں بدلاؤ آ جاتا، مگر الزام ہمیشہ کی طرح
نشانہ بعد پر آیا بلکہ اس کی اسید مصطفیٰ نے اسے
بہ عرصہ کر دیا، آخر یہ اس کی غلطی اور لامرہ وادی تھی
کہ وہ بے گینت ہوا۔

وہ تینوں معہ شفق ہو سہیل میں ہی تھے اسید
اب ڈاکٹر کے روم میں تھا جہاں فی الحال کسی اور کو
آنے کی اجازت نہیں دی گئی تھی، تیمور اور مریدہ کو
بھی نہیں وہ ڈاکٹر سے اس کی جسمانی سنڈیشن
کے متعلق تھیں، چاہتا چاہ رہا تھا ڈاکٹر سافان نے
بغور اس کی شکل دیکھی اور انہیں بہت کچھ یاد آ
گیا۔

ذرا سی سال پہلے ہونے والا وہ خودکشی کا
واقعہ اور پھر اسید کا وہ یہ انہیں بہت اچھی طرح یاد
تھا کس طرح ان پر یہ راز عیاں ہوا تھا کہ وہ تیمور
احمد کی بیٹی تھی، انہیں یہ بھی یاد تھا کہ تب انہوں
نے کہا کہ بری سنڈیشن کی وجہ سے اس کا
فریٹسٹ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اسید کو ان
کی منتیں سمجھیں کر کے انہیں سنا پڑا تھا مگر آج
معاہدہ یکسر مختلف تھا۔

ماہنامہ حسنا (172) اگست 2014

نہیں کس کو ہاؤر کروا رہا تھا۔
”میرے معاملے میں؟ کیا کیا تھا انہوں
نے؟“ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ بے چینی
سے سوال کیا۔

”یہ تو آپ کو پتہ ہوتا چاہیے۔“ طلال نے
اس بار طنز کیا۔
”نہیں میں نہیں جانتی۔“ وہ فوراً بولی۔

”آپ مجھے بے وقوف بنا رہی ہیں؟ آپ
کو کیا لگتا ہے آپ مجھے یہ بات کہیں گی اور میں
تسلیم کر لوں گا، ناممکن، وہ شخص آپ کے بغیر
سائنس نہیں لیتا، ایسے کیسے ممکن ہے کہ آپ کو
پانے کی داستان اس نے آپ کو نہ سنائی ہو۔“
طلال نے تیوری چڑھا کر نفی سے کہا۔

”میں نے کہا تھا طلال مجھے کچھ معلوم نہیں
ہے جینے بیوقوف۔“ ستارا نے لہجہ میں انداز میں کہا
تھا۔

طلال نے بے یقینی سے اسے دیکھ جیسے
اندازہ لگاتا چاہ رہا ہو کہ بیان کی صداقت کس حد
تک ہو سکتی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا، بڑی
تیزی سے اندازہ پہنچا گیا، وہ تینوں چھوٹے
دستک بڑی زور دار تھی، شاہ بخت ہے سائنس اپنی
جگہ سے اٹھتا۔

”میں دیکھوں؟“ اس کے اجازت لینے
والے انداز میں طلال کو دیکھا، طلال نے اٹھائی
انداز میں سر کو جنبش دی تھی، شاہ بخت نے آگے
بڑھ کر دروازہ ان لاک کیا تھا، جب بڑی تیزی
سے اسے دھکیل کر نوافل بن محصب اندر آیا تھا،
نوافل کو دیکھ کر ستارا کو اپنی ٹانگوں سے جان لگتی
ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

جہاں جہاں

حادثوں کی کوئی وجہ اگر ہوتی تو شاید یہ کہ
لوٹ بد احتیاطی نہ کرتے اور شاید یہ کہ کاش وہ

آج اسید مصطفیٰ کی حیثیت بدل چکی تھی۔
آج وہ اس قابل تھا کہ ایسے کئی ہسپتال صرف
ایک سٹخ سے بند ہو سکتے ہیں، ہاں تیمور احمد نے
سیج کہا تھا، "کل کا زیر آج کا زیر بن چکا تھا"
اب ان کے سامنے ایس پی اسید مصطفیٰ تھا، تین
ہسپتال پہلے کا ایک عام انسان اور نئی ادارے کا
یچھے اور نہیں تھا۔

انہیں بات شروع کرنے میں مشکل پیش آ
رہی تھی، انہوں نے پانی کا ٹھونٹ لیا اور سیدھے
ہو کر قہرے آگے کو جھٹک آئے۔

"اس ایکسیڈنٹ میں مہا با نہیں رخ سے
گھری تھی، جس کی وجہ سے اس کا بایاں حصہ
ہڈیوں کی زد میں آ کر شدید متاثر ہوا ہے سب
سے پہلے پیرے کی بات کروں گا، آنکھ بمشکل کھلی
ہے مگر زخم بہت گہرا ہے جو کہ گال پہ پھیلا ہے جلد
برقی طرح پھٹ گئی ہے جڑے کی ہڈی بھی متاثر
ہوئی ہے مگر کوئی بڑا فزیکل نہیں ہوا، اسی طرح ہاتھ
کا جوڑ اپنی جگہ جموز گیا ہے جسے پلستر لگا دیا گیا
ہے، ٹانگ پر دو تین گہرے زخم ہیں جن سے خون
نہ دینا بہ ہے اسی وجہ سے انہیں خون کی ضرورت
پڑی تھی، عام طور پر ڈاکٹرز کی کوشش یہی ہوتی
ہے کہ پیرے پہ اگر کوئی کٹ لگ بھی جائے تو
ات بہت جلد تھج سے کور کر دیا جائے، مگر کچھ
یہ لیس ہنڈیشن میں جب اسلچر لگانے کا گزیر ہو
جائے تو میرا یہ اصول ہے کہ میں سر پرست سے
ایک مرتبہ ضرور اجازت لے لیتا ہوں، اب
حالات کچھ یوں ہیں کہ ہمارے چہرے کا زخم کافی
خراب ہے اسلچر لگانا پڑے گا اور اس سے اس
کے چال پہ ہمیشہ کے لئے نشان رہ جائیں گے، مگر
اس معاملے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں
کیونکہ صاحب حیثیت لوگ سرجری کروا لیتے ہیں
اور اگر آپ سرجری نہ بھی کروانا چاہیں تب بھی

آج کل ایسی میڈیسن مارکیٹ میں دستیاب ہیں
کہ نشان مدغم پڑ جاتے ہیں، پھر بھی انہیں مکمل
ٹھیک ہونے میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ لگ
جائے گا، ہسپتال سے ہم انہیں دو دن بعد
ڈسچارج کر دیں گے، گھرانہ کی کیئر کرنی پڑے
گی آپ کو اور سب سے بڑھ کر ان کی ذہنی حالت
کا دھیان رکھنا پڑے گا۔" وہ تفصیلی بات بتانے
کے بعد طویل سانس لے کر بے سوش ہو گئے۔
اسید سانس روکے انہیں دیکھ رہا تھا زندگی
کی اس کردت پر دوسرے صبر کر سکتا تھا۔

وہ کافی کے دنگ لے کر روم میں آئی تو روم
خالی تھا، سے ٹرے ٹیبل پر رکھتے ہوئے واش روم
کی طرف دیکھا مگر وہاں صرف پیر کی تھی۔
وہ قدرے الجھ گئی، پھر اس کی نظر ٹیرس کی
طرف پھلتے والی سٹائڈنگ ونڈو پر پڑی، جو کہ
کھلی ہوئی تھی وہ قدرے حیران سی آگے بڑھ
آئی، جہاں شاہ بخت ٹیرس کی ریلنگ کے ساتھ
پشت ٹکائے کھڑا تھا اس کا سارا وجود اندھیرے
میں ڈوبا تھا اور اس کے ہاتھ میں جلتا تھا شعلہ
سگریٹ کا تھا۔

دل درد کا ٹکڑا ہے
پتھر کی ڈلی سی ہے
اک اندھا کنواں ہے یا
اک بندگی سی ہے
اک چھوٹا سا لکھ ہے
جو تم نہیں ہوتا
میں نا کھ جا، نا ہوں
یہ بھسم نہیں ہوتا

علینہ برقی طرح ٹٹکی تھی وہ تو شاہ بخت کی
شخصیت کا یہ پہلو قطعاً فراموش کر چکی تھی اور اب
جیسے سب کچھ یک لخت اس کو یاد آ گیا تھا، اسے وہ

ماہنامہ حنا (173) اگست 2014

ساری باتیں یکدم بھول گئیں جو وہ اس سے ابھی کرنے آئی تھی، شاہ بخت نے گردن موڑ کر اسے آتے دیکھا اور ایک بازو پھیلا کر اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔

علینہ نے خفا سی نظر اس پر ڈالی اور اس کے ہاتھ میں دبے سگریٹ پر، پھر ایک طرف کھڑی ہو گئی، شاہ بخت اس کی خاموشی کا ماخذ جان کر گیا، اس نے سگریٹ ٹیرس کے فرش پر پھینکا اور جوتے سے مسل دیا اور علینہ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بازو پھیلا دیا وہ اس کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اس نے خود ہی اسے ساتھ لگالیا۔

"کیا بات ہے؟ چپ کیوں ہو؟" بخت نے ایک ہاتھ سے اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

"ویسے ہی۔" وہ آہستہ سے بولی، آواز اتنی آہستہ تھی کہ شاہ بخت بمشکل سن سکا تھا۔

"اوں ہوں ویسے ہی کیوں؟" اس نے لبوں سے علینہ کا ہاتھ چومنا، اس کے ہونٹوں سے اٹھتی سگریٹ کی سمیل علینہ کی حس شامہ نے فوراً محسوس کی تھی، اس کے اندر بے چینی دور آئی۔

"ہتا نہیں۔" اس نے شاہ بخت کے سینے میں منہ چسپا کر بازو اس کے گرد لپیٹ دیئے، شاہ بخت نے ایک طویل سانس لیا تھا، یہ حصار نہیں تھا کوئی تار عنکبوت تھا جس سے وہ چاہ کر بھی نہیں نکل سکتا تھا۔

"کیوں ہتا نہیں۔" وہ اس بار قدرے جھلا گیا۔

"کیا ہے نہ تنگ کرو۔" وہ ناک اس کے سینے سے رگڑتے ہوئے رہنمیدار تھی۔

"کس وجہ سے اداس ہو ہتاؤ نا علینا؟" وہ پیار سے اس کا چہرہ اوپر کر کے پوچھ رہا تھا۔

"تمہاری اپنی دوست سے بات نہیں ہوئی

آج؟" اس نے بڑے عام سے انداز میں پوچھا تھا۔

علینہ چونک گئی، اس نے بے ساختہ سر اٹھا کر اسے دیکھا، وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا، اس نے ایڑیاں اٹھا کر شاہ بخت کی ٹھوڑی کو چوما۔

"نہیں ہوئی اور وہ اتنی اہم نہیں کہ میں روز روز اس سے بات کرتی پھروں۔" وہ پھر سکون سے اس کے سینے پہ سر رکھتے ہوئے بولی تھی، شاہ بخت کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ آ گئی۔

"ٹھیک ہے پھر کوئی اور وجہ ہے؟" اس نے کہا۔

"تھک گئی ہوں۔" علینا نے کہا۔

"کیوں؟" وہ اس کی شکایت پہ حیران ہوا تھا۔

"گھر میں آج بہت کام تھا تم تو چاہ نہیں کہ صرگم تھے، میں نے اتنا انتظار کیا، تم نہیں آئے۔" وہ شکایت کر رہی تھی۔

"بس پار ایک دوست سے ملنا تھا، وہاں اس کے کچھ گھریلو مسائل سامنے آ گئے بس اس میں وقت گزر گیا۔" وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

"دمش آپی کے دن ملے کرنے آئے تھے آج وہ۔" اس نے بخت کو بتایا۔

بخت نے ہاں میں سر ہلا دیا، انداز سے لاپرواہی ظاہر تھی جیسے اسے کوئی سروکار نہ ہو۔

"اچھا اندر چلیں؟ سردی بڑھ رہی ہے۔" بخت نے کہا، وہ سر ہلاتی ہوئی اندر کی طرف مڑ آئی۔

بخت نے اس کے ساتھ آتے ہوئے سلائڈنگ وغیرہ بند کر کے آگے پردے کھینچ دیئے۔

علینہ نے تختی سے بندھے ہوئے بالوں کو کھولا اور ڈھیلے سے جوڑے کی شکل دیتی بیڈ پر

بیٹھ گئی، شاہ بخت نے جوتے اتارتے ہوئے اسے دیکھا۔

”انہی کپڑوں میں سونے کا سوڈ ہے؟“
”بہت نہیں پہنچ کرنے کی، بہت ٹھیک مٹی ہوں۔“ اس نے سر پہ ہاتھ رکھ کر کہا۔

”ارے تو پھر کیا ہوا لباس تبدیل کرنے میں کیا وقت لگتا ہے چلو اٹھ جاؤ ورنہ کافی بھی ٹھنڈی ہو جائے گی۔“ بخت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا، وہ تسستی سے اٹھ کر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ واپس آئی تو شاہ بخت کافی کانگ تقریباً ختم کر چکا تھا، وہ سیدھا آکر بیڈ پہ لیٹ گئی، بخت نے دیکھا اس کے چہرے پہ واقعی محسوس اور خند کے آثار تھے اس نے کافی کانگ ایک طرف رکھا اور اس کا سراپا گود میں رکھ لیا، علینہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آگئی، وہ آہستہ آہستہ اس کے شانے اور بازو دبانے لگا، علینہ ایک دم بڑبڑا گئی۔

”کیا کر رہے ہو چھوڑو۔“ اس نے بخت کا ہاتھ جھٹکا۔

”کیوں؟ میں نہیں کر سکتا؟“ وہ حیران ہوا۔

”نہیں اچھا نہیں لگتا۔“ وہ ٹوک کر بولی۔

”یہ کیا فضول بات ہے، میرا حق ہے تم پر، دیکھو صرف یہ تمہارا ہی فرض نہیں کہ تم جب میں تھکا ہوتا ہوں تو تم میرا سر دباؤ، ابھی بازو بھی، تم بھی محسوس ہو گھر میں، مجھے تمہارے چہرے سے اندازہ ہوگی کہ تم واقعی تھکی ہوئی ہو تو میں نے دبانے شروع کر دیا، اس میں ایسا کیا مسئلہ ہے، ہاں اگر تم مجھے روکو گی تو مجھے اور بھی برا لگے گا، فرمائیں صرف بیوی کے ہی نہیں ہوتے شوہر کے بھی ہوتے ہیں، میری اماں کوئی حرف نہیں آئے گا اگر میں تمہارا خیال رکھوں گا تمہیں احساس دلاؤں گا

کہ مجھے تمہاری پرواہ ہے، زندگی باہمی رضا مندی عزت احترام اور خلوص سے گزرتی ہے عیناً، تم میری بہت پیاری بیوی ہو، میری چھوٹی سی گڑیا، جس سے میرا دل بہلتا ہے۔“ اس کی آنکھوں میں اب شرارت چمک رہی تھی۔

”تو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو میرا کیا بنے گا؟“ وہ اس دیا، عیناً نے زور سے ہاتھ کاٹیج بنا کر اس کے سینے پہ مارا تھا۔

”خود غرض۔“ اس نے خنایچے میں کہا تو اور زیادہ کھلکھلایا دیا تھا۔

علینہ کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ آگئی، اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

”علینا کس کی جان ہے؟“ اس نے روز کا سبق دہرایا تھا۔

”بخت کی۔“ علینا نے بند آنکھوں اور مسکراتے لبوں سے جواب دیا اور بازو اس کے گرد سما کر کے کروٹ بدل دی، اس کے ہر انداز سے بخت کی طمانیت اور آسودگی نے شاہ بخت کو مشکل میں ڈال دیا تھا۔

”کیا وہ اس لڑکی پر انگلی اٹھا سکتا تھا؟“
”کیا وہ اس لڑکی کی پاکیزگی پر شک کر سکتا تھا؟“

☆ ☆ ☆

شفق روتی ہوئی اس کے پاس آئی تھی۔
”بابا!“ وہ ہلکتے ہوئے اسید سے لپٹ گئی، اسید نے اسے گود میں لے کر بے ساختہ پیار کیا اور اس کے بال سنوارے۔

”بابا کی جان کیوں رو رہی ہے؟“ اس نے شفق کے آنسو صاف کیے، وہ اس وقت حیا کے روم میں تھا، ڈاکٹر کے مطابق اسے ہوش آنے والا تھا، اب وہ اس کے کندھے پہ سر رکھے سسک رہی تھی، اسید اس کی کمر سہلاتے ہوئے اسے

ماہنامہ حنا (175) اگست 2014

تھی، اسید اسے دیکھا، ہاس کے پاس بیٹھا ہوا۔
 "تم ہر چیز پہ شک کر سکتے ہو اسید، میری
 محبت پہ بھی شک نہ کرنا، میں نے تم سے بہت
 محبت کی ہے۔" اس نے روتے ہوئے اسید سے
 کہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو جاؤ، مجھے یقین ہے
 تمہارا۔" وہ اس کا ابھری نسوں والا ہاتھ تھام کر نرم
 آنکھوں سے بڑبڑایا تھا۔

☆ ☆ ☆

ستارا نے بدحواسی سے نونل کو اپنی طرف
 آتے دیکھا اور بے ساختہ کھڑی ہو گئی، نونل کا
 رنگ سرخ تھا اور غصے سے اس کی آنکھیں آگ
 اگل رہی تھیں، اس نے جھپٹ کر ستارا کا بازو پکڑا
 تھا۔

"کس کی اجازت سے آپ یہاں آئی
 ہیں؟" وہ بلند آواز میں چلایا تھا، ستارا خوفزدہ سی
 اسے دیکھ رہی تھی، طلال اور شاہ بخت بھی خاموشی
 سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

"میں آپ سے کچھ پوچھ رہا ہوں ستارا۔"
 اس نے سختی سے ستارا کا بازو پھوڑ کر دوبارہ اپنا
 سوال کیا تھا۔

"میں پاپا سے پوچھ کر....." اس نے ہشکل
 حلق سے آواز نکال کر بولنا چاہا تھا، مگر غصے کی
 شدت سے پاگل ہوتے نونل نے فوراً اس کی
 بات کاٹ دی۔

"بس کر دیں فضول باتیں مت کریں،
 آپ کو ایک دفعہ بھی خیال نہیں آیا مجھ سے پوچھنے
 کا میں ہر گز کیا تھا کیا؟" وہ دھاڑا تھا۔

"کس بات پہ سین کر بیٹ کر رہے ہیں
 یہاں تمنا شامت بنائیں۔" طلال نے سختی سے
 کہا۔

نونل کے غصے اور کھولن میں کچھ مزید اضافہ

بہانے لگا۔

"ماما، مرگئی بابا؟" وہ خوفزدہ انداز میں
 تاروں اور پٹیوں میں جکڑی جا کو دیکھ کر اسید
 سے سوال کر رہی تھی، اسید کا دل جیسے پکلا گیا۔

"اتھ نہ کرے، نہیں بیٹا، ماما بیمار ہیں۔" وہ
 ہشکل حوصلہ جمع کر کے بولا تھا، شفق اب اسی
 ڈرے ہوئے انداز میں جا کو دیکھ رہی تھی۔

جا کو ہوش آ رہا تھا مریخ اور تیمور بھی
 کمرے میں آ گئے تھے جا کی بند چمکیں پکے پکے
 لرزیں اور پھر کچھ جدوجہد کے بعد اس کی آنکھیں

کھل گئیں اندر کو درحقیقتوں سے انی ہوئی کمزور
 اور سوچی ہوئی آنکھیں چند لمحوں پر کئی رہیں
 پھر آہستگی سے زاویہ بدل کر کمرے میں موجود

اشخاص پر جم گئیں، سب سے پہلے ان آنکھوں
 نے اسید کو دیکھا، سر سے پیر تک وہ صحیح سلامت
 تھا، وہ آنکھیں احساس تشکر سے بھگ گئیں، پھر

انہوں نے اسید کے کندھے سے لگی نور شفق کو
 دیکھا، ہاں مقام شکر تھا کہ اس کی بھی صحیح سلامت
 تھی پھر انہوں نے مریخ اور تیمور کو دیکھا تھا، اس

کے سب اپنے وہاں تھے، وہ کس قدر خوش قسمت
 تھی۔

"جا کیسی ہو؟" ماما بے تابی سے آگے بڑھ
 کر اس سے پوچھ رہی تھیں، اس نے بولنا چاہا مگر
 اسے یکلفت احساس ہوا کہ اس کی زبان حرکت

کرنے سے قاصر تھی، ذرا سا زور لگانے پر اس
 کے سارے چہرے سے درد کی ناقابل بیان
 نہیں اٹھنے لگیں اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا،

اسید نے بے تابی سے اس کے آنسو صاف کیے
 تھے اور ڈاکٹر کو بلانے لگا۔

ڈاکٹر نے انہیں پیچھے ہٹا دیا اور خود جا کا
 چیک اپ کرنے لگا، کچھ دیر بعد اسے پھر سے
 مسکن ادویات کے زیر اثر سلا دیا گیا، وہ سو گئی

واہگ کون تھی؟“ اس نے دھا کہ کیا تھا، نونل کا رنگ بدل گیا تھا، ستارا نے چونک کر اسے دیکھا۔
”شٹ اپ طلال، آگے ایک لفظ مت بولنا۔“ نونل نے منھیاں بچھ کر اسے وارننگ دی تھی۔

”کیوں کیوں نہ بولوں، آپ تو جھوٹ نہیں بولتے نا تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا کہ مہرہ کمال سے طلاق کا سودا دس لاکھ ڈالرز میں ہوا تھا، انہیں یہ بتایا کہ کنجن پوری کے جس کالج میں انہوں نے عدت کے ماہ گزارے وہ آپ کا تھا، آپ تو دغا باز نہیں ہیں نا؟“

”تو پھر آپ نے انہیں یہ بتایا کہ آپ نے یہاں شفٹ ہونے کا فیصلہ کیوں کیا؟“ وہ ایک کے بعد ایک سچ بولتا، اس کے راز کھول اس کے حیروں تلے سے زمین کھج چکا تھا، ستارا کا رنگ یوں زرد تھا جیسے ہلدی پھیری ہو۔

نونل بھی ابھی تک بے یقین تھا، یہ سب تو اس کی اپنی انتہائی ذاتی باتیں تھیں ان سے طلال کب اور کیسے آگاہ ہوا ستارا پر تو جیسے پہاڑ ٹوٹا تھا۔

”نونل!“ ستارا نے بے یقینی سے اسے دیکھا، آج پہلی بار نونل کو اس کی آنکھوں میں ٹوٹے اعتماد کی کرچیاں نظر آئی تھیں۔

”نونل یہ جھوٹ ہے نا؟ کہہ دیں نا یہ جھوٹ ہے پلیز، نونل پلیز۔“ وہ اس کا بازو پکڑ کر بدحواسی اور بے یقینی سے پر لہجے میں آنکھوں میں آنسو لئے بے یقینی سے سوال کر رہی تھی، نونل نے نظریں چرا لیں یا پھر شاید نہیں بلکہ نونل کو نظریں جھانا پڑ گئیں اور اس کا نظریں جھانا قیامت ہو گیا، اس کے بازو پر رکھا ستارا کا ہاتھ درخت کی ٹوٹی ہوئی ڈال کی طرح نیچے گرا اور چہرہ بے یقینی کی دھند سے دھواں دھواں ہو گیا۔

ہوا تھا، وہ ستارا کو بھول کر اس کی طرف مڑا تھا۔
”تم سچ میں بولنے والے ہوتے کون ہو، کس نے اجازت دی ہے تمہیں ہمارے معاملے میں مداخلت کرنے کی؟“ نونل پہاڑ کھانے والے انداز میں بولا تھا۔

”کیوں نہیں بول سکتا میں؟ حق ہے میرا۔“ طلال بھی دو بدو مقابلے پر آ گیا۔

”جو تمہارا حق تھا وہ تمہیں مل تو گیا ہے۔“ نونل نے استہزاء سے انداز میں کہا اشارہ گولی لگے بازو کی طرف تھا، طلال کا رنگ آن کی آن میں سرخ پڑا تھا۔

”تو آپ ان سے یہ کیوں نہیں پوچھتے کہ یہ یہاں کیا انٹرویو میٹ کر کے آئی تھیں۔“ طلال نے چیخے ہوئے لہجے میں کہا۔
”کیا مطلب؟ کہنا کیا چاہتے ہو؟“ نونل نے چونک کر پوچھا تھا۔

”جو آپ سمجھنا نہیں چاہتے، خود سوچیں ایسا کچھ تو چھپایا ہے نا آپ نے ان سے جسے جاننے کے لئے انہیں میرے پاس آنا پڑا۔“ وہ اب کی بار جتانے والے انداز میں بول رہا تھا۔

”جسٹ شٹ اپ، میں نے ستارا سے کچھ نہیں چھپایا اور میں چھپاؤں کا بھی کیوں؟ میں نونل بن مصعب ہوں تمہاری طرح دغا باز اور جھوٹا نہیں ہوں۔“ اس کے لہجے میں اتنی اکڑ، اتنا غرور تھا کہ تقدیر نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا، وہ انجان ذی نفس نہیں جانتا تھا کہ اس نے اپنے حیروں پہ خود کھانا مار لیا تھا۔

”اچھا آپ تو پاک صاف ہیں نا؟ فرشتہ صفت اور ریاکاری سے مبرا ہے نا۔“ طلال کے چہرے پہ حد درجہ کی سرد مہری تھی اور لہجے میں بلا کا زہر تھا۔

”تو کیا آپ نے انہیں یہ بتایا ہے کہ شانی

"ایسا نہیں کر سکتے آپ میرے ساتھ، نہیں۔" وہ ایک قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بڑبڑاتی تھی، نوفل نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی طرف کھینچا، پھر اس نے طلاں کو دیکھا۔

"تم نے سب کچھ تباہ کر دیا طلاں، تم نے دشمن ہونے کا حق ادا کر دیا، آج کے بعد میرے سامنے مت آنا ورنہ میں اپنے آپ کو شوٹ کر ڈالوں گا۔" وہ خوشی لہجے میں کہتا ہر نقل گیا، ستارا اس کے ساتھ ٹھسٹ رہی تھی، اس کی بڑی سی بھاری شاں اس کے سر سے اتر گئی تھی، وہ دوسرے ہاتھ سے سر پہ شاں درست کرنے کی کوشش کرتے اپنے بہتیاں نسوؤں کے ساتھ اس کے ساتھ کھسکتی چلی گئی۔

وہ گاڑی میں بیٹھے اور نوفل نے گاڑی نقل اسپید سے وہاں سے نکالی تھی، سسکیاں در سسکیاں گاڑی میں گونج رہی تھیں اور نوفل کے اعصاب کا امتحان نہیں بے حد ریش ڈر رہا تھا کہ وہ صبر نہیں تو شام ڈھل رہی تھی۔

بے جان قدموں سے چل کر وہ اندر آئی تو بیڈروم کی روشنی جلائے بغیر بند پہ بیٹھ گئی، چادر اس کے پیروں میں لٹک آئی تھی مگر اسے کوئی ہوش نہ تھا، آنسو ایک سیلاب کی مانند اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، اس کے کانوں میں طلاں کے الفاظ گونج رہے تھے۔

"ڈس لاکھ ڈالر میں سودا۔"

"شانی دایک؟"

"کنچن پوری کے کانچ میں مگرے عدت کے ماہ۔" کیا کر دیا تھا نوفل صدیق نے اس کے ساتھ؟ درد سے اس کا دل پھٹ رہا تھا۔

ہو ہو ہو

"مغل ہوس" میں رمف کی شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں اور اب کی بار علینہ

بھی ہر کام میں شامل تھی، چاہے کوئی قبول کرتا یا نہیں مگر سچ یہی تھا کہ "شادی شدہ" کا ٹیگ لگنے سے گھر میں اس کا رتبہ خود بخود معتبر ہو گیا تھا اور پوزیشن مضبوط، جیسی وہ بھی مارکیٹ ان کے ساتھ اکثر گئی ہوئی پائی جاتی، اس وقت رات کے کھانے کے بعد وہ سب شادی کی تیاری کے حوالے سے ڈسکشن میں مصروف تھے جب فون کی آواز آئی، کوئی اس کی طرف متوجہ نہ ہوا تھا، مجبوراً شاہ بخت کو اٹھنا پڑا، اس نے فون اٹھایا مگر بولا کچھ نہیں۔

"ہیلو علینہ!" حیدر کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی اس نے نا چاہتے ہوئے بھی ہونٹ کھینچ لیں، پھر ماؤ تھ ہیں پر ہاتھ رکھ کر علینہ کو آواز دی تھی، وہ جو خواتین کے جبرمٹ میں نہیں تھی، مشکل اٹھ کر آئی تھی۔

"تمہارا فون ہے۔" اس نے کہتے ہوئے ریسور اس کی طرف بڑھایا اور خود میز ہیوں کی طرف مڑ گیا۔

علینہ کو اس کے انداز بہت عجیب لگے تھے، مگر وہ احساس کرائے بغیر فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔

"کیسی ہو علینہ؟" حیدر نے پوچھا۔

"اوہ مائے گاڈ! حیدر تم ہو۔" وہ دبے دبے لہجے میں جی پڑی تھی۔

"کیوں کیا ہوا؟" وہ حیران ہوا۔

"تم نے مجھے پوچھے بغیر کال کیوں کی، یا پھر میری فون کال کا انتظار کر لیتے۔" وہ حد سے زیادہ جھلائی ہوئی تھی۔

"ہوا کیا ہے؟" وہ کھٹک گیا۔

"فون شاہ بخت نے ریسو کیا ہے حیدر اب بند کرو فون، میں اسے دیکھ لوں۔" اس نے

پریشانی سے فون بند کیا اور اوپر کی طرف بڑھی، جب پیچھے آئے بھاگتی کی آواز آئی تھی۔
 ”علینہ یہ اپنی شاہنگ تو اٹھا لو۔“ انہوں نے کہا۔

مجبوراً اسے واپس آنا پڑا اس نے شاہنگ بیگز اٹھائے اور تیز تیز سیڑھیاں چڑھتی گئی۔
 آج پہلی بار شاہ بخت ایزی چیئر پر جھول رہا تھا، اس نے شاہنگ بیگ بیلہ ڈالے اور بخت کو دیکھا، اس کا چہرہ خاموش تھا، ایکس پریشن نہیں، وہ خاموشی سے کرسی پر جھولتا کسی غیر مرئی نکتے کو گھور رہا تھا۔

علینہ نے واپس مڑ کر شاہنگ بیگز اٹھائے اور کچھ کھولنے لگی، پھر اس نے اندر سے جھلملائی ہوئی ایک ساڑھی نکال لی۔

”میں نے ساڑھی لی ہے رشتہ کی بات کے لئے، کیسی ہے؟“ وہ مسکراتے ہوئے بہت نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی، شاہ بخت کی نظر یہاں اس نکتے سے ہٹ کر عینہ پہ جم گئیں۔

”بے کار ہے، مجھے اس طرح کی ڈریسنگ پسند نہیں ہے۔“ اس کا لہجہ اتنا نیا تھا کہ عینہ نے تھک کر اسے دیکھا۔

”مگر میں نے تو خرید لیا ہے۔“ عینہ نے منو بسور کر کہا۔

”پھینک دو اسے کچھ اور خرید لیا۔“ اس نے اسی انداز میں کہا، عینہ ششدر رہ گئی، شاہ بخت کی شدت پسندی۔

”مگر کیوں؟“ وہ دے دے لہجے میں چلا اٹھی، شاہ بخت کی آنکھوں میں سرخی اتر آئی، وہ اٹھ کر اس کے متابل آگیا۔

”تمہارے لئے اتنا کافی ہونا چاہیے کہ یہ میں نے کہا ہے۔“ اس کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔

علینہ کے اندر سہم اتر آیا، اسے محسوس ہوا

جیسے اس شاہ بخت سے وہ آج پہلی بار ملی ہو۔
 ”کس بات کا غصہ ہے تمہیں؟“ عینہ نے اس بار چیخے ہوئے لہجے میں پوچھا تھا اور شاہ بخت نے تھک کر اسے دیکھا۔

”حیدر کون ہے؟“ اس نے فوراً سوال داغ دیا اس کا اگر خیال تھا کہ وہ اس کا اڑا ہوا رنگ اور گھبرا ہوا انداز دیکھے گا تو اسے ناکامی ہوئی تھی، وہ ڈرا بھی نہیں کنفیوژ نہیں ہوئی اور نہ ہی اس کے چہرے سے کچھ ایسے تاثرات تھے کہ وہ ڈر گئی یا پریشان ہو گئی ہو۔

”دوست ہے میرا۔“ اس نے ایک چھوٹے سے جملے میں کہہ کر گویا بات ہی ختم کر ڈالی، اس کا اعتماد شاہ بخت کے لئے حیران کن تھا۔

”کیا مطلب؟ دوست ہے کب بٹا یہ دوست کیسے بنا، کہاں سے آیا؟“ اس نے سوال در سوال کیا تھا، عینہ کے ماتھے پہ اک ٹھکن آ گئی۔

”کیا مطلب؟ اتنے زیادہ سوال کیوں، کیا میرا اتنا کہہ دینا کافی نہیں کہ وہ میرا دوست ہے۔“ اس نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”میں تمہارا شوہر ہوں، سوالات کا حق ہے میرے پاس۔“ شاہ بخت نے دونوں انداز میں کہا۔

”اور اگر میں نہ دینا چاہوں تو؟“ عینہ کو عجیب سی تکلیف اور دکھ نے آن گھیرا تھا۔

”کیوں کیوں نہ دو تم جواب عینہ؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیسے بن گیا وہ تمہارا دوست کہاں ملے تم لوگ، مجھے ان سوالوں کے جواب نہ ملے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔“ وہ وحشت زدہ ہو گیا۔

”میرا اعتبار نہیں تمہیں شاہ بخت؟“ اس کے لہجے میں کوئی ایسی چیز نہیں کہ وہ جسے گھٹنوں کے بل گر پڑا۔

ماہنامہ حنا (179) اگست 2014

اس نے ایک طویل سانس لے کر خود کو ریٹیس کیا اور اس کی طرف دیکھا پھر اس کے شانوں پہ ہاتھ رکھ کر اس کی پیشانی کو چوما۔
 ”آتم سوری میری جان ہو تم، عدم تحفظ کا شکار ہوں تمہیں لے کر شاید اسی وجہ سے۔“ اس کا لہجہ دھیمہ تھا، پھر وہ پیچھے ہٹا اور باہر نکل گیا، علیحدہ اسی طرح کھڑی تھی۔

ہٹا ہٹا ہٹا

چار دن بعد اسے گھر شفٹ کر دیا گیا تھا، اس کے اور شفق کے روم میں اسد کا روم انگ ہی تھا، مگر یہ بھی زیادہ دیر تک حبا کے کمرے میں رہتی تھیں مگر رات کو سونے کا بہت مسئلہ بن گیا تھا، شفق کو سوتے میں ہلنے جلنے کی عادت تھی جس سے اس نے حبا کی زخمی جگہ پہ سوتے میں ناگہم رکھ دی، زخم گہرا تھا دکھ دینا اور خون رسنے لگا، اس کے بعد مریضہ شفق کو لے کر اپنے روم میں سونے لگیں جب اسید کو پتا چلا تو اس نے خود ہی حبا کے روم میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

یہ ایک گھری ہوئی صبح کا منظر تھا، حبا نے واش روم جانا تھا وہ بیڈ کی پٹی کو پکڑ کر نیچے پڑی، اسے چلتے ہوئے سہارے کی ضرورت پڑتی تھی مگر اسید کو روت بدلے غینہ میں تھا، وہ مجبوراً خود ہی ہمت کرتی دیوار سے ہاتھ ٹکا کر چلنے کی کوشش کرنے لگی، مگر دو قدم چل کر ہی اس کا حوصلہ جواب دے گیا اور وہ زمین پر بیٹھ کر سسکنے لگی، اسید لمحوں میں بیدار ہوا تھا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی اور حبا کو دیکھ کر جیسے اس میں بجلی دوڑ گئی، وہ ذرا اس کی طرف لگا۔

”حبا کیا ہوا؟“ اس نے بے تابی سے پوچھا، وہ اذیت سے بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی۔

”واش روم جانا ہے۔“

”اتھو میں لے جاتا ہوں۔“ اس نے احتیاط سے اسے سہارا دیا اور ایچ ہاتھ کی سمت بڑھ گیا، پھر اس نے خود اس کا منہ دھلایا اس کے ہاتھ بھرے ہوئے بالوں کو نرمی سے سمیٹ کر بیڈ میں جکڑا اور اسے بیڈ پہ بیٹھا دیا، پھر وہ دروازے میں سے کچھ اس کے لئے تلاش کرنے لگا، کچھ دیر بعد اس نے چاکلیٹ نکال لیا۔

”آؤ تمہیں ایک حمرے کی بات بتاؤں۔“

وہ اس کے ساتھ آ بیٹھا، کافی اس پر درست کیا، اس کے پیچھے ہٹکے درست کیے اور اس کو دیکھنے لگا، وہ بھی اسی گود دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں شروع سے ہی چاکلیس بہت پسند تھیں، جب تم چھوٹی تھیں تو پتا ہے کیا کرتی تھیں؟“ وہ اسے بات بتاتا جاتا رکھا، مقصد اسے بھی گفتگو میں شامل کرنا تھا۔

”کیا؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”تب تم پانچ سال کی تھیں اور ہر وقت چاکلیس کھاتی رہتی تھیں ایک دن تمہیں میرے اسکول بیگ سے ایک چاکلیٹ مل گیا، بس پھر کیا تھا تم ہر روز میرا بیگ چیک کرتی تھیں اور ہر روز تمہیں وہاں چاکلیٹ مل جاتی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔

”وہ کیسے؟“ وہ حیران ہو کر پوچھنے لگی، جو کہ چاکلیٹ کا رپہ کھول رہا تھا۔

”اے ایسے کہ میں خود وہاں چاکلیٹ رکھ دیتا تھا اور اگرچہ مجھے پتا بھی تھا کہ تم وہاں سے چاکلیٹ نکالتی ہو۔“ وہ اب محظوظ ہو رہا تھا، حبا بے ساختہ ہنس پڑی۔

”آپ میں کتنی بدتمیز تھی، آپ نے مجھے منع کیوں نہ کیا بھی؟“ وہ انہوس سے کہہ رہی تھی۔

”ارے پاگل میں کیوں منع کرتا، مجھے تو خوشی ہوتی تھی۔“ وہ ہنسا۔

ماہنامہ ستارہ (180) اگست 2014

”اس میں خوشی والی کیا بات ہے، مجھے دکھ ہو رہا سن کر میں آپ کی چیزیں چرا لی تھی؟“ وہ منہ لٹکا کر کہہ رہی تھی۔

”جہا..... جہا۔“ اسید نے کہتے ہوئے اس کے بٹاتے کے گرد احتیاط سے بازو پھیلایا اور اس کا گال چوما۔

”میری بات سنو یا رہ، اس میں چرا نے والی کیا بات ہے، تمہاری اور میری چیزوں میں فرق ہے کیا؟“ وہ پیار سے کہہ رہا تھا اب جہا کے پاس کوئی جواب نہ تھا، اسید نے چاکلیٹ کھول کر اسے دی، وہ ہائٹ لے کر کھانے لگی۔

”رات میں نے سوچا چلو یا رہ آج جہا کے لئے چاکلیٹس لے کر جاتے ہیں، مگر رات اتنا تھکا ہوا تھا کہ دینا پاد ہی نہیں رہا، کیسا ہے؟“ وہ اسے رات والی کہانی بتانے کے ساتھ ہی اس کی رائے مانگ رہا تھا۔

”بہت اچھا ہے آپ بھی کھائیں نا۔“ اس نے چاکلیٹ اس سے کر اس کی طرف بڑھایا اس نے بھی کھانا شروع کر دیا۔

”کل انشاء اللہ یہ جینڈیج کل جائے گی۔“ وہ اس کے گال پہ لگی جینڈیج پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”ہاں اب مجھے یہاں اتنا درد محسوس نہیں ہوتا، بس مانگ میں زیادہ ہوتا ہے۔“ جہا نے اسے بتایا۔

”وہ زخم گہرا جو ہے۔“ وہ لگرمندی سے بولا تھا، جہا کو بہت اچھا لگا، اس کے لئے اسید کے یہ سارے رنگ، فکر، پیار، احتیاط اور محبت سب کچھ بہت نیا تھا، مگر اس میں خوشی تھی اور سکون تھا۔

”اسید!“ جہا نے اسے دیکھا۔

”ہوں۔“ وہ اس کا گال سہلا رہا تھا۔

”ایک بات پوچھوں؟“ اس کی آواز بڑی

ابھی کتابیں پڑھنے کی بات
والینے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب.....

شمار گندم.....

دنیا گول ہے.....

آوارہ گرد کی ڈائری.....

ابن ہلوط کے تعاقب میں.....

چلتے ہو تو چین کو چلتے.....

گھری گھری پھرا سفر.....

علا انشائی کے.....

بستی کے اک کوپے میں.....

چاند مگر.....

دل وحشی.....

آپ سے کیا پروہ.....

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

قواعد اردو.....

انتخاب کلام میر.....

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر.....

طیف نزل.....

طیف اقبال.....

الہورا کیٹی، چوک اردو بازار لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

ماہنامہ حنا (181) اگست 2014

ہلکی تھی۔ سہارا ہے تھے، وہی ہاتھ جو حیاتِ یور کا عشق تھے۔

میں نے سوچا تھا
تمہارے خیالوں کے پاؤں چھو چھو کر
تمہیں سوچوں کی آنکھیں چوم چوم کر
تمہاری انگلیوں کی پوریں اپنی پیشانی سے مس کر
کر کے

بستیاں بساؤں گا، شہر آباد کروں گا
سلطنتیں قائم کروں گا
ایک دنیا، ایک کائنات تمہارے قدموں میں لا
رکھوں گا

میں نے سوچا تھا
کبھی تمہارے گلے لگ کے خوشی سے چپک
اٹھوں گا

کبھی تمہارے کندھے سے لگ کر بہت روؤں گا
تمہاری گود میں سو جاؤں گا
تمہارے لئے ایک تخت بناؤں گا
اور اپنا تمام بخت تمہارے تخت کے پیروں میں
لا رکھوں گا

میں نے سوچا تھا
ابھی بہت وقت ہے
کمرے میں بہت دردناک خاموشی تھی،
اسید نے اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر
اس کے آنسو صاف کیے۔

”ابھی بہت وقت ہے جہاں ابھی زندگی باقی
ہے، آؤ ہم اپنے خوابوں کو زندہ کریں وہ خواب
جو تمہارے میرے لئے دیکھے آؤ ایک ایسے گھر کی
بنیاد رکھیں جہاں پیار عزت اور سکون ہو، ایک ایسا
گھر جہاں جہاں شکل و صورت اور سکے سوتیلے
کے احساس کتری جیسے طوق نہ پہنائے جائیں،
جہاں کوئی اسید اور جہان نہ ہوں، جہاں کوئی خوف نہ
ہو، کوئی ڈر نہ ہو۔“ وہ خواب آسان ہے میں کہہ رہا
تھا اور جانے سر ہلا کر تائید کی تھی۔

”پوچھو نا؟“ وہ نرمی سے بولا۔
”آپ اب مجھ سے کبھی ناراض تو نہیں
ہوں گے نا؟“ وہ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔
”نہیں۔“ اسید نے اس کا ہاتھ تھام لیا،
اسے محسوس ہوا کہ سردی کے باوجود حیا کا ہاتھ
ٹھنڈا ہو رہا تھا۔

”اور کبھی غصہ بھی نہیں کریں گے؟“ اسے
اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیکھ کر عجیب سی تقویت
مل رہی تھی۔
”نہیں۔“ اسید کو عجیب سی بے پنی ہو رہی
تھی۔

”اور۔“ وہ رک گئی۔
”کیا؟“
”کبھی ماریں گے بھی نہیں۔“ اس کے لہجے
میں اتنی حسرت اتنا درد تھا کہ اسید کا دل کٹ کر رہ
گیا۔

”نہیں کبھی نہیں نہیں۔“ اس نے حیا کو اپنے
سینے میں چھپا لیا۔
”بہت درد ہوتا ہے اسید بہت درد، مجھے جی
میں آپ سے ڈر لگنے لگا تھا، رات کو آپ سو
جاتے تھے مگر مجھے نیند نہیں آتی تھی، میں بہت
اکیلی پڑ گئی اور تب ہی شاید میرا دماغ کام کرنا
چھوڑ گیا، مجھے ایسے لگنے لگا تھا کہ میں بھی ٹھیک
نہیں ہو پاؤں گی۔“ وہ گھٹی گھٹی آواز میں کہہ رہی
تھی۔

”میں نے آپ کے ساتھ ایسی زندگی کے
خواب تو نہیں دیکھے تھے اسید، میں نے ایک پکی
نیلی کے خواب دیکھے تھے، ایک گھر کے خواب،
جہاں عزت محبت اور سکون ہوتا جہاں آپ اور
میں ہوتے اسید، پھر یہ سب کیا ہو گیا؟“ وہ اب
بے آواز رو رہی تھی اور اسید کے ہاتھ اس کی کر

”میں آج بھی آپ سے محبت کرتی ہوں
اسید، بے حد بے تحاشا اور کوئی بھی چیز آپ پر سے
سے ہر ادویہ بھی میری محبت کو ختم تو دور کم بھی نہیں
کر سکا اسید۔“ جہانے اپنے کمزور ہاتھ میں اس کا
ہاتھ تھام لیا تھا۔

”اور میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں جہا،
ہمیشہ سے ہی کرتا تھا، ایسی والی ویسی والی نہیں
محبت تو بس محبت ہوتی ہے، اس میں جماعت
بندی تھوڑی ہوتی ہے، یہ تو بس ہو جاتی ہے، جیسے
مجھے تم سے محبت تھی، ہمیشہ سے یا شاید کئی صدیوں
سے بلکہ ازل سے جب ہماری رو میں بنائی گئیں
تب سے۔“ اس نے محبت سے اس کی پیشانی پر
لب رکھ دیئے، نغصا میں ایک عجیب سا سکون تھا،
سورج کی ایک لمبائی شعاع کھڑکی کی اوٹ سے
جھانک رہی تھی۔

☆☆☆

نوفل اندر داخل ہوا تو کمرے میں اندھیرا
تھا، اس نے تیزی سے سوچ بورت یہ ہاتھ مارا اور
سارے لائٹس جلا دیں اور وہ اس کے سامنے تھی
مگر کتنے بکھرے ہوئے چلے میں، چہرہ آنسوؤں
سے تر تھا، وہ اس کے پاس آگیا، بہت تھکے
ہوئے انداز میں وہ گھٹنوں کے بل اس کے
سامنے زمین پر گر گیا، پھر اس نے اپنا سر ستارا کی
گود میں دھک دیا۔

”تم ناراض ہو، بہت ناراض ہے نا اور یہ
نفل اور ناراضگی ختم بھی نہیں کرنا چاہتی، بچپن
سے میرے اندر احساس کمتری موجود کہ لوگ
خوبصورتی پر ہی کیوں مرتے ہیں، کوئی روح کا
سودا کیوں نہیں کرتا، میری زندگی میں تم سے پہلے
بس ایک لڑکی آئی تھی مگر میں ہماری انجی منٹ
کے روز اس کا مرڈار ہو گیا، تم میں اور اس میں
صرف یہ یکسانیت تھی کہ اس کے بھی ہال تمہاری

طرح بہت لمبے تھے۔“ وہ رک گیا۔
”اس کے میری زندگی میں بس تم آئی تھیں
تمہارے ساتھ رشتہ بہت منفرد تھا، میں تمہیں ہر
حال میں بچانا چاہتا تھا، مگر مہر ورنے مطالبہ کیا کہ
اس نے تمہیں پانچ لاکھ روپے حق مہر دیا تھا، وہ
اپنا نقصان پورا کرنا چاہتا تھا، میں نے اسے ڈبل
پیسے دے دیئے، میں ہر حال میں تمہیں وہاں سے
لے جانا چاہتا تھا، خواہ کچھ بھی ہوتا یا مجھے کچھ بھی
کرنا پڑتا، میں تمہیں نقصان پہنچتا کس طرح دیکھ
سکتا تھا ستارا، ہاں میں تب تک تمہارے پاس رہا
جب تک تمہیں ہوش نہیں آیا مگر اس کے بعد میں
نے تمہیں خود سے الگ رکھا میں چاہتا تھا کہ
تمہاری عدت مکمل ہو جائے۔“

”اس کے بعد۔“ وہ اسے خود اپنے بچے بتا رہا
تھا، مگر اس کی بات مکمل نہیں ہو پائی، اس کا سہل
فون بجنے لگا تھا۔

”کیا مصیبت ہے کون ہے اس وقت؟“
اس نے جھلا کر موبائل کو دیکھا، جہاں ”شاہ بخت
منٹل کالنگ“ کے الفاظ جھگڑا رہے تھے، اس نے
مجبوراً نا چاہتے ہوئے بھی کال پک کر لی۔
”ہیلو۔“ اس کا لہجہ سیاٹ تھا۔

”سوری سر اسٹرب کرنے کی معذرت
چاہتا ہوں، مگر مجھے حیدر سے کچھ کام ہے، پلیز
مجھے ان کا ایڈریس یا فون نمبر سینڈ کر دیں۔“ شاہ
بخت نے انتہائی شائستہ انداز میں کہا تھا، نوفل
نے بنا کچھ سوچے اسے حیدر کے گھر کا ایڈریس
بتایا اور فون بند کر دیا، زندگی کی کروٹ بدل رہی
تھی، آگے کیا ہونے والا تھا یہ تو خدا ہی جانتا تھا۔
(بانی آئندہ)

محبت زندگی کا السنعاس

میرا خیال

ہونے سے پہلے ہی عیدی بھیجنے کی تیاری کرنا تو نازی بات ہے۔ "سندس کی ہونے والی سسرال کے مالی طور پر ٹھوڑا کمروڑ ہونے پر چوٹ کرتے ہوئے عروہ نے بھی حساب برابر کیا اور حسب توقع اس بات نے سندس کو آگ ہی تو لگا دی۔

"چلو جی جیسے بھی کم از کم منگنی تو ہو گئی نا، ورنہ سچ کہوں آج کے دور میں تو لڑکیاں رشتوں کے انتظار میں ہی تھیں رہ جاتی ہیں، ایک تو پہلے ہی اللہ کا کرم اور دوسروں کی خوشیوں سے جل جل کر اور چٹکیوں جیسی ہو جاتی ہیں۔" اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ وہاں کی جہیز بھی جانتی تھی کہ مقابل کے پاس بھی گولہ بارود کی کوئی کمی نہیں، سندس اس کے ماموں کی بیٹی بھی اور شو پاڑی میں اپنے تخیال پر گئی تھی، (یہ عروہ کی ذاتی رائے تھی) کوئی نیا سوٹ لے لیتی تو ان لوگوں کے پاس آکر شور مارتا نہ بھولتی، اپنی گوری رنگت پہ ناز الگ اور سونے پہ سہاگہ تین ماہ پہلے اس تاریک کمرہ ایک دم روشنی سے بھر گیا۔

"ہاں ایک تو گرمی اور پر سے نازی ہاجی کا بحث کا شوق، جان نکل گئی میری تو، ذرا ایک گلاس ٹھنڈا پانی تو پلانا پلیز۔" ندا پسینہ صاف کرتی سٹینڈ چکھا چلا کر اس کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"بحث کرنے کا شوق نہیں عادت ہوتی ہے اور کبھی کبھی مجبوری، بحث نہ کیجیے تو لوگ باتوں کی باتوں میں کھانہ نہ جائیں۔" بھینک کا گلاس ندا کے ہاتھ میں پکڑاتی عروہ آہستگی سے بولی۔

"کیا ہوا؟"

ماہنامہ حنا (184) اگست 2014

"ارے یہ کیا ہوا؟"

"کیا ہوا؟" سندس کے انتہائی تشویش سے

دیکھنے پر، عروہ پریشانی سے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتی پوچھنے لگی۔

"یار یہ تمہارا رنگ..... اف..... ف۔"

رنگ کا حوالہ عروہ کے لئے خاصا حساس تھا سو اس کی پیشانی میں پیشروں کے بھاؤ کی طرح تیزی سے اضافہ ہوا۔

"کک..... کیا ہوا میرا رنگت کو؟" وہ رد

دینے لگی۔

"وہی جو بینگن ہاں ہو تو اس کی رنگت کالی پڑ

جاتی ہے تازہ ہو تو تمہاری رنگت ہاں بینگن سے تازہ بینگن جیسی ہو گئی ہے۔" سندس کے اس

انداز تعریف پر عروہ کا دل چاہا اس کا سر پیٹ ڈالے، مگر جیسے بھی، جن الفاظ میں بھی تھا آخر وہ اتنی احساس فراموش بھی نہ تھی، کہ اپنی تعریف کرنے والے کو... مگر آخر کب تک یہ تو بگے کام آئیں گے، بیاہ کے لے جا کر میاں، جی بچھتا نہیں مے۔" سندس کے اگلے فقرے پر عروہ کو اپنا پروگرام ملتوی کرنے پر اندھا فوس ہوا۔

"پتا ہے رانیہ تار ہی تھی کہ انہوں نے ابھی

سے میری عیدی بھیجنے کی تیاری شروع کر دی ہے۔" اپنی ہونے والی تندہ کلمہ حوالہ دیتے ہوئے

سندس نے عروہ کی ایک اور دمستی رگ کو چھیڑا، عروہ کی زندگی کے دو ہی مسئلے تھے اس کی سائلولی رنگت اور اب تک نہ ہونے والی منگنی۔

"ظاہر ہے بچا رہے ایک دم سے تو اتنی

شاہنگ نہیں کر سکتے نا، اسی لئے رمضان شروع

اندازہ لگایا، کیونکہ سندس کی آمد کے بعد عروہ پہ کی
یہ مشکلی والی حسرت عروہ پر پہنچا جایا کرتی تھی۔
”ہاں۔“ عروہ پہ مختصر جواب دیتی آئینے میں
ایک بار پھر اپنے چہرے کا جائزہ لیتی تھ ماسک

”اگر ہماری بھی مشکلی ہوئی ہوتی تو عیدی
آتی تا؟“ اس کے انتہائی حسرت سے کہنے پر ندا
نے ہاشکل اپنی مسکراہٹ دہائی۔
”سندس آئی تھی کیا؟“ اس نے ہالکل ٹھیک



لگانے لگی اور ندا اس کی حالت پر افسوس کرتی
بچن کی طرف بڑھ گئی کہ تازہ ہاجی نے شاہنگ
کم کی بھی بحث زیادہ سبزی کی ریزہ می والے سے
لے کر رکشے والے تک اور یہ سب جھک جھک سن
کر اس کا دماغ پلپلا ہورہا تھا۔

”پورا دن خوار کرانے کے بعد اتنا نہ ہو کہ
کہیں کوئی کولڈ ڈرنک تک ہیلا دیتیں۔“
بڑبڑاتے ہوئے اپنے لئے کھانا لیتی وہ کمرے
میں واپس آئی۔

”عاشی کہاں ہے؟“ نوالہ توڑتے ہی اسے
عاشی کی غیر موجودگی کا احساس ہوا، عام طور پر
اس پنم وہ پیس ہوا کرتی تھی، عروہ چہرے پر
ماسک لگا چکی تھی سو اس نے ساتھ والے کمرے
کی طرف اشارہ کر دیا جس کا ایک دروازہ اس
کمرے میں بھی نکلتا تھا۔

”کھانا کھا لیا تم نے؟“
”نہیں یار موڑ نہیں ہو رہا۔“ ندا کھانے کی
ٹرے لئے اس کے کمرے میں چلی آئی تو وہ جو
پہلے لیٹی ہوئی تھی اس نے ٹائلیں سینتے ہوئے ندا
کے لئے بنائی۔

”کیا ہو رہا ہے؟“
”کچھ خاص نہیں؟“ وہ ہاتھ میں لئے
کانڈات کے پلندے کو سائیڈ ٹیبل پر رکھتے
ہوئے بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

”ارے ہاں یار عید بھی تو آ رہی ہے تم عید
کے لئے کوئی مادل شاول لکھ رہی ہو نا؟“ چشتی کی
بیانی سے ڈھیر ساری چشتی نوالے پر لگاتے ہوئے
ندا کو اچانک ڈائجسٹ کے عید نمبر کی یاد ستائی۔

”چشتی ہار منع کیا ہے اتنی مرچیں مت کھایا
کر۔“ اس پر بھی کوئی اثر نہ ہونے کے باوجود
عاشی نے ٹوک کر گویا اپنا فرض ادا کیا۔

”چھوڑ دیجی یار، تم بتاؤ نا عید نمبر کے لئے

مشوری کہاں تک پہنچی؟“
”کہیں بھی نہیں۔“

”کیا مطلب؟“ عاشی کے کھال دھیمان
سے کہنے پر ندا کا منہ تک نوالہ لے جانا ہاتھ دھیں
رک گیا۔

”یار وہ مائرہ (ڈائجسٹ کی ایڈیٹر) نے کہا
ہے کہ عید نمبر سے سو کوئی سیریس مشوری نہیں چلے
گی، کوئی ہنسی مسکراتی، رو میٹنگ سی مشوری لکھو۔“

”ہاں تو ٹھیک کہا ہے نا اور ایک عید نمبر میں
یار دھانڈ اور دکھ و غم سے لبریز کہانی لکھی جائے
گی۔“ ندا نے اپنی زبان دالی کے جوہر دکھانے
کی کوشش کی تو عاشی دھیرے سے مسکرا دی۔

”لیکن یار زندگی اتنی ہنسی مسکراتی اور
رو میٹنگ کہاں ہوتی ہے؟“ عاشی کے لہجے میں
جیب سی اداسی رہی ہوئی تھی۔

”ادامائی گاڈ! مجھے نہیں معلوم تھا کہ یہ چھوٹ
کا مرض ہے اور اتنی جلدی چھپیں لگ جائے گا۔“
”کیا مطلب، کیسا مرض، کس کو لگا ہے۔“
عاشی نے حیرت سے ندا کی پریشان صورت
دیکھی۔

”یار مجھے لگتا ہے تم پر بھی عروہ کا اثر ہو گیا
ہے اور تم بھی ممکنہ نہ ہونے کے غم میں گرفتار ہو
چکی ہو اب اللہ میاں مجھ پر رحم فرمائے آمین۔“
اس نے ہاتھ پہلے دلوں ہاتھ دعا کے انداز
میں اٹھائے اور پھر مت پر پھیرتے ہوئے آمین کہا
تو عاشی کو ہنس آ گئی۔

”مجھ پر تو کوئی اثر نہیں ہوا البتہ مجھے ڈر ہے
تمہارے ساتھ رہ رہ کر میں جو کر نہ بن جاؤں۔“
”یار لیز عید نمبر کے لئے مشوری ضرور لکھو،
چھپیں نہیں پتا ہم کالج میں کتنی شو مارتے ہیں کہ
یہ اتنے بڑے ڈائجسٹ میں لکھنے والی لڑکی ہماری
کزن ہے۔“

ماہنامہ سنا (186) اگست 2014

ہے یہاں آ کر نہ جانے کیوں، اب نہ جانے
محترمہ کے دماغ شریف میں کون سا منصوبہ آیا ہوا
ہے۔" بچن کی طرف جانی خدا جھنجھلا کر سوچ رہی
تھی۔

"ارے شریف سے یاد آیا آج تو عمر
شریف شوا آتا ہے۔" بچن میں جانے کس کام سے
آلی عروہ نما کی بات سے چونکی اور پھر سے
کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

"ہاں دیکھ لو عمر شریف شوا اگر لاٹ موجود
ہو تو، سارے ایک سے بڑھ کر ایک نمونے ہیں
اس گھر میں۔" وہ ملے دل کے پھپھو لے پھوڑتی
کمرے کی طرف مڑ گئی، سب باتیں اپنی جگہ مگر
سچ ہیں تھا کہ ایک تو ٹھکان اور پھر کھانا کھاتے ہی
اسے غضب کی نیند آنے لگی تھی۔

"ارے سو بھی گئی۔" عاشری اسے آتے دیکھ
کر سوتی بن گئی تھی خدا بھی خاموشی سے ایک طرف
لیٹ گئی۔

"تمہیں کیسے بتاؤں خدا کہ روتے ہوئے
دل کے ساتھ ہنستی ہوئی کہانیاں لکھنا کس قدر
مشکل کام ہے۔" عاشری نے کر دٹ بدلتے ہوئے
سوچا۔

"دوسوے کا ایک فائدہ تو ہے اور کچھ نہیں تو
دل پہلوانے کو کوئی جواب ہی مل جاتا ہے۔" اس
نے غمی سے سوچتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

"ارے یہ یہاں کس نے رکھی؟" شان
آفس سے گھر پہنچا تو اپنے بیڈ پر رکھی نیلی فائل
دیکھ کر چونک گیا، یہ بات تو یقینی تھی کہ وہ اس کی
فائل نہیں تھی، گلے میں پڑی ہوئی کی ناٹ ڈھیلی
کرتے ہوئے اس نے فائل اٹھالی۔

"ڈائیر کزن! آپہں کو معلوم ہے نا، میں
ڈائجسٹ کے لئے کہانیاں لکھتی ہوں، مگر اس بار

"سوری ڈائیر مگر اس بار مشکل ہی ہے۔"

عاشی کی اپنی مجبوری تھی۔

"اگر عید نمبر کے لئے فائل نہیں لکھ رہی ہوتو
پھر یہ دن رات جو کاغذ کاٹے کرتے میں لگی ہوئی
ہو، یہ کیا ہے؟" عاشری کے صاف جواب پر خدا خدا
ہوتی سمجھیل پر رکھی فائل کی طرف اشارہ کر کے
بولی۔

"یہ عید نمبر کے لئے نہیں ہے، یہ تو
زندگی کی کہانی ہے جو بہت تلخ ہوتی ہے اور رخ
کہانیوں کی عید نمبر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔" عاشری
کے وضاحت دینے پر خدا نے غور سے اس کی
طرف دیکھا، بہت کوشش کے باوجود وہ اپنے
لہجے کی غمی پر پوری طرح قابو نہ پاسکی تھی۔

"کس کی زندگی کی کہانی ہے؟" اس بار اس
نے دانستہ لہجے میں لا پرواہی سموتے ہوئے
پوچھا۔

"شاید میری۔"

"کس ڈائجسٹ میں دوگی؟"

"کسی میں بھی نہیں۔" اس بار عاشری
دھڑکے سے مسکرا کر خود کو مارٹل ظاہر کرنے کی
کوشش کرتی تھی۔

"اچھا تمہارا کھانا ختم ہو گیا نا، چلو اب کچھ
دیر سو جاتے ہیں، تم بھی ناڑیہ باجی کے ساتھ
مارکیٹ میں خوب کھپ کر آ رہی ہوگی اور میں بھی
صبح سے لکھتے لکھتے تھک گئی ہوں، چلو شاہاں یہ
فرے جلدی سے بچن میں رکھ آؤ۔" مزید کسی
سوال سے بچنے کے لئے عاشری جلدی جلدی بولتی
سوئے کے لئے لیٹ بھی چکی تھی۔

"یہ شاہن بھی نا، یہ قوف ہے بالکل، چا
نہیں سب اس کو عقل آئے گی، یا پھر عاشری کو ہی
عقل آ جائے، ناقدروں پر جذبے نہیں لٹانے
چاہیں، مگر کون سمجھائے اسے یوں تو بڑی عقلمند بنتی

یہ کہانی جو میں نے لکھی ہے، وہ کسی ڈائجسٹ کے لئے نہیں نہ ہی لوگوں کے لئے، یہ کہانی اگر آپ پڑھیں گے تو مجھے بہت خوشی ہوگی اور ہاں پڑھنے کے بعد بتائیے گا ضرور کہ کیسی لگی۔ "عاشی۔"

شان کو یہ خط دیکھ کر بے حد حیرت ہوئی تھی، عاشی کی یہ حرکت اس کی سمجھ سے باہر تھی اور پھر یہ تو ایسے بھی بہت عجیب سی بات تھی۔

"بھلا مجھے کہانی پڑھوانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟" وہ الجھا ہوا سا ہاتھی فائل دیکھنے لگا، خط کے نیچے بہت سارے صفحات تھے جن پر یقینی طور پر کہانی لکھی گئی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے کہانی ہی تو پڑھنے کو کہا ہے پڑھ لوں گا۔" تھوڑی ہی دیر میں وہ اپنی حیرت پر قابو پا چکا تھا، فائل کو بیک ریک میں رکھ کر وہ فرینش ہونے پانچھ دوسری طرف بڑھ گیا، لیکن پھر بہت سارے دن یوں گزر گئے اور وہ اپنی مصروفیات میں مگن ہو کر اس فائل کو بالکل بھلا بیٹھا تھا جب ایک دن اچانک عاشی نے پوچھ لیا۔

"آپ نے وہ سنووری پڑھی؟"

"ہاں مگر تھوڑی سی، مصروفیات کی وجہ سے زیادہ نام نہیں دے سکا۔" عاشی کے چہرے اور آنکھوں میں امید کو دیکھتے ہوئے وہ اس سے یہ نہ کہہ سکا کہ اسے تو وہ کہانی یاد بھی نہیں، بلکہ اس نے عاشی کا دل رکھنے کو ایک چھوٹا سا جھوٹ بول دیا اور دل ہی دل میں عہد کیا کہ جلد ہی وہ کہانی پڑھ لے گا، لیکن عاشی اس کے اس جھوٹ کو اس کی آنکھوں سے جان چکی تھی مگر خاموشی سے مسکرا دی اور کچھ جتا نہیں۔

ایسا نہیں تھا کہ اس کی نظر میں کسی کی اہمیت نہیں تھی بس اس کی آنکھوں کی مصروفیات ہی اتنی تھیں اور آج کل تو اور بھی زیادہ بڑھ گئی تھیں، جس کی وجہ سے بہت سے کام رہ جایا کرتے جیسا

کہ یہ سنووری رہ گئی تھی، خاص طور سے عاشی اس کے لئے غیر اہم ہر نہیں ہو سکتی تھی، اس کے لئے شان کے دل میں ایک خاص گوشہ تھا جہاں صرف اور صرف ایک ہی نام لکھا ہوا تھا اور وہ نام عاشی کے سوا کوئی نہیں تھا، مگر یہ بھی سچ تھا کہ اس بات کو آج تک اس نے اپنے لاشعور سے شعور میں نہیں آنے دیا تھا، وہ بزدل تھا نہ ہی اسے کسی قسم کا کوئی کمپلیکس تھا، بس نہ جانے کیوں ایک عجیب سا خوف کہ اگر اس نے انکار کر دیا تو؟ جس انسان نے ہمیشہ جیت دیکھی ہو اس کے لئے ہار زیادہ ہی تکلیف دہ ہوا کرتی ہے بلکہ ناقابل برداشت اور ایسے لوگوں کو خاص طور پر محبت میں ہار کسی قیمت پر برداشت نہیں ہوا کرتی، یہی شان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا لیکن وہ اب تک بڑی خوبصورتی سی اس سے نظر چراتا رہا تھا ہاں مگر عاشی کو دیکھ کر اپنی آنکھوں میں جلتے چراغوں کو اس سے نہ چھپا پایا تھا اور اس کی آنکھوں کے چراغوں نے جیاں عاشی کی اندھیری راتوں میں روشنیاں بھر دی تھیں وہیں اس کی آنکھوں کو ڈھیر سارے خواب دے کر بدلے میں تیندیں مانگ لی تھیں اور وہ نادان لڑکی خوشی خوشی یہ سودا کر بیٹھی۔

ہو ہو ہو

"بک ہا ایسا تو کوئی بھی نہیں۔" بہت دیر سے سوچوں میں کھوئی عروہ نے اچانک ہی مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اب کیا ہوا؟" عاشی کو یقین تھا کہ اس نے ضرور پھر کوئی الٹی سیدھی بات سی سوچی ہوگی۔

"یاد تم لوگوں کی کہانیاں اور فلموں میں کتنی بار ہیر و ہیر وٹن کی ملاقات ایسی ہی ہوتی ہے تاکہ ان کا کہیں ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور... اور کیونپے کا دیوتا ان کو دھیان سے نہ چلنے کی سزا کے طور پر

ماہنامہ حنا (۱۸۸) اگست ۲۰۱۴

محبت کے عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔" عائشی نے اس کا فقرہ مکمل کیا۔

"کیا کیا تم محبت کو عذاب سمجھتی ہو؟" عروہ کو شدید صدمہ پہنچا تھا، وہ تو عائشی سے خاص طور سے اس لئے کافی عقیدت رکھتی تھی کہ وہ مجتہدوں کی کہانیاں لکھا کرتی تھی۔

"نہیں یار ابوس یول مٹی تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں۔" عائشی نے جھگڑا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"یار میں سوچ رہی تھی کہ ہمارے ارد گرد تو ایسا کوئی بھی نہیں جس سے کسی طرح ٹھکرا جاؤں اور پھر..." وہ ایک بھر بھر مایوسی سے گردن ہلا رہی تھی۔

"وہی ایک طریقہ اور بھی ہے مگر..." نہیں یار یہاں وہ بھی نہیں چل سکتا۔"

"تم بتاؤ تو سہی کیا طریقہ ہے میں عمل کرنے کی پوری کوشش کر دوں گی۔" عروہ آئینہ یا سنے بنائی دل و جان سے تیار تھی وہ کم از کم آنے والی یہ عید بنا سسرال کی عیدی کے نہیں گزارنا چاہتی تھی۔

"نہیں ہو سکتا یا چھوڑو۔" خدا نے اپنی عادت کے مطابق تجسس پھیلا دیا۔

"تم آخر بتا کیوں دیتی ہو۔" عروہ نے مصنعت کے تحت غصہ چھپاتے ہوئے بظاہر لجاجت سے پوچھا۔

"دیکھو نا یار ہمارا باب، چچا ماموں کوئی ایسا نہیں جو کہ ایک ایماندار پولیس آفیسر ہو کسی ڈان سے پنکالے اور پھر غصے میں آکر ڈان انہیں اغواء کر لے اور ہیرو جا کر انہیں چھڑا لائے اور سزا کے طور پر اسے تم سے شادی کرنا پڑے۔" بڑے ڈرامائی انداز میں کہتے کہتے اینڈ میں خدا کا لہجہ چڑانے والا ہو گیا عائشی نے بڑی مشکل سے اپنا قبضہ کنٹرول کیا۔

"سزا کے طور پر..." کیا مطلب؟" عروہ تصویر ہی تصویر میں وہ سب دیکھ رہی تھی جو خدا بول رہی تھی اسی لئے فوری طور پر کچھ سمجھ نہ پائی۔

"تمہاری جیسی ہیروئن۔" بٹنے کا مطلب... کبھی کبھی نیکی بٹنے بھی تو پڑ جاتا کرتی ہے۔" خدا کی سنجیدگی میں ڈرا جو کوئی فرق آیا ہو مگر اب عروہ تصور کی دنیا سے نکل آئی تھی۔

"تمہیں شرم تو نہیں آتی طبیعت۔" عروہ کا بس نہ چلنا تھا کہ وہ اسے کیا کر دے۔

"سنو ایک آئینہ یا اور ہے؟" خدا آج آئینہ یا زکی پٹاری کھولے بیٹھی تھی۔

"ارے من لو کیا خبر کوئی کام کا آئینہ یا ہو۔" عائشی کے کہنے پر عروہ نے روٹھے روٹھے انداز میں عدا کی طرف دیکھا۔

"دیکھو تم کالج سے پیدل آنا شروع کر دو۔"

"اور اللہ کو پیاری ہو جاؤ وہ کیا آئینہ یا دے رہی ہو بڑی بہن کو، جہاں گاڑی سے آنے میں چندرہ منٹ لگتے ہیں وہاں پیدل آتے آتے میری کیا حالت ہو گی؟" غصے میں عروہ اپنے بڑے ہونے کا اقرار کر گئی ورنہ وہ اس حقیقت پر ہمیشہ پردہ ڈالے رکھنا ہی پسند کرتی تھی، اسی مقصد کے تحت اس نے خدا کو آج تک اپنے نام کے ساتھ باجی، آبی وغیرہ جیسے الفاظ لگانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

"ارے سنو تو، جب تم پیدل آؤ گی تو کسی دن تھک کر یا گرمی سے تمہیں چکر آئے گا اور تم کسی کار سے ٹکرا جاؤ گی اور۔"

"نور یا تو میں اللہ میاں کے پاس پہنچ جاؤں گی یا پھر ہسپتال اور اگر خدا نخواستہ لنگڑی لولی ہو گی تو میری شادی کا تو چالس ہی ختم ہو گیا

”؟“

”اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کار میں سے کوئی بوڑھا بابا نکل کر آئے اور پوچھے بنی تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے چلو میں تم کو ہسپتال لے چلا ہوں۔“ عاشی کا کھینچا یہ نقشہ عروہ کے لئے سب سے بھیانک تھا وہ بے ساختہ بھر بھری لے کر رہ گئی اور عروہ کو شرمندہ کرتی نظروں سے دیکھنے لگی۔

”مجھے تم سے یہ امید نہ تھی کہ تم میری بہن ہو کر ایسے آئیڈیاز دو گی، میں خود ہی کچھ سوچ لوں گی۔“ عروہ نے سخت اموشنل ہو کر کہا اور وہاں سے اٹھ گئی، جبکہ پیچھے خدا کی ہنس ہی کنٹرول نہ ہو رہی تھی اور عاشی دروازے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی جہاں سے ابھی ابھی عروہ باہر گئی تھی عاشی کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ لیکن آنکھوں میں گہری سوچ کر پر چھائیاں تھیں۔

☆☆☆

”ارے واہ بڑے اچھے موقع پر آئے ہو۔“ دروازہ کھولنے پر اسد نظر پڑتے ہی عاشی خوشی سے بولی۔

”میرا خیال ہے مجھے واپس جانا چاہیے۔“ یہ کہتے ہی وہ واپس مڑا۔

”یار میں بہت تھکا ہوا ہوں اور مارکیٹ جانے کا میرا کوئی موڑ نہیں، اس لئے مجھے یہاں سے جانا چاہیے۔“ وہ بے حرمت کہنے لگا تو عاشی کو ہنسی آگئی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے میں تمہیں مارکیٹ نہیں بھیجوں گی اندر آؤ تم، مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“

”جی فرمائیے؟“ محسن میں چھٹی چار پائی پر بیٹھتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔

”پہلے یہ بتاؤ یہ مارکیٹ جانے کا کیا چکر

”؟“

”یار صبح سے میرے ساتھ دو پار ایسا ہو چکا ہے، پہلے میں اپنے دوست عاقب کے گھر گیا جیسے ہی ٹیل دی اس کی امی گیٹ پر آئیں، او مجھے دیکھتے ہی بولیں واہ اسد چنا، بڑے اچھے موقع پر آئے ہو عاقب بھی گھر نہیں اور ابھی نوٹن آیا ہے کہ صائمہ (عاقب کی بہن) کے سسرال والے آ رہے ہیں، گھر میں چکن تک ختم ہوا پڑا ہے بیٹا ذرا دوڑ کر یہ کچھ سامان تو لا دو۔“ انہوں نے کچھ اس طرح کہا جیسے کہ مارکیٹ گلی کے کھڑے ہی تو مگر کیا کر سکتا تھا اسارا سامان لا کر دیا اپنے گھر آیا تو مجھے دیکھتے ہی سندس بولی واہ بھائی بڑے اچھے موقع پر آئے ہو، میری دوست آئی ہوئی ہیں پلیز جلدی سے مارکیٹ سے یہ کچھ چیزیں تو لا دو، اس نے کھانے پینے کی ایک لمبی لسٹ میرے ہاتھ میں تھمائی اس سے پہلے کہ میں انکار کرتا سامنے سے آتے ابا جان کو دیکھ کر خاموشی سے مارکیٹ کا رخ کیا اور اب آپ نے بھی مجھے دیکھتے ہی وہ جملہ دہرایا تو میں ڈر ہی گیا۔“ وہ ہنستے ہوئے اپنی آپ جتنی سار ہاتھ اور عاشی کا ہنس ہنس کر برا حال تھا۔

”اب آپ بتائیے کیا کہنا چاہتی تھیں۔“

”یہ بتاؤ یہاں کیوں آتے ہو؟“ عاشی آج صاف صاف بات کر لینا چاہتی تھی۔

”آپ جیسی عظیم رائٹر کا دیدار کرنے، آپ کو نہیں معلوم عاشی جی میں آپ کا کتنا بوا فہن ہوں۔“

”میں ایک بھراپنا سوال دہراتی ہوں کیوں اس گھر کے چکر کا کرتے ہو؟“ عاشی کی سنجیدگی ہنوز تھی۔

”ارے عجیب سوال کر رہی ہیں، آپ میری چھو کا گھر ہے اس لئے آتا ہوں۔“ وہ سارے گھر پر نظر ڈال بولا۔

ماہنامہ حسنا (190) اگست 2014

ہاتھ عام سی ہوتے ہوئے بھی انسان کے لئے
 اہم ہو جاتی ہیں، شاید اس طرح وہ اپنے اس
 کمپلیکس سے جھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو کہ اپنی
 رنگت کی وجہ سے وہ بھی کسی کو پسند نہیں آ سکتی۔
 عروہ کا رویہ بظاہر بچکانہ لگتا تھا لیکن عاشری نے
 اس کے دل میں چھپے خوف تک رسائی حاصل کر
 لی تھی، اس نے سوچا تھا اسد سے کہہ دیا۔
 ”تو اب میں کیا کروں؟“ وہ سنجیدگی سے
 پوچھنے لگا۔

”اب یہ بھی میں بتاؤں؟“ عاشری کے
 گھورنے پر وہ ہنس دیا۔
 ”دراصل اس سے اظہار محبت کرنا میرے
 لئے بڑا مشکل کام ہے، اس کو دیکھتے ہی مجھے اتنی
 شرارتیں سوجھتی ہیں کہ۔“ ابھی اس کی بات مکمل
 بھی نہ ہوئی تھی کہ ندا اور عروہ گھر میں داخل
 ہوئیں۔

”لو ہوا مگیں دنیا جہان کی کریمیں خریدنے
 میں پیسے ضائع کر کے؟“ عروہ کو دیکھتے ہی وہ
 شرارت پر آمادہ ہوا۔

”تم نہیں سدھر سکتے۔“ عاشری ہنستے ہوئے
 شام کی چائے بنانے کچن کی طرف چل دی، مگر
 اب وہ مطمئن تھی کہ اس نے اسد تک اپنی بات
 پہنچا دی تھی اور اب یقیناً عروہ کا براہم عمل ہو
 جائے گا، چائے بناتے ہوئے وہ مسلسل عروہ اور
 اسد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

”عروہ بھی کتنی بے وقوف ہے اسد کی
 شرارتوں میں چھپیں محبت اس کو نظر ہی نہ آئی اور
 ایک میں ہوں بس آنکھوں کو بڑھنے کا جرم ہوا تھا
 اک بار اور سزا جانے کب ختم ہوگی شاید بھی
 نہیں۔“ باہر سے اسد اور عروہ کے جھگڑے کی
 آوازوں کو سنتے ہوئے اس نے اداسی سے سوچا۔
 ”شان نے ابھی تک میری کہانی نہیں

”صرف یہی وجہ ہے؟“

”آج گھر میں اتنی خاموشی کیوں ہے؟ کیا
 سب کہیں گئے ہوئے ہیں؟“ اس بار وہ عاشری کے
 سوال کو نظر انداز کرنا سوال کرنے لگا۔

”خاکہ اپنے کمرے میں ہیں، شان ابھی
 آفس سے نہیں آیا، انکل کسی سے ملے گئے ہیں اور
 ندا اور عروہ مارکیٹ گئی ہیں، بس آتی ہی ہوں گی،
 بس اب مجھے میرے سوال کا جواب ملے گا؟“

”میرے اس گھر کے گرد چکر لگانے کی وجہ
 میرے ماں باپ آکر آپ کو ہلکے سب کو بتا دیں
 گے۔“ وہ شرارت سے مسکراتا ہوا بولا تو عاشری کے
 ذہن میں آتے خیالات کی تصدیق ہو گئی۔

”منہ دھور کھو صاف انکار ہو جائے گا۔“
 ”ارے واہ ابھی انکار ہو جائے گا مجھ سا
 ملے گا کہاں اس کالی کھوٹی کو اور بھلا کون کرے گا
 انکار؟“

”وہ کالی کھوٹی خود انکار کرے گی۔“
 ”کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟“ وہ شرارت
 بھول کر تشویش سے پوچھ رہا تھا۔
 ”پاکل سچ۔“ اب وہ اسے ستانے لگی۔

”وجہ؟“
 ”لو میرج۔“
 ”کیا؟ یعنی وہ کسی کو پسند کرتی ہے؟“ اسد
 کو اپنے سارے خواب ایک لمحے میں ٹوٹے نظر
 آئے۔

”لو میرج کرنے کا بھوت سوار ہے محترمہ
 کے سر پر۔“ آخر عاشری نے بتا ہی دیا۔

”یہ کیا فضول بات ہے اسے سوچنا چاہیے
 اگر میرے گھر والے رشتہ لے کر آئیں گے تو
 یوٹی تو نہیں، میری مرضی شامل ہے تبھی آئیں
 گے۔“ وہ دھڑکن سے بولا۔

”تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے لیکن کچھ

ماہنامہ حنا (191) اگست 2014

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سہریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپیڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کماتے کے لئے شرنک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

پڑھی۔" اپنے ذہن میں آتی اس سوچ کو جھٹکتے ہوئے وہ چائے لئے کھن کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"ہائے کزن کیا ہو رہا ہے؟" اسد کے اس قدر صلح جو انداز پر عروہ کا چوکنا لازمی تھا۔

"تھوڑا تاؤم ہو گا تمہارے پاس؟" وہ عروہ کی حیرت بھری نظر کو نظر انداز کر گیا اور رمضان میں فی وی دیکھنے پر اس کی کلاس لینے کی بجائے وہ ایک بار پھر بڑے ادب سے پوچھ رہا تھا۔

"بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، خیریت تو ہے نا؟" عروہ کے مشکوک کچھ میں طنز کرنے پر اسد نے ہلشکل خود کو کچھ الٹا سیدھا جواب دینے سے روکا۔

"دراصل تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔" وہ عروہ کی حیرت میں مزید اضافہ کرتا ہوا بڑے اطمینان سے بولا۔

"مجھ سے؟"

"ہاں تم سے، چلو سب چھوڑ دو آؤ باہر لانا میں بیٹھتے ہیں۔"

"کیوں یہاں بات کرنے میں کیا خرابی ہے؟"

لیکن عروہ کی بات کا جواب دیے بنا وہ اس کے ہاتھ سے ریوٹ لے کر لی وی آف کر کے اس کا ہاتھ تھامے لان کی طرف چل پڑا۔

"اتوہ ہاتھ تو چھوڑ دے آج تمہیں ہوا کیا ہے آخر؟" اس کی اتنی زیادہ اور مسلسل سنجیدگی اور راز دارانہ سے رویہ کی وجہ سے وہ تجسس کے ساتھ ساتھ جھنجھلاہٹ کا بھی شکار ہو رہی تھی۔

"ارے اب بتا بھی چکو۔" پچھلے دو منٹ سے خاموشی سے اس کے بولنے کے انتظار کے بعد آخر عروہ کو بولنا پڑا۔

"میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے، میرا مطلب تمہاری اور میری، میں اس بارے میں تمہاری رائے جانتا چاہتا ہوں۔" وہ مختصر نظروں سے عروہ کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن بار بار ایک ہی بات دہرا رہا تھا۔

"میری امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔"

"مگر یہ تو آئی انکل چاہتے ہیں نا؟ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میرا کیا ہے یا ایک تو میں امی ابو کی مرضی کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکتا اور دوسرے دیکھا جائے تو تم میں کوئی خاص برائی بھی نہیں ہے بس رنگ تھوڑا کالا ہے، ناک تھوڑا چھوٹا ہے خیر ہے چلے گا بیوی زیادہ خوبصورت ہوتی بھی نہیں جیسے ورنہ ابویں خواہوا تخرے اٹھانا پڑتے ہیں، تھوڑی بے وقوف بھی ہوتو، تو کیا ہوا بے وقوف بیوی تو خدا کی سب سے بڑی نعمت ہوتی ہے، ہائی کام شام کر سکتی ہو مگر کے یعنی کہ یہ سب ملا کر دیکھا جائے تو تم سے شادی کرنے میں کوئی ایسی خاص برائی نہیں ہے اس لئے میری طرف سے تو کوئی اعتراض نہیں اب تم بولو؟" وہ بکا سوچ کر آیا تھا کہ اسے تنگ نہیں کرے گا سنجیدگی سے بات کرے گا، اسے اپنے جذبات سے آگاہ کر کے اس کے دل سے ہر خدشہ نکال دے گا لیکن عروہ کا چہرہ دیکھتے ہی وہ شرارت کر گیا تھا یہ شرارت اسے کتنی پہل پہل پڑنے والی تھی یہ اسے معلوم نہ تھا، عروہ کچھ بھی کہے بنا وہ اس سے اٹھ کر چلی گئی اور اس کے لاکھ بلانے پر بھی اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

☆☆☆

لفظ اندھے کبھی نہیں ہوتے

ماہنامہ حنا (192) اگست 2014

بولنے والا سوچتا ہی نہیں
 بچپن سے ہی اسے احساس تھا کہ خدا اور
 شان کے مقابلے میں اس میں کوئی کمی ہے، جہاں
 کہیں وہ تینوں اکٹھے ہوتے وہ ہمیشہ محسوس کرتی
 کہ لوگ اس کی نسبت اس کے بہن بھائیوں کو
 زیادہ توجہ زیادہ پیار دیتے ہیں، تھوڑی بڑی ہوئی
 تو لوگوں کے حیرت بھرے سوال اسے الجھانے
 لگے جب وہ کہیں بھی اسے دیکھ کر کہتے ارے یہ تو
 لگتی ہی نہیں کہ خدا اور شان کی بہن ہے تو وہ
 انجانے احساس جرم کا شکار ہونے لگتی، انہی
 باتوں کی وجہ سے وہ لوگوں سے کترانے لگی مین
 ممکن تھا وہ دنیا سے کٹ کر اپنے خول میں سمٹ
 جاتی لیکن پھر ایک دن اس کے بابا جان نے
 اسے اپنے کمرے میں طلب کیا وہ کچھ ابھی ابھی
 ہی وہاں پہنچی تھی ایسا تو کبھی نہیں ہوا تھا کہ بابا
 جان اسے اس طرح بلائیں۔

”آپ نے مجھے بلایا بابا جان؟“ وہ کمرے
 کے دروازے پر کھڑی پوچھ رہی تھی، اجازت
 ملتے ہی وہ ان کے سامنے جا بیٹھی عروہ ان کے
 سامنے بیٹھی تھی اور وہ بڑے غور سے اس کے
 مرجھائے ہوئے معصوم چہرے کو دیکھ رہے تھے۔
 ”ہم سے دوستی کرو کی بیٹا جی؟“ عروہ کو
 ان سے ایسے کسی بھی سوال کی توقع ہو گز نہیں تھی
 وہ لمحہ بھر حیرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی اور
 پھر ان کے بڑے ہوئے مضبوط ہاتھ میں اپنا چھوٹا
 سا ہاتھ تھما دیا۔

”تو آج سے میری بیٹی اپنے دل کی ہر
 بات اپنے بابا دوست کے ساتھ شیئر کرے گی
 ٹھیک ہے نا؟“ اور اس نے الطینان سے
 مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا تھا اور بس
 اس دن کے بعد سے اس میں تبدیلی آنا شروع
 ہوئی اس کا کھویا ہوا اعتماد بحال ہونا چلا گیا اب وہ

لوگوں کی نظروں سے گھبرانے والی محفلوں سے
 کترانے والی عروہ نہیں تھی وہ دنیا کی آنکھوں
 میں آنکھیں ڈال کر اپنا آپ منوانے کی صلاحیت
 رکھتی تھی، لیکن شلو کہیں کوئی کمی رہ گئی تھی، لوگوں
 کی جن نظروں اور محسوس کو وہ مسکراتے ہوئے نظر
 انداز کرتی رہی تھی اس کے اندر کہیں جا بیٹھے تھے،
 دل میں ابھرتے ڈھیروں خدشات ایسے تھے
 جنہیں وہ باپ کے ساتھ شیئر نہیں کر سکتی تھی،
 انہی میں ایک خدشہ یہ بھی تھا کہ اس سے کبھی کوئی
 پیار نہیں کر سکتا، جو کوئی بھی اس سے شادی کرے
 گا اس کی وجہ یا تو اس کے باپ کی دولت ہوگی یا
 پھر کوئی اور مقصد اور یہی خوف تھا جس کی بنا پر وہ
 ہمیشہ لومہرج کے حق میں بولتی رہی تھی۔

”ایسا پہلی بار تو نہیں ہوا، اسد نے پہلی بار تو
 میرا مذاق نہیں اڑایا پھر آج میں کیوں اس کو اتنا
 سیرگیس لے رہی ہوں؟“ اپنے آنسو پونچھتے
 ہوئے اسے اچانک ہی خیال آیا تھا۔

”آج سے پہلے اس نے شادی کی بات
 نہیں کی تھی۔“ اسے اپنے دل سے ہی اس کے
 سوال کا جواب مل گیا تھا لیکن وہ کچھ اور ٹھٹھک
 لگی، اسد کی عادت تھی ہر وقت مذاق کرنے کی وہ
 بھی آج تک دو بدو جواب دیتی آئی تھی۔

”آج اسد کی اتنی باتوں کے جواب میں،
 میں نے ایک لفظ تک نہ کہا کیوں، میں وہاں سے
 اتنی خاموشی سے کیوں اٹھ آئی؟“ وہ اپنی عدالت
 میں کھڑی مدت بعد خود سے یوں سوال کر رہی تھی
 اور اکثر ایسے اوقات میں ہونے والے انکشاف
 بہت جان لیوا ہوا کرتے ہیں جیسے اس پر آج یہ
 انکشاف ہوا تھا کہ اسد کی محبت نہ جانے کب اس
 کے دل میں آ بیٹھی تھی جسے آج تک وہ اپنے غصے
 اور جھگڑے کی آڑ میں اسی ڈر سے چھپائے
 ہوئے تھی کہ وہ اس کے جذبات کا مذاق اڑائے گا

ماہنامہ حسنا (193) اگست 2014

انہار کر دے گا کیونکہ وہ اس جیسے چند سم بندے کی آئینہ مل بھی نہیں ہو سکتی تھی اور اسے آج ہی خبر ہوئی تھی کہ آج تک خود کو خوبصورت بنانے کے لئے جو نوٹکے اور کریمیں وہ استعمال کرتی آئی تھی وہ بھی لاشعوری طور پر اسد کی پسند کی لڑکی بننے کی ایک کوشش کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

”میرے امی ابو چاہتے ہیں کہ ہماری شادی ہو جائے۔“ عروپہ کا ذہن ایک بار پھر اسد کی باتیں دہرانے میں مصروف ہو چکا تھا، اس نے یونہی نظر اٹھا کر کھڑکی کی جانب دیکھا سیاہ رات کے اندھیرے کو چہر کر آنے والا اجالا آنے والی صبح کی خبر دے رہا تھا، یعنی اس کے پاس آنسو بہانے اور دلی کو بہلانے کے لئے بہت تھوڑا نام تھا، اپنی عزت نفس کا سودا تو وہ کسی طور نہ کر سکتی تھی، صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اسے اپنے آنسوؤں کے نشان تک مٹا دینے تھے۔

☆ ☆ ☆

”میں نے تم سے اس روز ایک سوال کیا تھا لیکن تم جواب دیئے بغیر غائب ہو گئیں۔“ بہت دن وہ اسد کا سامنا کرنے سے کتراتے رہی تھی لیکن آخر کب تک آج وہ پھر سامنے کھڑا اپنے سوال کا جواب مانگ رہا تھا۔

”کون سا سوال؟“ لمحہ بھر کو اس کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے وہ انجان بنی پوچھ رہی تھی۔

”تمہاری اور میری شادی کا سوال۔“

”ارے تم نے وہ سوال سنجیدگی سے کیا تھا؟ میں تو سمجھی مذاق کر رہے ہو۔“ عروپہ کی بے نیازی عروج پر تھی۔

”تمہیں لگتا ہے میں ایسے سنجیدہ معاملے میں تم سے مذاق کروں گا؟“ وہ اس بار جیسے زچ ہوا۔

”یہ بات مذاق کے سوا بھلا ہو بھی کیا سکتی ہے؟ کہاں میں، بہت فرق ہے ہمارے مزاج میں ہمارے سوچنے کے انداز میں، میں تو ایسے کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔“ آخر میں وہ نفس دبی اور سر جھٹکتی اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تھی تبھی وہ اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

”بس ہو گیا؟ لے لیا اپنا بدلہ؟ ہو گئی تسکین، اب میری بات دھیان سے سنو مجھے کبھی تمہارے دل کی بات جاننے کے لئے لفظوں کی ضرورت نہیں تھی اور میں سمجھتا تھا اتنے لمبے ساتھ میں تم بھی میری آنکھوں کی زبان سمجھنے لگی ہو گی مگر تم، خیر بس بات کا اظہار تمہیں میری آنکھوں سے نہیں ملا میرے الفاظ شاید تمہیں اس کا یقین دلا دیں۔“ وہ لمحہ بھر کو رکنا پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”مجھے تم سے محبت ہے اور میں نے ہمیشہ اپنے خوابوں میں ہم سفر کے روپ میں تمہیں ہی دیکھا ہے، اب کہو کیا تمہیں میرا ساتھ قبول ہے؟“

”لیکن تم نے تو کہا تھا تم ابکل آنتی کی خوشی کے لئے اس رشتے کے لئے ہاں کر رہے ہو۔“ اس نے جیسے شکایت لگائی۔

”بات یہ ہے مائی ڈیر کزن ویسے تو میں اچھا خاصا ذہین فطین قسم کا بندہ ہوں You know مگر ہر ذہین آدمی کے دماغ میں بھی کبھی کبھی خلل آ جاتا ہے جسے عشق کہا جاتا ہے۔“ وہ پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اس کے چہرے کے گڑتے زلزلے دیکھ کر فوراً بات بدل دی۔

”جو میں اب کہہ رہا ہوں خدا را اس پر دھیان دو لڑکی۔“

”اور تمہیں تو بہت خوبصورت بیوی چاہیے میں تو خوبصورت بھی نہیں۔“ عروپہ نے اسد کے

ماہنامہ حنا (۱۹۴) اگست ۲۰۱۴

عاجز اندھے لہجے کا ذرا بھی لوش نہ لیا تھا۔

”عروہ!“ اس پکار میں جانے کیا کچھ تھا وہ بے اختیار ہی اس کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

”میں نے کہا ہے عروہ کہ مجھے تم سے محبت ہے، محبت چہروں سے نہیں ہوا کرتی محبت دل سے کی جاتی ہے، محبت تن سے نہیں من سے کی جاتی ہے مائی ڈیر، میں ہمیشہ تمہیں ستایا کرتا تھا رنگ گورا کرنے والی کریوں کے پیچھے دوڑتا دیکھ کر تم پر ہنستا تھا تو اس کا مقصد تمہارا مذاق اڑانا نہیں تھا بلکہ میں چاہتا تھا تم میری باتوں سے تنگ آ کر کسی مگر وہ سب چھوڑ دو اور یقین کر لو کہ تم جو ہو جیسی ہو بہت اچھی ہو بہت خوبصورت ہو اور میری نظر سے دیکھو عروہ تو جان لو گی کہ تم کتنی خوبصورت ہو۔“ وہ اس کے دل میں جیسے کاتوں کو نکالتا ساتھ ساتھ پیار کا مرہم بھی رکھ رہا تھا عروہ نے پہلی بار اپنے کندھوں اور دل سے کوئی بھاری بوجھ سرکھٹا محسوس کیا، وہ خود کو بہت پرسکون بہت آزاد محسوس کر رہی تھی۔

”سنو میں نے تو تمہارے لئے عیدی بھی لے لی ہے جو امی ابو بہت جلد تمہارے گھر لانے والے ہیں، لیکن بس ایک چیز کی کمی رہ گئی۔“

”وہ کیا؟“ وہ جو بڑے دھیان سے مسکراتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی چونک کر پوچھنے لگی۔

”یار وہ میں نے سب چیزیں خریدیں مگر کوئی رنگ گورا کرنے والی کریم خریدنا بھول گیا۔“ وہ ایک بار پھر شرارت پر آمادہ ہوا مگر اب عروہ پر حقیقت آشکار ہو چکی تھی۔

”اب اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔“ وہ مسکراتے ہوئے اعتماد سے کہہ رہی تھی۔

”ریٹلی۔“ وہ پھر چھیڑنے لگا۔

”یقین نہیں؟“

”تمہارا ہی تو یقین ہے۔“ اس کے اعتماد سے کہنے پر بہت دن بعد عروہ پہ کھل کے مسکرائی۔

☆☆☆

آج چند عرواں روزہ تھا اور اسد کی فیملی بھی آج افطاری پر مدعو تھی، سو روزہ کی نسبت آج افطاری اور ڈنر کا اہتمام بھی کچھ خاص تھا، کھانا بہت خوشگوار ماحول میں کھایا گیا اس کے بعد بڑے محن میں اور بچے لی دی لاؤنج میں محفل بجا کر بیٹھ گئے، اذان ہوئی تو مردوں نے تراویح کے لئے محلے کی مسجد کا رخ کیا اور لڑکیاں جلدی جلدی کچن سینے لگیں، جانتی تھیں کہ نماز کے بعد چائے کا ایک اور دور چلنے والا ہے، آج وہ لوگ خاص مقصد سے آئے تھے، یعنی اسد کے لئے عروہ کا ہاتھ مانگنے اور صرف اتنا ہی نہیں ساتھ میں اس کی عیدی بھی لائے تھے۔

”مجھے یقین تھا کہ میری بہن میرا مان رکھ لے گی بس اسی لئے اپنی جی کی عیدی بھی ساتھ لے آیا، انشاء اللہ اگلی عید تو یہ اپنے گھر جا کر ہی کرے گی۔“ محن سے آئی ماسوں جی کی آواز سن کر عروہ کے چہرے پر کتنے ہی دھنک رنگ بکھر گئے تھے عاشی نے یہ خوبصورت منظر دیکھا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

آج شان فرصت سے بیٹھا تھا اور ارادہ یہی تھا کہ آج عائشہ کی سنواری پڑھ کر ہی اٹھے گا، وہ کہانی اور اس کے کردار اس کے لئے اجنبی نہیں تھے دراصل وہ اس کی اور عائشہ کی خاموش محبت کی کہانی تھی، شان کے روپے سے مایوسی عاشی نے بہت ہی دھی ایڈ کیا تھا اس کہانی کا۔

”تمہیں اللہ بوجھے عاشی میڈم اس قدر دل دکھانے والا ایڈ تم کبھی اچھی رائٹر نہیں بن سکتیں،

ماہنامہ حنا () اگست 2014

ایک دم غلاب ہو۔" وہی اینڈ لکھ دیکھ کر شان تصور
ہی تصور میں عاشی سے باتیں کرنے لگا۔
"گستاخے تمہیں کہانی لکھنا سکھانا ہی پڑے
گا۔" وہ کچھ فیصلہ کرنا اٹھ کھڑا ہوا۔

ہلہ ہلہ ہلہ

"آداب!" شان کی آواز پر عاشی تیزی
سے ہلٹی وہ آج صبح ہی تو گاؤں پہنچی تھی اگرچہ آٹنی
جانتی تھیں کہ اس بار وہ عید ان کے ساتھ کرے
لیکن وہ اپنے گھر آنے کو بے تاب تھی اور ویسے
بھی اب وہاں اس کا دل نہ لگ رہا تھا۔

"آپ یہاں؟ اس وقت؟" اس کا حیران
ہونا بجا تھا کیونکہ کل عید متوقع تھی اور ایسے وقت
میں شان کی گاؤں میں موجودگی چہ معنی۔

"میں نے تمہاری کہانی پڑھ لی تھی اور اس
کے بارے میں اپنی رائے دینا چاہتا تھا لیکن میں
دودن کے لئے شہر سے باہر گیا اور تم یہاں آ گئیں
تو میں نے سوچا کہ نیک کام میں دیر کیسی سو میں
یہاں چلا آیا۔" مسلسل بولنا شان کہیں سے بھی وہ
سنجیدہ لیا دیا رہنے والا شان نہیں لگ رہا تھا بلکہ
آج وہ نڈا اور عروہ کا سا بھائی لگ رہا تھا۔

لیکن.....

"لیکن لیکن چھوڑو سنو تمہاری کہانی ویسے تو
بہت اچھی ہے، خاص طور سے شاعری کا انتخاب
بہت خوب تھا لیکن سنو ری میں کچھ گڑبڑ ہے، ایک
تو تم نے اپنی کہانی کے ہیرو بیچارے کو کچھ زیادہ
ہی اتار پرست اور بے وقوف دکھا دیا۔"

"بے وقوف کیسے میں نے تو....."

"ارے بابا اپنی محبت اپنی زندگی کو اس
طرح انا کی نظر کر دینے والا بے وقوف نہیں تو اور
کیا ہے اور دوسری بات سنو ری کا اینڈ مجھے بالکل
پسند نہیں آیا، اتار روٹے دھونے والا اینڈ پڑھ کر
بے چاری لڑکیوں کا کیا حال ہو گا، اس کہانی میں

تھوڑی سی تبدیلیاں کرو اور ڈائجسٹ میں عید نمبر
کے لئے بھیج دو، ارے تم نے رونا کیوں شروع کر
دیا۔" ڈائجسٹ کا نام آتے ہی عاشی کو منہ
بسورتے دیکھ کر وہ جلدی سے پوچھنے لگا۔

"اب ڈائجسٹ میں بھیجے کا وقت کہاں
رہا۔"

"حد ہے یار میں تمہاری زندگی کی کہانی
سنو ر نے آیا ہوں اور تم خوش ہونے کی بجائے
اپنی یہ جھوٹی کہانی ڈائجسٹ میں نہ چھپنے پر آنسو
بہا رہی ہو۔" وہ ملاحتی لہجے میں بولا۔

"یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے۔" وہ ذرا غصے
سے بولی، اپنی ساری زندگی اپنے جذبات تو لکھ
ڈالے تھے عاشی نے اس کہانی میں، تو وہ اس
کہانی کو جھوٹی کہانی کیسے مان لیتی بھلا۔

"جھوٹی ہے اس میں تم نے میری کتنی
برائیاں کی ہیں مجھ پر آیا طعنے سب اس میں لکھ ڈالا
تا تو یہ جھوٹ ہے اور سنو۔" یکدم اس نے عاشی کا
چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور چند لمحے یونہی
خاموشی سے اسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

"چھوڑو عاشی ان کہانیوں کو آدھم اپنی کہانی
لکھتے ہیں، اپنے جذباتوں اور بے قرار یوں سے کئی
ایک خوبصورت کہانی جس میں بس پیار ہو گا
صرف ہنس اور خوشی ہو گی کوئی دکھ نہیں کوئی آنسو
نہیں، کیا خیال ہے؟" آخر میں وہ اپنی انگلیوں
کی پوروں سے اس کے گالوں پر ڈھلکتے موتیوں کو
سیٹھنے لگا تو عاشی کی نظریں حیا سے جھک گئیں۔

"ارے ہاں مجھے تم سے کچھ اور بھی کہنا
تھا۔" وہ اپنی پاکٹ ٹوٹتے ہوئے بولا تو عاشی
منتظر نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اپنے دل کی بات کاغذ سے پڑھ کر
سنائیں گے۔" آنکھوں کے ساتھ لہجے سے بھی
شکایت جھسکی تو وہ ہنس دیا۔

ماہنامہ منا (۱۹۶) اگست ۲۰۱۴

"سوری یاد بہت لڑائی کیا مگر اتنی ایمر جنسی میں یاد ہی نہ ہو تم تو جانتی ہوتا مجھے شاعری ویسے بھی یاد نہیں رہتی مگر تم ان لفظوں کو دل سے سننا کیونکہ یہ میرے دل کی آواز ہیں۔" وہ ان خفا خفا سی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گویا التجا کر دیا تھا پھر دوسرے ہی لمحے وہ اپنی پاکٹ سے آنکھوں کی ٹکائی کر اس کے دائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں پہنانے لگا، تو عاشری ایک بار پھر آنکھوں کے جھروکوں پر پتکوں کی چٹن مگر مٹی۔

محبت زندگی کا ستارہ ہے
تجلی تو یوں ہے
زیست میری ہے
حق تمہارا ہے

"یہ سب پہلے کیوں نہیں کیا؟" لفظوں کی خوبصورتی اور اس کے لہجے کی تسکین میں کھولی عاشری دھیرے سے بولی۔

"پہلے کہہ دیتا تو تمہارا اتنا خوبصورت اظہار کیسے ملتا۔" اس کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ آن ٹھہری۔

"کیا مطلب میں نے کب اظہار کیا؟"

"وہ جو کہانی میں مریم۔"

"وہ صرف میری کہانی کے ہیروئن کے جذبات تھے اور کہانی کی ڈیماڈ، آپ کسی خوش فہمی میں مت رہنا۔" وہ خواہ مخواہ نظریں چرانے لگی۔

"ویسے یوں کہانی کے ذریعے اظہار کرنے کا طریقہ بڑا مختلف تھا آخر کورائٹر ہوتا۔" وہ پھر شریر ہوا۔

"دیکھو میں نے کہا نا وہ صرف کہانی۔"

"او کے او کے چلو ٹھیک ہے، مان لیا مگر میں نے جو کہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔" اس کا لہجہ اس کے الفاظ کی سچائی اور شدتوں کو گواہ بن کر عاشری

کے دل کو چھونے لگا۔

"ایک عینہ اٹھارہاں دن۔" عاشری بے ساختہ بول اٹھی۔

"اب یہ کیا ہے؟" وہ الجھا۔

"آپ کو کہانی دیے اتنے دن ہو گئے ہیں مجھے اور آپ کو اب یہ سب کہنے کا خیال آیا ہے، جانتے ہیں یہ سارا ٹائم میں نے کیسے گزارا ایک ایک لمحہ۔" وہ کہتے کہتے لب بھینچ مٹی اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ وہ اظہار کے پھول شان کے ہاتھوں میں چھانے چلی تھی جبکہ ابھی وہ اسے کچھ اور سنا چاہتی تھی، حق تھا ابھی اتنا انتظار جو کیا تھا اس نے۔

"وہ دراصل تمہاری کہانی تو میں نے بہت پہلے پڑھ لی تھی مگر۔۔۔ وہ کیا ہے کہ میں نے سکول کے زمانے میں خواتین کے کچھ ڈائجسٹ پڑھے تھے اور ان میں ہیرو اظہار کے لئے ہمیشہ چاند رات کا انتخاب کرتا ہے تو سو میں بھی۔۔۔" وہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا بڑی مصومیت سے وجہ بتا رہا تھا اور اس کی اس وجہ پر عاشری کا تہقید بے ساختہ تھا۔

"آپ باگل ہیں ذیشان۔" اس کے لہجے میں سرشاری ہی نہیں ڈھیر سارا پیار بھی شامل تھا۔ "ہاں پاگل ہوں، تمہارا پاگل۔" دوسری طرف جواب دینے میں لہجہ بھر بھی دیر نہ ہوئی تھی، ان کے آنکھوں میں اترتی اٹھاتی گنگنائی چاند رات ایک خوش رنگ سویرے کا اعلان کرنے لگی تو وہ دونوں بھی آسمان کے سینے پر سکون سے سر رکھے عید کا پیغام دیتے چاند کو دیکھتے مسکرا دیے۔

☆☆☆

ماہنامہ حسنا (۱۹۷) اگست ۲۰۱۴

تیرے بنا عید کیا

ایسے ہی بیٹھا ہوا تھا اور میرے لئے ایک لمبا سفر ابھی باقی تھا، ایک ہی پوزیشن پر بیٹھے بیٹھے بس دو دند میں اٹھا تھا اور پھر سے یہاں آ کر بیٹھ گیا تھا میرا جسم اکڑ چکا تھا، مگر جب فراغت ہوتی ہے اور تنہائی تب مانتی ہزار تہوں سے نکل کر بھی آپ کے سامنے آ جاتا ہے، جانے کیوں، بے شک آپ است یاد کرنا چاہیں یا نہ، بے شک آپ

ٹرین تیزی سے بہت سارے مناظر بہت کی چیزیں بہت سے ملاتے بہت سے لوگ پیچھے چھوڑے چلی جا رہی تھی اور گزرتے لمحوں کے ساتھ ہر مسافر کو جو اس وقت اس میں سوار تھے اپنی اپنی منزل پر پہنچانے کے لئے بھاگتی چلی جا رہی تھی، میرا سفر بہت لمبا تھا، میں کوئٹہ سے لاہور جا رہا تھا، نیچے دس گھنٹوں سے میں اس سیٹ پر

ناولٹ

اسے بھول چلا ہوں تب بھی، میں اس وقت مانتی یہ حال کسی کو بھی یاد نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے سر جھٹک کر کھڑکی کے باہر موجود مناظر دیکھنے لگا تھا، ہرے بھرے کھیت تھے اور ان میں موسموں کی پرواہ کیے بغیر جتے ہوئے مرد و زن، مجھے میرا پاکستان اسی لئے اچھا لگتا ہے کہ یہاں وہ انٹشی بہت سے اور محنت اس کے علاوہ، اور یہاں محبت اور وفا بھی تو بہت گے، شاید اس کی مٹی کی تاثیر ہی ایسی ہے یا پھر اس کی فضاؤں کا موسمی ایسا ہے، یا شاید اس مٹی پر رہنے والوں کا خمیر ہی ایسا تھا ہے کہ وہ فنا ہو جاتے ہیں مگر محبت محبت بکارتا نہیں چھوڑتے۔

ٹرین ایک چھوٹے سے اسٹیشن پر رک گئی تھی، میں نے اسے گرد گرد ہوتے بالوں میں بمشکل اٹھکیاں چاکی تھیں اور کھڑکی کے چین سے ہنساتے کھڑکی پر بھی والے کو اشارے سے پاس لایا تھا اور مان چھوڑے نالے کو کہا تھا، وہ جوت پٹ تان اور ہاسی پکوڑے جن کو جانے وہ کالے



ماہنامہ حنا (۱۹۸) اگست ۲۰۱۴



تھی کہ وہ ابھی تک نہ آیا تھا اور میں چونکہ اپنے جگر کی پار کی بات سوڑ نہ سکتا تھا اسی لئے اپنی نئی نویں دہن کو لے کر اس کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا آج میں یہاں آپ کے ساتھ موجود ہوں۔" شاہ بانو نے اپنے حنائی ہاتھوں سے قبوے کی پیالی مجھے پکڑ لی تھی اور خود ایک بار پھر چادر میں منہ سر لپیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ چونکہ یہ لاہور نہ تھا اس لئے شاہ بانو کو یہاں کے رواج کے مطابق پردہ کرنا پڑ رہا تھا اور اس کوشش میں وہ اپنے آپ کو کم اور چادر کو زیادہ سنبھال رہی تھی، اسے اس کوشش میں بلکان دیکھ کر میرے لب خود بخود مسکراتے لگے تھے اور وہ میری مسکراہٹ اور آنکھوں کی معنی خیزی سے ہنسپ جھینپ جاتی تھی۔

"یہ کوئی خواب نہیں حقیقت ہے یہ میں ہوں تمہارے سامنے تمہارے پاس، ارسل متاثر تمہارا محبوب تمہارا شوہر۔" میں نے اس کی بات کے جواب میں شرارت سے کہا تھا اور وہ مسکراتی آنکھوں سے شرمانی تھی، تھوڑی دیر بعد نہال بھاگتا ہوا ہماری طرف آیا تھا اور شاہ بانو کو سلام کر کے میرے ساتھ لپٹ گیا تھا، راستے میں ایک ایکسپریٹ ہو گیا تھا اور اسے زخمی کو لے کر ہسپتال جانا پڑا تھا اس لئے وہ لیٹ ہو گیا تھا، وہ معذرت کرنے کے ساتھ وضائیں دے رہا تھا اور ساتھ ہی ہمارا سامان اٹھا کر اپنی گاڑی میں رکھنے لگا تھا۔

نہال کی گاڑی چل پڑی تھی، میں اس کے ساتھ آگے بیٹھنے کی بجائے پیچھے شاہ بانو کے ساتھ بیٹھا تھا، نہال مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کر رہا تھا اور میں اس کی باتوں میں صرف ہوں جا کر رہا تھا کیونکہ میری توجہ اس سے زیادہ ساتھ بیٹھی ہوئی

تیل میں کتنی دلفرد گرم کر چکا تھا میرے سامنے لے آیا تھا، پکڑے بے شک باسی تھے اور نان سخت، مگر ان کی اشتہا انگیز خوشبو مجھے یہ احساس دلادی تھی کہ پچھلے کئی گھنٹوں سے میرا معدہ سناخالی ہے اور اب مجھے اس کھانے کی کتنی ضرورت ہے، میں نے اسے پیسے دیئے اور جلدی جلدی نان پکڑے کھانے لگا تھا، کھانا کھا کر میں فرین سے نیچے اتر آیا تھا اور قریب ہی لگے چند پمپ کو چاڑھ کر اس کا تازہ پانی پی کر وہیں ٹھہرنے لگا تھا، کھانا پیٹ میں کیا گیا تھا ساری دنیا پھر سے نئی نئی لگنے لگی تھی، جب فرین نے وسل دی تب میں دوبارہ اس میں سوار ہو کر اپنی سیٹ پر آن بیٹھا تھا، ایک بار پھر بھاگتے دوڑتے مناظر تھے اور میری آنکھوں میں غنودگی کی ریت سی چسپنے لگی تھی، میں نے آنکھیں موند کر سر سیٹ کے اوپر ٹکا دیا تھا۔

☆☆☆

سرخ لباس میں چھوٹی موٹی سی بی بی وہ میرے ہمراہ تھی اور اس وقت مجھے لگ رہا تھا کہ میں نے دونوں جہاں کی دولت سے دامن بھر لیا ہے، شاہ بانو جب سے میری زندگی میں شامل ہوئی تھی مجھے زندگی سے پیار اور اس پیار سے عشق ہو گیا تھا، کوئٹہ کے جنگلی میں ادبے ریوے اسٹیشن پر ہم دونوں ایک سنگی چٹان پر بیٹھے بھاپ اڑاتے قبوے سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ہمارے سامنے سرمئی اور مینالے پہاڑ شان سے سر اٹھائے کھڑے تھے، چونکہ فرین ہم جیسے مسافروں کو منزل پر اتار کر کب کی روانہ ہو چکی تھی اس لئے اب اسٹیشن پر قدرے سکوت تھا، نہال نے مجھے کہا تھا کہ وہ ہمیں اسٹیشن سے خود لے کر جائے گا اس لئے مجھے اس کا انتظار تھا، وہ تو اپنی بات کا اتنا پکا تھا کہ وہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی اسٹیشن پر بیٹھا ہوتا مگر جانے کیا بات ہوئی

ماہنامہ حنا (2010) اگست 2014

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب

نماز گندم

دنیا گول ہے

آدھ روڑ کی ڈائری

ابن بطوطہ کے تاقب میں

چلتے ہو تو بچن کو چلے

گمری گمری بچا مسافر

عید انشائی کے

لیتی کے آگ کوپے میں

چاند بھر

دل ڈال

آپ سے کیا پوچھوں

ڈاکٹر مولوی بدائق

توانہ اردو

انتخاب کام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

طیف نثر

طیف غزل

طیف اقبال

ایڈور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز: 7321690-7310797

شاہ بانو پر تھی، شاہ بانو بہت خوبصورت تھی اور اس
پر جس طرح دلہنائے کا روپ ٹوٹ کر چڑھا تھا وہ
روپ مجھے کسی اور منظر کو دیکھنے کی اجازت ہی نہ
دے رہا تھا، نہال ہمیں میرے مکان پر چھوڑ کر یہ
کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی کھانا لے کر آتا ہے۔

”یہ ہے میرا غریب خانہ اور آج سے یہ
تمہاری ملکیت ہوا۔“ میں پورا ایک ماہ باہر رہ کر آیا
تھا مگر گھر کا کونہ کونہ نہال کی بدولت چمک رہا تھا،
بلکہ اس نے محن میں آرائشی جھنڈیاں لگا کر اور
کمروں میں فانوس اور پھولوں سے خاطر خواہ گھر
کی سیجاوٹ کر رکھی تھی، اچھے دوست واقعی خدا داد
نعمت ہوتے ہیں، میں نے دل میں سوچا تھا اور
شاہ بانو کا ہاتھ تھام کر اسے پورا گھر دکھانے لگا
تھا۔

”کیسا لگا؟“

گھر کے پچھلی طرف پیادوں سے اتر
کر ایک ٹھنڈے ٹھنڈے چشمے کا پانی سیدھا ہمارے
محن میں آتا تھا اور اس کے ساتھ لگے خوبابی اور
آژود اور سیبوں کے درخت جنت کا منظر پیش
کرتے تھے، میں نے سیبوں کے درخت کے
نیچے بیٹھ کر شاہ بانو سے پوچھا تھا، وہ آنکھوں میں
حیرت اور ستائش بھر کر یہ سب دیکھ رہی تھی۔

”بہت خوبصورت، بہت پیارا، ارسل یہ
جنت ہے جنت۔“ اس نے چشمے کا ٹھنڈا پانی
دونوں ہاتھوں میں بھر لیا تھا۔

”اور اب تم اس جنت کی حور ہو۔“ میں نے
اسے ہانڈوؤں میں بھر لیا تھا، اس نے شرما کر اپنا
سر میرے سینے میں چھپا لیا تھا، اتنے میں باہر کے
دروازے پر دستک ہوئی تھی، نہال کھانا لے آیا تھا
شاید ایک لمبے اور تھیکا دینے والے سفر کے بعد
بھوک بھی چمک رہی تھی اور تھکاوٹ تو جیسے آٹھ
انگ میں بس گئی تھی۔

ماہنامہ سنا (201) اگست 2014

”آؤ۔“ میں نے اس کا ہاتھ تھاما تھا اور اسے اندرونی کمروں کی طرف لے آیا تھا۔

”ہاؤ صاحب نکٹ۔“ میں جانے کہاں پہنچا ہوا تھا جب کسی نے میرا کندھا ہلایا تھا، میں نے چونک کر آنکھیں کھولیں تو نکٹ چیکر میرے سامنے کھڑا تھا، اس نے میرے خوبصورت خیالوں کا غلسم توڑ دیا تھا، میں نے جیب سے نکٹ نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا، اس نے مسلسل سے نشان لگا کر نکٹ دوبارہ میری طرف بڑھا دیا تھا اور خود چاگیا تھا، باہر شام ڈھلنے لگی تھی، ٹرین جس تیزی سے گزرتی تھی اسی تیزی سے شاہ بانو کا لاہور بھی قریب آتا جا رہا تھا اور شاہ بانو وہ تو بھی ہی دل کے بے حد قریب، دل کی دھڑکنوں میں آج بھی اس کے نام پہ ارتعاش سا پیدا ہو جاتا ہے، پتہ نہیں یہ محبت تھی یا کچھ اور، مگر میں اس کو محبت ہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔

جس جگہ تھا

”استانی جی آج اپنی دیوار پر صبح سے کوا بولے جا رہا ہے، آج کوئی مہمان ضرور آئے گا۔“ ملیحہ شاہ بانو کی سب سے چھٹی شاگردی، وہ تو یاد سے زیادہ وقت شاہ بانو کے ساتھ گزارا ہی پسند کرتی تھی اور اس ساتھ لے ملیحہ کے ماں باپ جانتے تھے ان کی بیٹی کو سختی سلیقہ مند و ہنرمند اور فاضل مند بنا دیا تھا، وہ کون سا ایسا گھر تھا جو شاہ بانو کو نہ آتا تھا، کھانا پکانا ہو یا سلائی کڑھائی کا کوئی کام، سیرت کو بنانا ہو یا صورتوں کو سنوارنا شاہ بانو ہر کام میں طاق تھی اور اس نے اپنا فن اپنے تک ہی محدود نہیں رکھا تھا بلکہ وہ غم اور ہنسی کی روشنی پانٹنے کے حق میں تھی اور خوب پانٹ رہی تھی۔

”دہارا کوئی مہمان کہاں سے آئے گا، بے چارہ بھوکا ہو گا تم ایسا کرو روٹی بھگو کر اسے ڈال دو پیٹ بھرے گا تو خود ہی اڑ جائے گا۔“ وہ اخبار

پڑھ رہی تھی، ملیحہ کی بات سن کر مسکراتے ہوئے اسے کہنے لگی تھی۔

”روٹی تو میں دو دن اسے ڈال چکی ہوں، روٹی کھاتا ہے اور پھر منڈ پر پر بیٹھ کر کاں کاں کرنے لگتا ہے۔“ ملیحہ اس کی کاں کاں سے صبح کی عاجز آئی بیٹھی تھی، منہ بسور کر استانی جی کو بتانے لگی تھی۔

”اچھا تم اس کو چھوڑو جاؤ تمہاری امی باا رہتی ہیں، مہمان اگر نہیں تمہارے گھر میں آئے بیٹھے ہیں بیٹا، مدیحہ کی ساس آئی ہے، جاؤ جا کر بہمن کا ہاتھ بناؤ۔“ استانی جی نے اسے اپنے پاس بلا کر نرمی سے پیغام دیا تھا، ابھی اس کی امی نے شاہ بانو کو ڈون کیا تھا۔

”جی اچھا، یہ میں نے مضمون لکھ لیا ہے۔“ اس نے رجسٹر شاہ بانو کے آگے رکھا تھا اور خود گھر میں چلا ہوا وہ پٹ پھیلا کر اوڑھنے لگی تھی۔

”ہاں میں دیکھ لوں گی۔“ شاہ بانو نے کہا اور اٹھ کر اس کے پیچھے آگئی تھی، ملیحہ کا گھر اسی گلی میں کچھ فاصلے پر واقع تھا جب تک ملیحہ اپنے گھر میں داخل نہ ہو جاتی شاہ بانو اپنے دروازے پر کھڑی اس کو دیکھتی رہتی، وہ اپنے پاس پڑھنے یا کچھ سیکھنے کی غرض سے آنے والی ہر بچی کو اپنی بچی سمجھ کر اس کا خیال رکھتی تھی، ملیحہ کے جانے کے بعد گھر میں جیسے ایک دم سے سناٹا اتر آیا تھا، سارا دن بچیوں اور ان کی ماؤں کا آنا جانا لگا رہتا تھا اس لئے یہ خاموشی اور تنہائی محسوس نہ ہوتی تھی مگر شام ڈھلنے کے ساتھ ہی خاموشی اور تنہائی اس گھر میں ملیحہ سالگا کر بیٹھ جاتی تھیں حالانکہ کوئی بواہر شاہ بانو کا ہر بل کا ساتھ تھا، اس کے بیٹے نے جب سے اسے گھر سے نکالا تھا تب سے وہ شاہ بانو کے ہاں ہی رہ رہی تھی اور اس میں دونوں کا فائدہ تھا شاہ بانو کو، بل گئی تھی اور کوئی برا کو بیٹھے

ماہنامہ دنا (2012) اگست 2014

تھانیم ملگیا سا اندھیرا تھا، دروازہ کھولتے ہی جو صورت سامنے آئی تھی وہ اسے سراسر آگ کی لگی ہوئی سی لگی تھی، اس لئے دھڑا دھڑ کر کے دل کو سنبھال کر پوچھنے لگی تھی۔

”میں ہوں ارسل ممتاز، تمہارا ارسل۔“ وہ یہ بات کہنے کا کوئی حق نہ رکھتا تھا مگر کہے گیا تھا، ملیجہ کی بات کچھ ثابت ہوئی تھی آج سارا دن منڈیر پر کوا کسی خاص مہمان کے لئے ہی کاں کاں کرتا رہا تھا۔

”اب یہاں کیا ہے؟ آپ شاید راستہ بھول گئے ہیں، یہاں آپ کے لئے کوئی نہیں رہتا۔“ اس نے دروازہ دوبارہ منقل کرنا چاہا تھا، یہ الگ بات کہ دور دراز کا سفر کر کے آئے مہمان کے چہرے سے سب عیاں تھا، تھکاوٹ، شرمندگی اور بے بسی، مگر وہ کیا کرتی، وہ اب اس کا کچھ نہ رہا تھا۔

”دیکھو شاہ بانو مجھے دروازے سے مت لوٹاؤ، مجھے اندر تو آنے دو، مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے میں اتنی دور سے پونہ نہیں آیا ہوں۔“ اس نے شاہ بانو کے تاثرات دیکھ کر جلدی سے کہا تھا۔

”مگر مجھے کچھ نہیں سننا۔“ شاہ بانو نے دروازہ بند کر دیا تھا اور وہ دروازے پر ہی کھڑا رہ گیا تھا۔

ہم نے منصف جسے بنایا تھا دار تک ساتھ چل کے آیا تھا راستے میں جو اعتبار ملا ہم نے منزل پہ جا غنویا تھا مت یقین تم بہار کا کرنا زرد ہوں نے یہ بتایا تھا اس لئے ہم غریب کھا بیٹھے تھے آزمودہ کو آزمایا تھا

بٹھائے ایک بیٹی کا پیار، کوئی بوا مغرب کی نماز پڑھ کر کمرے میں بیٹھی تسبیح میں مشغول تھی، شاہ بانو نے بچن میں جھانک کر دیکھا، ملیجہ بھنڈی اور گوشت کا سالن پکا کر دو روٹیاں بھی ڈال گئی تھی، شاہ بانو کو بے ساختہ ہی اس پر پیار آیا تھا۔

”مجھے بھنڈی گوشت بہت پسند ہے اور اگر تمہارے ہاتھ کا پکا ہو تو مزہ ہی آ جائے۔“ چند سال پہلے کی کہی ہوئی یہ بات اسی آواز میں آج بھی شاہ بانو کو یاد تھی، اسی آگن میں گرمیوں کا موسم تھا اور اس نے آموں کے ساتھ بھنڈی اور گوشت لا کر اسے دیا تھا کہ پکا دے، وہ اس شخص کو بھول چکی تھی مگر جانے کیا بات تھی پھر بھی ہر قدم پر وہ کیسے یاد آ جاتا تھا، اس نے سالن پلیٹوں میں نکالا تھا اور آنسوؤں کا گولا حلق میں اتار کر اپنا اور کوئی بوا کا کھانا لے کر کمرے میں چلی گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟“ وہ دونوں آنے سامنے بیٹھے کھانا کھا رہے تھے جب ارسل نے اس کے دائیں ہاتھ کی انگلیاں پکڑ کر چاٹ لی تھیں، اس نے گھبرا کر اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔

”تم کھانا ہی اتنا حوصلے کا رکھتی ہو کہ میں تمہاری انگلیاں نہ چاٹوں تو اور کیا کروں۔“ دوسری بار سیبوں کے درختوں والے گھر میں جب اس نے بھنڈی گوشت پکایا تھا تو ارسل نے کہا تھا۔

”کوئی بوا کھانا کھا رہی تھی اور وہ کھانا گل رہی تھی، بھنڈی گوشت اس کے حلق سے نیچے ہی نہ جا رہا تھا، اتنے میں دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی تھی۔“

”جانے کون ہے؟“ وہ کھانا اڑھوا چھوڑ کر اٹھی تھی۔

”کون؟“ آج کلی میں ننگے ہوا بلب بجھا ہوا

ماہنامہ دنیا (2013) اگست 2014

”شاہ بانو..... شاہ بانو..... بانو پلیز دروازہ کھولو۔“ وہ بند دروازے کے پیچھے ٹپک ٹپک کھڑی تھی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں اور دوسری طرف کھڑے شخص کو پکار رہی تھی اور دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

”یہاں میری ایک عزت ہے، مجھے یوں دنیا میں تمنا شانہ بتائیں اور سب جہاں سے آئے ہیں وہاں لوٹ جائیے، یہ گواہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے سننے کے تھے آپ نہیں متقل ہیں رہنے دیں، یہ اب نہیں کھینچیں گے۔“ رندھی ہوئی آواز میں اس نے کہا تھا۔

”کون ہے؟“ کوئی بواہر آدے میں کھڑی اشاروں سے پوچھ رہی تھی، شاہ بانو کے بس آنسو برس رہے تھے وہ کیا بتائی کہ باہر کون ہے۔

مجھے دیکھ کر شاہ بانو کا رد عمل بہت شدید تھا اس نے دروازہ نہیں کھولا تھا اور میں بونہا بن کر ٹیل معرہ لوٹ آیا تھا، میں چونکہ اس شہر کے بچے تھے سے واقف تھا اس لئے ایک ہول میں آگیا تھا، بچپن اور لڑپن میرا لاہور کی گلیوں میں گزرا تھا، میں نے اور شاہ بانو نے اکٹھے کھیلے کودتے کرتے بھٹکتے یہ عرصہ گزرا تھا پھر میرے بابا جان کا تدار کوئٹہ میں ہو گیا اور میں ان کے ساتھ لاہور جانا پڑا تھا، یوں بوائی کے دن کوئٹہ میں شروع ہوئے تھے اور لاہور سے تھے، پھر ماں اور شاہ بانو کی ماں بھی یہی سہیلیاں تھیں، ایک شہر سے تعلق رکھتی تھیں اور پھر اسی شہر میں بڑی تھیں تو وہ تانہ بہنہ ہے میں بدل گیا، ان کی محبت امارے دلوں میں بھی پروان چڑھی اور اس محبت نے مجھے اور شاہ بانو کو کیسے جکڑا اس بات کا احساس مجھے بھی لاہور میں نہ ہوا، مگر جب دوری آن چکی اور ساری جلدائی دل کا روگ بن گئی تب

کوئٹہ کی معطر فضاؤں میں، میں نے جانا کہ میں اپنا دل تو شہر لاہور میں ہی چھوڑ آیا ہوں، شاہ بانو میرے دل میں نہیں رہتی تھی میرا دل بن گئی تھی، میں نے یہ بات ماں کے کانوں میں بھی ڈال دی تھی، وہ دل سے یہی چاہتی تھیں کہ میں اور شاہ بانو ایک ہو جائیں تاکہ ان کا دوستانہ رشتہ داری میں بدل سکے، انہوں نے بابا جان سے مشورہ کر کے فون پر ہی نصیہ خالہ سے میرے اور شاہ بانو کے رشتے کی بات کر لی تھی اور نصیہ خالہ سے ماں کو اس کے دم لیا تھا، میں نے جس سے محبت کی تھی اور محبت پالی تھی اس لئے سرخرو بھی تھا اور شاد آباد بھی، محبت میں غم اور دکھ کیا ہوتے ہیں ان کا مجھے نہیں پتا تھا، بس مجھے تو اتنا پتا تھا کہ شاہ بانو کو ایک دن یاد کر لاہور کی معروف ترین زندگی کو چھوڑ کر ہسکون کوئٹہ میں میرے گھر میں چلے آنا ہے، اس سے آگے میں نے کبھی کچھ نہیں سوچا تھا۔

میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھا اس لئے جو چاہتا حاصل کر لیتا تھا اور یہاں تو شاہ بانو میرے دل کے ساتھ ساتھ میرے والدین کی خوشی بھی تھی، انہی دنوں جب زندگی بہت اچھی لگتی تھی اور زمانے کی ہر شے بہت روشن کہ جوانی خوشیوں، ریشنیوں اور رنگوں ہی کا دوسرا نام ہے ایک دم وہ کچھ ہوا جس کی توقع نہ رہ گئی تھی تھے نہ ریشنیاں، مگر موت وہ پہنچے ہے جو زندگی کے بھی پیچھے رہتی ہے رنگوں کے بھی اور ریشنیوں کے بھی، بابا اور ماں ایک ساتھ ہی مجھے چھوڑ کر سفر آخرت پر روانہ ہوئے، وہ ٹرینک حادثہ تھا شدید تھا کہ دونوں نے موقع پر ہی جان دے دی تھی، میں نے یہ خبر سنی تو ہوش و خرد سے بے گانہ ہو گیا تھا، جانے یہ جان لیوا اطلاع کس نے میرے عزیزوں تک پہنچائی تھی کہ ملک کے کوئٹہ

ماہنامہ منا (2014) اگست 2014

کوٹے سے سب اکٹھے ہو گئے تھے، لاہور سے نعیم خالہ اور مراد خالو بھی آئے تھے، وہ اماں بابا کی تدفین کے بعد دسویں تک رہے تھے اور پھر مجھے ساتھ لے کر لاہور آ گئے تھے، وہ مجھے علم کی ان گزروں میں اکیلا چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اور میں فی الحال اس گھر میں تنہا رہنا نہیں چاہتا تھا جہاں قدم قدم، چپے چپے پر میرے بابا اور اماں کی یادیں تھیں، میں جب جب اس حادثے کے بارے میں سوچتا تھا مجھے گناہ تھا میرا دل بند ہو پڑے گا یا دماغ پھٹ جائے گا، موت کس طرح زندگی کا تعاقب کرتی ہے یہ زندگی کو بھی نہیں پتہ ہوتا بس زندگی دینے والے کو خبر ہوتی ہے۔

”مراد منزل“ نے میرے سارے دکھوں کو اپنے اندر سمو لیا تھا، نعیم خالہ اور مراد خالو دن رات میری دلیا جوئی میں لگے رہتے اور شاہ بانو تو میرے ساتھ ہستی تھی میرے ساتھ روتی تھی اور میرے ساتھ ہی جیتی تھی، میں اکیلے میں سوچتا تھا اگر یہ لوگ نہ ہوتے تو شاید میں بھی اماں بابا کے ساتھ مر گیا ہوتا، شاید میں بھی زندگی میں دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہو پاتا، پھر جوں جوں دن گزرتے گئے میرے آنسو بھی ٹھہرتے گئے، دل میں بے شک ماں باپ کا غم ہی غم تھا مگر اس غم کے سہارے کے لئے طاقت مل گئی تھی، کچھ صبر آ گیا تھا اور خدا کی طرف سے یہ صبر آ ہی جاتا ہے۔

”خالہ میں اب گھر جانا چاہتا ہوں۔“ ایک دن میں نے نعیم خالہ سے کہا تھا، جیسے جیسے ہی اس نے مجھے اپنی زندگی تو شروع کر لی تھی، بے شک اب وہ چاہنے والے ماں باپ نہیں رہے تھے مگر مجھے اپنی زندگی تو بہر حال جتنی تھی۔

”کیوں بیٹا؟ خدا خواستہ یہاں آپ کو کوئی مسئلہ ہے؟“ انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا تھا۔

”نہیں خالہ جان، آپ نے تو میرا بہت خیال رکھا ہے بالکل اماں بابا کی طرح۔“ میری آواز بھرانے لگی تھی۔

”مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے، لیکن خالہ جان آخر کب تک یہاں رہوں گا، ایک دن تو اپنے گھر جانا ہو گا، وہاں اپنا گھر ہے، بابا کی دکانیں ہیں، ان کی چاب بھی جو اب مجھے مل جائے گی، زندگی تو کسی طور گزاری ہی ہے نا۔“

”ہوں کہہ تو تم سچ رہے ہو، ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔“ نعیم خالہ نے اس بات سمجھتے ہوئے کہا تھا۔

”خالہ جان ایک اور بات بھی مجھے آپ سے کرنی ہے۔“ میں نے جھکتے ہوئے کہا تھا۔

”ہاں ہاں بولو بیٹا! میں تمہاری ماں ہی ہوں بلا جھجک کہو جو بھی کہنا چاہتے ہو۔“

”خالہ جان میں اکیلے زندگی کس طرح گزاروں گا، اگر آپ کو برا نہ لگے تو آپ میرا اور شاہ بانو کا نکاح۔۔۔“ میں نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی اور ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا تھا کہ جاتے ان کا رد عمل کیا ہو۔

”ہوں تمہارے خالو گھر آتے ہیں تو مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گی۔“ وہ میری بات سمجھ گئی تھیں اور پھر میرا مطالبہ اتنا جانزہ بھی نہیں تھا جس پر وہ برا منا تھیں، اس لئے خاموش ہو گئی تھیں، پھر مجھے نہیں پتہ کہ نعیم خالہ اور مراد خالو نے آپس میں طے کیا کہ انہوں نے کچھ خاص عزیزوں اور رشتہ داروں کو بلا کر میرا اور شاہ بانو کا نکاح کر دیا۔

”بیٹا میں نے اور اللہ بخشے تمہاری ماں نے جانے اس شادی کے بارے میں کیا کیا پروگرام بنائے تھے مگر یہ ایسے ہی ہونا طے تھی اس لئے تم دل چھوٹا نہ کرنا، شاہ بانو اب تمہاری زندگی میں

شامل ہو گئی ہے، یہ تمہارا درد سمجھے گی اور تم اس کا اس کا خیال رکھنا، تم بھی ہمارے لئے غیر نہیں ہمارے بیٹوں جیسے ہو مگر پھر بھی بیٹی کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے رہے ہیں ہماری محبت کی لاج رکھنا۔" ریلوے اسٹیشن پر مجھے اور شاہ بانو کو کوئٹہ کے لئے الوداع کرتے ہوئے نعیمہ خاتون میرا بازو تھام کر رو پڑی تھیں۔

"خدا جان حوصلہ رکھیے، میں آپ کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گا، آپ صرف شاہ بانو کے ماں باپ ہی نہیں میرے بھی ماں باپ ہیں، آپ نے جس طرح مجھے سنبھالا دیا ہے میں احسان فراموش نہیں کہ آپ کا احسان بھلا دوں۔" میں نے انہیں اور مراد خاں کو تسلی دی تھی اور ہم دونوں کوئٹہ آ گئے تھے۔

☆☆☆☆

دھڑکن دل کی تیز ہوئی ہے
چلیں دیکھو جبک سی گئی ہیں
ہونٹ گلابی لڑ رہے ہیں
رنگت تب کر سرخ ہوئی ہے
یہ کیا تم نے مجھ سے کہا ہے
تم میری ہو صرف میری ہو
دل کہتا ہے تم سے کہوں میں
میری ساعت میں رس گھولو
پھر سے تم اظہار کرو نا
تم ہو میری صرف میری ہو
پھر سے کہو نا

شاہ بانو نے میرا گھر جنت بنا دیا تھا، اس گھر میں جگہ جگہ مجھے میرے ماں باپ کی یادیں چھین نہیں لیتے دیتی تھیں اور وہ اس بے چینی پر اپنے پیار کا ایسا پھار دیتی کہ درد کی شدت نور اکرم ہو جاتی، وہ میرے ساتھ ان کی باتیں کرتی، ہم دونوں ان کی قبروں پر جاتے، دعا مانگتے، مگر آ کر

ان کی روح کے ایصال ثواب کے لئے قرآن پڑھتی، ساتھ ساتھ مجھے کسی بچے کی طرح سنبھالتی، میری دل جوئی کرتی، میرے ساتھ ادھر ادھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں کرتی، مجھے ہر وقت مصروف رکھتی، اگر کھانا بنا رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ ساتھ لگائے رکھتی اگر کپڑے دھو رہی ہوتی تب بھی مجھے ساتھ رکھتی، دن کیسے گزرتا اور رات کب ڈھل جاتی پتہ ہی نہ لگتا تھا۔

"شاہ بانو تم کیا چیز ہو آخر۔" میں اس کی ریشمی زلفوں سے ملے منہ چھپا کر کہتا۔

"میں چیز نہیں ہوں، جناب، میں ایک جیتی جاگتی انسان ہوں۔" اور وہ صحیح کہتی تھی وہ واقعی ایک جیتی جاگتی انسان تھی، اس میں زندگی تھی خوشبو تھی اور خوشیاں تھیں اس نے میرے جیسے نیم مردہ وجود میں یہ زندگی پھونک دی تھی، ماں باپ کے بغیر جینا مشکل تھا مگر اب ناممکن نہیں رہا تھا، اسے خدا کی رضا سمجھ کر میں نے صبر کر لیا تھا، شاہ بانو کی سنگت میں دن اور رات بسر ہو رہے تھے جب اچانک ایک صبح نعیمہ خاتون اور مراد خاں ہمارے دروازے پر ہم سے ملنے پہنچ گئے تھے، میں اور شاہ بانو انہیں اچانک دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئے تھے۔

"تم دونوں تو ہمیں بھول ہی گئے۔" سیبوں کا موسم تھا اور کے سیبوں کی مہک ہمارے پورے گھر میں پھیلی ہوئی تھی، جب نعیمہ خاتون نے پیار بھرا شکوہ کیا تھا۔

"نہیں امی جان ایسی بات نہیں، میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔" شاہ بانو نے لاڈ سے ماں کے گلے میں بائیں ڈالتے ہوئے کہا تھا، نعیمہ خاتون نے اس کے چمکتے چہرے کو نظر بھر کر دیکھا تھا اور خدا سے اس کے یونہی ہمیشہ خوش رہنے کی دعا مانگی تھی، شاہ بانو خوبصورت تھی مگر اس گھر کی

قرآن کے لئے میرے سے بھی پہلے اٹھ جایا کرتی تھی، آٹھ بجتے والے تھے اور اس کا ابھی تک بستر میں موجود ہونا مجھے تشویش میں مبتلا کر رہا تھا، میں نے اس کے قریب آ کر محبت سے پوچھا تھا۔

”اٹھ رہی ہوں۔“ وہ بمشکل آنکھیں کھول کر بولی تھی اور ساتھ ہی ہال سمیٹتے ہوئے اٹھ بیٹھی تھی۔

”کیا ہوا مجھے تو تمہاری طبیعت صحیح نہیں لگ رہی ہے۔“ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

”کل آپا کے گھر میں ساگ اور کھجی کی روٹی کھالی تھی، شام تک مٹکی کی سی کیفیت رہی، رات کو بھی عجیب سا محسوس ہوتا رہا ہے، لگتا ہے معدے میں کوئی گڑبڑ ہے۔“

”تو تم نے مجھے کل ہی کیوں نہیں بتایا، چلو ڈاکٹر کے پاس چلتے ہیں، میں آفس لیٹ چا جاؤں گا۔“ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے آیا تھا، ڈاکٹر صاحب نے کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیئے تھے اور لیڈی ڈاکٹر کے پاس ریفر کر دیا تھا اور پھر لیڈی ڈاکٹر نے ہمیں جو خوشخبری سنائی اس نے ہم دونوں کو حیرت و خوشی سے گنگ کر دیا تھا، اس موقع پر مجھے اماں بابا بے حد یاد آ رہے تھے، میں نے اس دن آفس سے فحش کر لی تھی اور شاہ بانو کے ساتھ اپنے گھر میں اس خوشی کو منارہا تھا۔

”آپ آفس تو چلے جاتے۔“ شاہ بانو نے شرمنا کر کہا تھا۔

”چا جاؤں گا کل، آج بہت خوشی کا موقع ہے، آج میں تمہارا خیال رکھوں گا، تمہارے پاس رہوں گا اور ہم اپنے بچے کی ذمہ داریاں باتیں کریں گے۔“ میں نے اسے پھیڑا تھا اور اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا تھا۔

ماہنامہ حنا (207) اگست 2014

خالص لہذا اور محبت کے نور نے اسے بے حد حسین بنا دیا تھا، پہلے والی شاہ بانو بھی اچھی تھی مگر اب والی شاہ بانو کو جو دیکھتا، دیکھتا ہی رہ جاتا تھا، وہ دونوں کچھ دن رہ کر واپس لوٹ گئے تھے۔

”امی اور بابا کے جانے کے بعد تو گھر کیسا سوٹا سوتا لگنے لگا ہے۔“ وہ ہاتھوں کے پیالے میں چہرہ نکا کر اداس سے بولی تھی۔

”اداس کیوں ہو رہی ہو چلو میں تمہیں نہال کے گھر چھوڑ آؤں، ذریں آپا تمہیں یاد کر رہی تھیں، تم ان سے مل آنا تمہارا نام بھی اچھا گزر جائے گا۔“ نہال اپنی امی جان کو آیا کہتا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی میں اور شاہ بانو بھی انہیں آپا ہی کہتے تھے، یہاں شاہ بانو کا زیادہ آنا جانا صرف نہال کے گھر میں ہی تھا، نہال کا پورا گھرانہ میرے لئے غیر نہ تھا ہم بہت اچھے دوست تھے اور اس حساب سے ہم دونوں کے گھروں میں ایک دوسرے کا بہت آنا جانا تھا، ذریں آپا اور امی جان کی بھی خوب دوستی تھی، شاہ بانو جب سے بیاہ کر کوئٹہ میرے ساتھ آئی تھی نہال کے گھر والوں نے اسے اپنے گھر کی بہو اور بیٹی سمجھ کر اس کا خیال رکھا تھا۔

”چلیں میں تیار ہو کر آتی ہوں۔“ نہال کے گھر میں شاہ بانو کو اپنے گھر جیسی توجہ اور پیار ملتا تھا پھر نہال کی دونوں بہنیں تقریباً شاہ بانو کی ہم عمر ہی تھیں اس لئے ان کے ساتھ بھی اس کی اچھی دوستی ہو گئی تھی، وہ نہال کے گھر جانے کا سن کر خوش ہو گئی تھی اور اس وقت میں اپنی عزیز از جان بیوی کے منہ پر اداسی کی جگہ خوشی ہی دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

”شاہ بانو آج اٹھنے کا ارادہ نہیں کیا، مجھے آفس سے دیر ہو رہی ہے۔“ وہ سحر خیز مگی اور نماز

اس حالت میں شاہ بانو کا دل اکیلے میں بے حد گھبراتا تھا، میں اسے نہال کے گھر چھوڑ دیتا تھا، ایک تو آیا بالکل ماں کی طرح اس کا خیال رکھتی تھیں اور پھر وہ ان کے گھر میں بہت خوش رہتی تھی، ایک دن آفس سے واپسی پر میں اسے لینے نہال کے گھر گیا تو وہاں سب لوگ اکٹھے بیٹھے نہال کی شادی کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، میں بھی ان کی گفتگو میں شریک ہو گیا تھا۔

”ارسل بیٹا یہ تمہارا دیا ہے تم ہی اس سے پوچھو کہ اسے کیسی بیوی چاہیے ہمارے تو یہ قابو میں نہیں آتا۔“ آپا نے ہنستے ہوئے مجھے کہا تھا۔
”ہاں اتنا نہال مجھے کیسی بیوی چاہیے۔“ میں نے ڈرائی فروٹ کی پلیٹ اپنے پاس کھسکاتے ہوئے اسے پوچھا تھا۔

”اگر میں کہوں شاہ بانو بھابھی جیسی، تو ایسی بیوی ڈھونڈ لائے گا، میرے لئے۔“ نہال نے مسکراتے ہوئے مجھ سے سوال کیا تھا اور مجھے اس کی بات بہت بری طرح لگی تھی، ابھی کچھ دن پہلے میرے آفس کونیک نے ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا جس میں دوست اپنے دوست کی بیوی کو بھگالے جاتا ہے، جس کی بیوی ہوتی ہے وہ غیریت میں آکر دونوں کو اپنی بیوی اور اس کے آشنا کو قتل کر کے خود جیل چلا جاتا ہے یہ ایک سچا واقعہ تھا اور کچھ دن پہلے ہی ہمیں سنایا تھا اس لئے میرے دل و دماغ پر اس واقعے کا اتنا اثر تھا کہ نہال کی بات مجھے بہت بری طرح چھبی تھی۔

”شاہ بانو جیسی ہی کیوں؟“ میں نے نہال کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس سے پوچھا تھا۔

”شاہ بانو بھابھی بہت اچھی ہیں، صورت

میں بھی اور سیرت میں بھی، ایسی بیوی کسی کا بھی آئیڈیل ہوسکتی ہے۔“ نہال نے کہا تھا اور اس کی بات سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی، میں کس طرح انہیں اپنا سمجھ کر اپنی بیوی کو یہاں بھیجتا رہا اور یہ کہیں اس کی صورت پر مر مٹا، میرا اتنا سوچنا تھا کہ میرا دل بے چین ہوا تھا تھا۔
”کیا نہال بھی دوسری کی آڑ میں کوئی کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔“ چند دن پہلے کا سنا ہوا واقعہ میرے دل پر شک کی مہر لگا گیا تھا۔

”چلو بانو گھر چلیں۔“ میں پھر دو منٹ بھی وہاں نہیں رکا تھا اور اس سے اجازت لے کر شاہ بانو کو نہال کے کمرے گھر آگیا تھا، رات ہوئی شاہ بانو تو پڑ کر سو گئی تھی مگر ساری رات شک کا ناگ میرے سینے پر لوٹا رہا تھا، صبح تک میں نے دل میں مسکھم ارادہ کر لیا تھا کہ اب شاہ بانو کو کسی صورت نہال کے گھر نہیں بھیجوں گا، مجھے قاتل نہیں بننا تھا مجھے ساری عمر جیل میں نہیں سڑنا تھا اور اس کے لئے میں پہلے ہی حقائق و اقدامات کر لینا چاہتا تھا۔

میں نے شاہ بانو کو محسوس نہیں ہونے دیا تھا اور نہال کے گھر سے اس کا رابطہ تقریباً ختم ہی کر دیا تھا، وہ پہلے کی طرح ہر روز نہال کے گھر جانا چاہتی تھی مگر میں کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر اسے ٹال دیتا تھا، آپا کے بھی کئی بار پیغامات آچکے تھے کہ اتنے دنوں سے شاہ بانو ان کے ہاں کیوں نہیں آئی اس کی طبیعت تو صحیح ہے میں انہیں بھی جھوٹ بچھتا کر مطمئن کر دیتا تھا، ویسے بھی نہال سے میں کھنچا کھنچا سارے لگا تھا، میرے دل میں اب اس کی ویسی محبت اور قد نہیں رہی تھی جیسے پہلے تھی۔

شاہ بانو کی ایک دن طبیعت کافی خراب ہو گئی تھی، میں آفس میں تھا جب اس کا بی بی لو ہو گیا تھا اسے چکر آ رہے تھے اور آنکھوں کے آگے

اندھیرا چھارہا تھا اس سے پہلے وہ بے ہوش ہوتی، میرا چونکہ اس سے رابطہ نہیں ہو رہا تھا، میرا موبائل ایک ضروری میڈنگ کی وجہ سے آف تھا اس نے تھک ہار کر نہال کے موبائل پر رابطہ کیا تھا اور آپا سے بات کی تھی کہ اس کی طبیعت اتنی خراب ہے، آپا اور نہال اسی وقت اس کے پاس پہنچ چکے تھے، اس کی حالت دیکھ کر وہ اسے قریبی ہسپتال لے گئے تھے اور جب میں گھر پہنچا تب نہال پہلے آپا کو گھر چھوڑ کر دوبارہ شاہ بانو کو ہانپک پر لے رہا تھا، شاہ بانو کو اس کے ساتھ ہانپک پر دیکھ کر میرا تو دل جل کر خاک ہو گیا تھا، پورے دن کی روداد سن کر کہ کیسے ہانو کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ اسے کیسے ہسپتال لے کر گئے میں نے جیسے ہیے نہیں رخصت کیا تھا حالانکہ غصے سے میرا برا حال تھا۔

"طبیعت ہی خراب ہوئی تھی تاہم مر تو نہیں گئی تھی، پھر کسی غیر مرد کے ساتھ ہسپتال جانے کی تمہاری ہمت کیسے ہوئی۔" میں ہانپک ہار شاہ بانو سے لڑ پڑا تھا، یہ سوچے بغیر کہ نہال اور اس کے گھر والوں سے میں نے ہی اسے ملوایا تھا۔

"غیر مرد کے ساتھ، مگر میں تو نہال بھائی کے ساتھ۔" میرے منہ سے اتنی غیر متوجہ بات سن کر وہ حیرانی سے مجھے دیکھ کر بولی تھی۔

"ہاں غیر مرد کے ساتھ، نہال غیر مرد ہی ہے۔" میں غرایا تھا۔

"تو پہلے بتانا تھا جب آپ ان کے گھر لے کر جاتے تھے، مجھے کہتے تھے یہ تمہارا بھائی ہے، تب تو وہ میرے لئے غیر نہیں تھا، پھر اب کیوں غیر بن گیا۔"

"کیوں اس بند کر، آگے سے سوال جواب مت کرو، یہ پہلا موقع تھا اس لئے تمہیں چھوڑ رہا ہوں، آئندہ تم کسی صورت ان لوگوں کو میری

غیر موجودگی میں گھر نہیں بلاؤ گی۔" میرے دماغ میں پتہ نہیں کس قسم کی سوچیں گھس گئی تھیں، میں ہواؤں سے بھی لڑ رہا تھا۔

"ارسل کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ کس قسم کی باتیں کر رہے ہیں۔" وہ میرے قریب آ کر میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی تھی۔

"میں جو باتیں بھی کر رہا ہوں تم انہیں سمجھنے کی کوشش کرو اور جیسا میں کہتا ہوں ویسا ہی کرو۔" میں نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں۔" وہ اپنی طرف اشارہ کر کے بولی تھی۔

"تم پر نہیں، نہال پر۔" میں نے اس کی توقعات کے برعکس اسے واضح جواب دیا تھا۔

"مگر کیوں، نہال بھائی نے کیا کیا ہے۔" وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں اسے ایسا جواب دوں گا، وہ چیخ پڑی تھی۔

"تم کیا جانتی ہو وہ کچھ کر گزرے تب میری آنکھیں کھلیں اور اس وقت تک میں آنکھوں پر پٹی باندھ کر بیٹھا ہوں، مجھے اپنے گھر کو سنبھالنے کا کوئی اختیار نہیں ہے۔"

"آپ نے ان میں کیا دیکھ لیا جو اس طرح کی باتیں سوچ رہے ہیں۔" اسے کچھ نہیں آرہی تھی کہ میں یہ سب کیوں کر رہا ہوں اور کیوں کہہ رہا ہوں۔

"اور تمہیں اتنی کھوج کیوں ہو رہی ہے،

بس جو کہہ دیا اس پر عمل کرو۔" میں اپنی بات سمیٹ کر وہاں سے اٹھ گیا تھا، مگر میں نہیں جانتا تھا کہ میرے شک کا شاہ بانو پر کیسا اثر ہوگا، اس نے اس بات کی اتنی فینشن لی تھی کہ اس کی طبیعت بجائے صبح ہونے کے بجائے ہی گئی تھی اور اس فینشن نے وہ کچھ کر دیا تھا، جس کے بارے میں میں سوچ نہیں سکتا تھا، اس کا اپارشن ہو گیا تھا وہ

ماہنامہ دنیا (209) اگست 2014

نہی کئی جو ہمارے آگن میں بہا رہی تھی کھلنے والی تھی کھلنے سے پہلے ہی سر جھانکی تھی، وہ میرا بچہ تھا میری نسل میرا خاندان اس سے چلنے والا تھا، ماں باپ کی وفات کے بعد وہ واحد ایسا رشتہ تھا جو مجھے شاہ بانو سے بھی عزیز تھا، مگر وہ اب نہیں رہا تھا، مجھے اگر باپ ہو کر اتنا دکھ ہو رہا تھا اور میری آنکھیں بار بار نم ہوئی جاتی تھیں تو شاہ بانو تو ماں تھی، اس کے جسم کا ایک حصہ کم ہو گیا تھا، اس کو تو تکلیف انگ سہی پڑی تھی اور نقصان انگ ہوا تھا۔

بچے سے عروسی اپنی جگہ میرے دل میں جانے کیوں بار بار یہ وہم سر اٹھا رہا تھا کہ شاہ بانو نے نہال اور اس کے گھر والوں سے رابطہ ختم ہونے کی اتنی ٹینشن لی ہے اس لئے یہ سب کچھ ہوا ہے، مالاکنہ میں یہ بھی تو سوچ سکتا تھا کہ میں نے اس پر شک کیا تو اس نے ٹینشن لی ہے، مگر ان دنوں جانے میرے دماغ میں کیا فتنہ سلایا تھا کہ میں سیدھی سست میں کم اور انہی طرف زیادہ سوچتا تھا۔

”بھابھی آپ کے اپنی کیا حالت بنالی ہے، پلیز خود کو سنبھالیں، جو ہو گیا وہ نقصان پورا تو نہیں ہو سکتا مگر آپ خود کو تو سنبھالیں۔“ آپا کو پتہ چلا تو وہ نہال کے ساتھ بھانگی آئی تھیں، نہال میری تمام تر بے رخی کے باوجود شاہ بانو سے ہمدردی جتانے سے باز نہیں آیا تھا اور مجھے اس کی باتیں نیزے کی اٹی بین کر چبھ رہی تھیں اور اگلے دن سے واقعی شاہ بانو نے بستر چھوڑ کر گھر کے چھوٹے موٹے کام کاج سنبھال لئے تھے، گویا نہال کا کہنا اس کے لئے حکم کا درجہ رکھتا تھا، میری استغناء کیوں کی دل جوئی کام نہ آئی تھی نہال کا اک بار کا کہنا کام کر گیا تھا، وہ پھر سے اٹھ کر زندگی میں

مصرف ہو گئی تھی۔

”تا بد ذات صورت کیا تعلق ہے تمہارا اس کے ساتھ، کیا لگتا ہے وہ تمہارا، جب میں نے اس سے ملنے سے منع کیا تو تم نے ٹینشن لے کر میرا اتنا بڑا نقصان کر دیا، پھر میں نے تمہیں تھیلی کا چھانا بنا کر رکھا مگر تمہاری آنکھوں کے آنسو ہی نہ رکنے تھے اور وہ آیا اس نے اک بار کہا بستر سے اٹھ جاؤ تم نے بستر چھوڑ دیا، اس کا مطلب ہے میری بات کا کوئی اثر ہی نہیں اور اس کی بات تم ناں ہی نہیں سکتی ہو، بتاؤ ایسا ہی ہے نا۔“ اس کو ادھر ادھر چیتے پھرتے دیکھ کر میرا خون کھل رہا تھا، آخر مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے اسے ہارو سے کھینچ کر اپنے سامنے کیا تھا۔

”ارسل کیا آپ پاگل ہو گئے ہیں، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتے چارہ ہی تھی۔

”ہاں میں پاگل ہو گیا ہوں۔“ میں نے چیخ کر کہا تھا۔

”تو پھر مجھے واپس لاہور چھوڑ آئیں، میں ایک پاگل کے ساتھ نہیں رہ سکتی ہوں، آپ نے مجھ پر شک کیا مجھ پر الزام لگایا اور اس بات کی میں نے اتنی ٹینشن کی کہ اپنے بچے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی اور اب پھر آپ وہی باتیں کر رہے ہیں۔“

”اس بات کی نہیں کہ میں نے تم پر شک کیا بلکہ تم نے اس بات کی ٹینشن لی کہ میں نے نہال کے گھر والوں سے قطع تعلق جو کرنے کو کہہ دیا تھا۔“

”آپ غلط سوچ رہے ہیں۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں کہہ کر اندر چلی گئی تھی اور اپنے کپڑے وغیرہ سمیٹنے لگی تھی، میں نے اسے جانے سے نہیں روکا تھا، بلکہ میں اسے خود لاہور چھوڑ آیا

ماہنامہ حنا (210) اگست 2014

تھا اور خود واپس آگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ہماری خود سے شاید دشمنی ہے
ہماری آپ کی کیوں دوستی ہے
اندھیروں سے کب رستہ نہ روکیں
کہ ان کے پار ہر سو روشنی ہے
خزاؤں سے ہی ہم نے اب بنالی
بہاروں کی چھین جب سے سکی ہے
پرندے تھے تھے لگ رہے ہیں
نفاذ میں عجیب سی خاموشی ہے
زندگی ایک بار پھر جب موڑ پر آکھڑی ہوئی
تھی، بچے کا غم الگ تھا اور اب شاہ بانو بھی چھوڑ
کر چلی گئی تھی، مگر کٹ کھانے کو دوڑتا تھا اور باہر
کی دنیا بھی اچھی نہ لگتی تھی، بس مادے باندھے
آئیں جانا اور واپس آکر بستر پر پڑا رہتا، زندگی
جیسے ایک نقطے پر آکر رک سی گئی تھی۔

"شاہ بانو کہاں ہے۔" آپا پتہ نہیں اس کے
لئے کیا لے کر آئی تھیں اور اب بہ تنہا تھیں
پکڑے اسے پورے گھر میں ڈھونڈ رہی تھیں۔
"لاہور۔"

"لاہور، مگر وہ کب گئی، خیریت سے تو گئی
ہے۔" وہ بہن چار بائی پر روک کر میرے پاس بیٹھ
کر حیرانی سے پوچھنے لگی تھیں۔

"کل ہی چھوڑ کر آیا ہوں۔" میں انہیں بے
دلی سے جواب دے رہا تھا، اس وقت وہ مجھے
صرف نہال کی والدہ کے روپ میں نظر آ رہی
تھیں اور نہال سے وابستہ ہر رشتہ ہر بات میرے
لئے زہر بنتی جا رہی تھی، جس دل میں شک کو جگہ
دو گے وہاں پھر محبتوں کے گلاب نہیں اگا
کرتے۔

"خیریت تو تھی نا۔"

"ہاں۔" میں ان کی باتوں کا جواب بس

ہوں ہاں میں ہی دے رہا تھا وہ سمجھ گئی تھیں کہ میں
ان سے بات نہیں کرنا چاہتا اس لئے انہوں نے
بھی زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا تھا اور اپنے
گھر جانے کے لئے اٹھ گئی تھیں۔

مجھے اور میرے گھر کو شاہ بانو کے وجود کی
اتنی عادت ہو گئی تھی کہ مجھے اسے شب و روز اس
کے بغیر بہت سونے سونے لگتے تھے، ہماری
زندگی بہت اچھی تھی محبت سے بھرپور اگر یہ نہال
بچ میں نہ آ جاتا تو ہم پر کوئی بھی رشک کر سکتا تھا،
اس دن کو میری وادی پر ٹوٹ کر بارش برسی تھی، ہر
طرف جل تھل ہو گیا تھا، ندی نالے شور مچانے
لگے تھے اور درخت بارش کے پانیوں سے شرابور
کھڑے تھے اور اس دن مجھے شاہ بانو بھی بہت یاد
آئی تھی، ایسا موسم اس کی کمزوری تھا، میں خود پر
الغیا نہ رکھ سکا تھا اور میں نے مراد منزل میں
موجود اپنی شاہ بانو کو فون کھڑکا ڈالا تھا۔

"ہیلو ارسل بیٹا کیسے ہوا؟" نیر خالہ نے
اس کا موبائل اٹھایا تھا اور میری آواز سن کر بہت
خوش ہو گئی تھیں۔

"جی خالہ ٹھیک ہوں، آپ کیسی ہیں اور
بائی گھر والے۔" آج میں چاہتے ہوئے بھی ان
سے بے رخی سے بات نہ کر سکا تھا اور پھر وہ میری
محسن تھیں مجھے ان پر تو کوئی غصہ نہ تھا۔

"اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہیں۔" انہوں
نے کہا تھا۔

"شاہ بانو کہاں ہے، میری بات تو
کرو ایسے۔"

"بیٹا تمہیں نہیں پتہ نہال آیا ہوا ہے تمہارا
دوست، اس کی آپا نے شاہ بانو کے لئے کچھ
چیزیں بھیجی ہیں وہ اسے رشتہ داروں کے پاس کسی
کام سے آیا تھا تو آیا گی بھیجی ہوئی چیزیں شاہ بانو
کو بھی دینے آگیا، ٹھہرو میں بات کرواتی ہوں

ماہنامہ حنا (211) اگست 2014

شاہ بانو سے تمہاری، وہ اس کے پاس ہی بیٹھی ہوئی ہے۔“ نعیمہ خال اپنی رو میں بولتی جا رہی تھیں اور دوسری طرف ارسل کے دل پر شک سے ہونی ہوئی یقین کی ٹرین اس تیزی سے گزرتی چلی گئی کہ اس کے دل کے کئی ٹکڑے ہو گئے تھے۔

”لوہ تو بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ اس کے پیچھے لاہور تک جا پہنچا، اب کون سی شاہ بانو اور اس سے کیسی بات کرتی رہ گئی تھی۔“ اس نے سو بائل بھیج کر دیوار پر دے مارا تھا اور سر کو دونوں ہاتھوں میں گرا لیا تھا، وہ رات ارسل پر بہت بھاری تھی، اس نے ایک فیصلہ کر لیا تھا اور اب اس فیصلے پر عمل کرنا بھی بہت مشکل لگ رہا تھا، کسی سے محبت کرنا اور پھر اس محبت کو دل سے اکھاڑ پھینکنا ایسے ہی ہے جیسے اپنے جسم سے روح کو اپنے ہاتھوں سے بھیج کر نکال ہا ہر کرنا اور ارسل نے شک کا بیج اپنے دل میں بو کر اس ناممکن کام کو ممکن کر دیا تھا، اس نے شاہ بانو کو طلاق بھجوا دی تھی، اس سے زیادہ اس سے کچھ سوچ ہی نہیں کیا تھا، اس سے زیادہ وہ اپنے لئے اور کیا کر سکتا تھا۔

ہذا حلالہ

”طلاق مگر کیوں؟“ مراد منزل میں اس رجسٹری کو وصول کرتے ہی اک طوفان آ گیا تھا، ارسل نے یہ سب کیوں کیا، اسے نہ کوئی احسان یا درہا، نہ کوئی رشتہ، نہ کوئی محبت بھرا تعلق، اس نے ایک ٹپ میں ہی سب کچھ ختم کر دیا، نعیمہ اور مراد کو تو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ان کے مابین کوئی تاریکی چل رہی ہے اور یہ سب ہو گیا، وہ دونوں شاہ بانو سے پوچھ پوچھ کر تھک گئے تھے اور اک جلد خاموشی میں جو شاہ بانو کے وجود پر چھا گئی تھی، اس کی چپ کسی طرح ٹوٹی ہی نہ تھی، اس نے ارسل سے محبت کی تھی، بہت بچپن سے اسے چاہا تھا، اس

کی ماں گھر میں جس محبت سے اپنی سہیلی کا ذکر کرتی تھیں وہ اس محبت اور لگن سے اس کے بیٹے کو سوچا کرتی تھی جو ہر قدم پر اس کا ساتھ رہا تھا اور پھر قسمت نے اس کو اس سے ملا ہی دیا تھا، دنیا کا خوبصورت ترین رشتہ اس سے منسوب ہو گیا تھا، وہ بہت خوش تھی، وہ اس شخص کے ساتھ اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور جا بسکی تھی، اسے اس زمانے میں اپنی خوشیاں بھول گئی تھیں بس اس شخص کا دکھ یاد رہا تھا، پھر اس نے اس محبت سے جو وہ اس سے کرتی تھی اس کو دکھ سے باہر نکال دیا تھا، زندگی بہت حسین ہو گئی تھی، وہ دونوں تھے اک چھوٹا سا گھر تھا اور ان کی محبت تھی، پھر کیا ہوا، شک کی کیسی آندھی چلی کہ وہ دونوں دور ہوتے گئے اور آج اس شک کی بدولت اتنے دور ہو گئے کہ کچھ بھی باقی نہ رہا، نہ محبت نہ رشتہ نہ تعلق نہ کوئی واسطہ، ارسل نے اسے طلاق نہیں دی تھی اس پر ظلم کیا تھا، اس سے رشتہ ختم نہیں کیا تھا اس کی جان ہی نکال لی تھی، وہ پروردگار کی محبت تھی اور سوچ سوچ کر زندگی کو جیتی نہ تھی، اس نے ارسل کو دکھوں سے نکالا تھا اور محبت دی تھی اور ارسل نے اس سے محبت چھین لی تھی اور دکھوں کے حوالے کر دیا تھا، وہ تماشا بن گئی تھی، عزیز رشتہ دار اسے طلاق کا پر سہ دینے آتے تھے وہ سمجھتی تھی وہ محبت کو پر سہ دینے آئے ہیں، اسے طلاق نہیں ملی اس کی محبت مر گئی تھی۔

نہال اور آیا کو یہ سے چل کر ایک بار پھر لاہور آئے تھے، انہیں بہت دکھ ہوا تھا، نہال کو دیکھ کر وہ پاگل ہو گئی تھی اس نے کسی کی پروا نہ کی تھی اور نہال کو اپنے گھر سے دھکے دیتے ہوئے کہا تھا۔

”کہ چلے جاؤ یہاں سے تمہاری جہ سے میری زندگی برباد ہوئی ہے تم ہی ہو اس کے ذمہ

ماہنامہ حنا (212) اگست 2014

MOVEETA
The Touch of Softness

Quality Tissue No More An Issue

نفاست اور سہولت مووئیٹا شوقی بدولت

VIRGIN PULP سے تیار کردہ پاکستان کا واحد پرنٹڈ شوقی

ایکسپریس، ایکسپریس، ایکسپریس، ایکسپریس

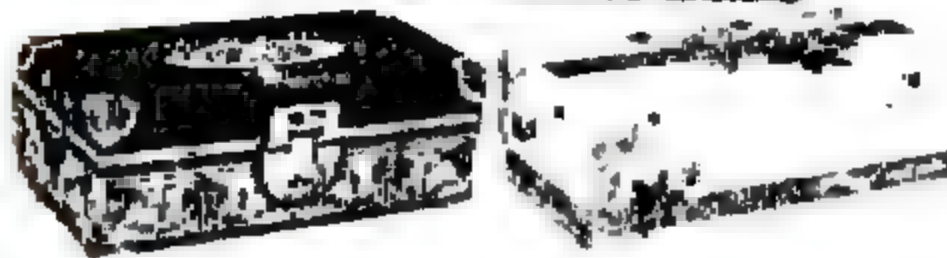
جذب کرتا ساقی سے سال گزرتا ہے



Super Soft
نفاست ... زیادہ نفاست

دلاؤ یہ شوقی سے بھر پور شوقی

Super Soft Roll & Kitchen Roll
ضرورت بھی ... سہولت بھی



A PRODUCT OF K.B. TRADERS P.O. BOX 2223 KARACHI-74600 PAKISTAN

TEL : (021) 36602348 - 36623757 - 36609032 FAX : (+021) 36623513

visit : www.moveeta.com moveeta@supaper@hotmail.com

دار چلے جاؤ یہاں سے۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چیخ رہی تھی اور سب لوگ من کھڑے تھے۔

"تم میری بہن ہو، میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی تیسری بہن سمجھا ہے، جیسی دو بیٹیاں میرے گھر میں ہیں وہی تم بھی ہو، اگر اس شخص نے پاگل پن میں آکر یہ سب کیا ہے تو بھی میں تم سے بہن والا رشتہ ختم نہیں کر سکتا، مجھے دکھ تھا اور میں ماں کے ساتھ چل کر اپنی بہن کا گھر اجڑنے پر اتنی دور سے ماتم کرنے آیا ہوں۔"

نہال وہاں سے سیدھا ارسل کے پاس آیا تھا، وہ اک لڑکی کی محبت کو تباہ کر کے اپنی جلد بازی کے ہاتھوں خود بھی اجڑا بیٹھا تھا، نہال اندر سے قرآن پاک اٹھا لایا تھا۔

"ادھر دیکھو، میں اس پاک کلام کے اوپر ہاتھ رکھ کر تمہیں یقین دلانے آیا ہوں کہ شاہ بانو کو میں نے ہمیشہ اپنی بہن سمجھا ہے اور تاحیات سمجھتا رہوں گا، تم نے جو کچھ کیا اپنی سوچ کے مطابق کیا ہے، میں صرف تمہارا شک دور کرنے آیا ہوں تاکہ جس طرح تم نے اس معصوم لڑکی اور اس کے گھر والوں کو غم میں دھکیلا ہے تم خود بھی اس دکھ میں دن رات سڑتے رہو کہ تم نے ایک بے گناہ کو سزا دی ہے۔"

وہ قرآن پاک اندر رکھ کر چلا گیا تھا اور ارشل پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا، جلد بازی اور غصہ دلوں شیطان کے وصف ہیں اور اس نے یہ وصف اپنا کر جس طرح کا نقصان اٹھایا تھا یہ وہی جان سکتا تھا۔

"یہ میں نے کیا کیا۔" ابھی شاہ بانو کی طلاق کو ایک ہفتہ ہوا تھا اور اسے پچھتاؤں نے آغیرا تھا، جس طرح نہال اپنی بے گناہی ثابت کر کے گیا تھا اس کے بعد شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، اس نے دوست بھی کھو دیا تھا۔

پاک باز بیوی بھی اور ماں باپ جیسا پیار دینے والے رشتے بھی، پہلے تو غم کا پہاڑ مراد منزل پر ٹوٹا تھا اور اب سیبوں کے درختوں والے اس گھر میں بھی بس دکھ رہ گئے تھے یا پچھتاوے، وہ چیخ چیخ کر رو دیا تھا مگر اب آنسو پیچنے والا کوئی نہ تھا، دن گزر رہے نہیں تھے ہر گزرنے ہی تھے، زندگی یونہی آگے بڑھتی رہی، شاہ بانو ایک بار تو ارسل کے دیئے غم سے مر گئی تھی چونکہ سائیس ابھی باقی تھیں اس لئے اسے ابھی اور جینا تھا، ماں باپ اگر ارسل کو دوبارہ زندگی دے سکتے تھے تو وہ تو پھر ان کے گھر کا گلہا تھی، اسے کیسے اپنے سہاروں پہ کھڑا نہ کرتے، انہوں نے دن رات ایک کر دیئے تھے اور اسے سہارا دے دیا تھا، گو کہ اس کا غم بہت بڑا تھا، نہ وہ سہہ سکتی تھی نہ وہ سہہ سکتے تھے مگر انہوں نے ہمت کی تھی خود بھی سہہ گئے تھے اور جی کو بھی ایک بار پھر کھڑا کر دیا تھا، وہ بہل گئی تھی، اس نے قرعی سکول میں ملازمت کر لی تھی اور دن ایک ایک کر کے گزرنے لگے تھے، ارسل ممتاز ماضی بن گیا تھا اور دل پر اگا ہوا وہ ناسور بھی جو نہ بھرتا ہے نہ رستا ہے بس ہر وقت تکلیف دینے جاتا ہے۔

☆☆☆

"بیٹی پہاڑی زندگی کیسے تنہا گزرے گی، تم تو اس بے وقار اور ناقدرے شخص کی یادوں سے دامن کو بھرے بیٹھی ہو، تم ہمارے لئے ایسا امتحان مت بنو کہ ہم میاں بیوی آسانی سے مر بھی نہ سکیں، جی ہمارے ہات مان جاؤ، بس ایک بار بوزھے میں باپ کی التجا مان کر دیکھو زندگی اور آخرت سنور جائے گی۔" اماں فضیلت رشتے کرواتی تھی، اس نے اس کی سب بہنوں کے رشتے کروا دیئے پھر بھی ان کی دلہیز نہ چھوڑتی تھی، اس کی نظریں ابھی بھی شاہ بانو پر تھیں، شاہ

ماہنامہ حنا (214) اگست 2014

پانو ایک طلاق یافتہ لڑکی تھی جسے معاشرہ اتنی آسانی سے قبول نہیں کرتا مگر اماں فضیلت کے پاس جانے کیسے ضرورت مند رہتے تھے کہ وہ شاہ بانو کی چوکت پکڑ کر ہی بیٹھ گئی تھی، اس بار نعیمہ نے اسے کہہ دیا تھا کہ وہ شاہ بانو کو منالے گی اور اب نعیمہ شاہ بانو کے پاس بیٹھی تھی۔

"ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔" وہ اپنا گھر نہ بسا سکی تھی، اپنے ماں باپ کو کوئی خوشی نہ دے سکی تھی اس نے سوچ لیا تھا اب انہیں بے چین اور پریشان کیوں رکھے، زندگی یوں بھی سسک سسک کر ہی گزارنی ہے تو یونہی سکی، اس نے ماں کے آگے سر جھکا دیا تھا اور ماں نے بے قرار ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

میجر انوار کی عمر زیادہ نہ تھی اور زندگی میں اتنے غم ہے تھے کہ دل کا روگ بھی پال لیا تھا، دل کمزور ہو چکا تو ڈاکٹرز نے زندگی بھر خوش رہنے کا مشورہ دیا تھا، وہ اپنے بہن بھائیوں میں بڑے تھے، باپ کی وفات کے بعد انہیں باپ بن کر پانا تھا اور جب عین جوانی میں ماں بھی ساتھ چھوڑ گئی تو ان کے لئے ماں اور باپ دونوں بن گئے تھے، بہن بھائیوں کو گھر بار کا کرتے کرتے خود اپنی عمر کی کٹی بہاریں گزار چکے تھے، شریف، دیانت دار اور وجاہت کا اعلیٰ نمونہ میجر انوار جن کے پاس روپیہ پیسہ سب کچھ تھا بس نہیں تھا تو ایک اچھا سا مٹی، اماں فضیلت نے ٹھان لی تھی کہ میجر انوار اور شاہ بانو کو ایک کر کے چھوڑنا ہے، ادھر شاہ بانو نے سر جھکایا ادھر وہ جھٹ پٹ میجر انوار کا رشتہ لے آئیں، مراد صاحب نے میجر انوار سے مل کر اور ان کے بارے میں تسلی کر کے یہ رشتہ قبول کر لیا اور شاہ بانو ایک بار پھر سہاگ کا جوڑا پہن کر ہاتھوں میں مہندی رچا کر پیادیں سدھار گئی، یہ الگ بات کہ اس سارے

سفر میں نہ آنکھ سے آنسو رکنے تھے اور نہ دل کا نوحہ بند ہوا تھا، پہلی شادی محبت کی تھی اس وقت کچھ اور ہی روپ چڑھا تھا دل کسی اور ہی ترنگ میں تھا، خوشی ہی الگ تھی اور اب ضرورت کا سودا تھا، نہ دل میں کوئی امنگ تھی نہ آنسو میں کوئی پہنا بس وہ اپنا خالی خالی وجود لئے مسز میجر انوار بن کر چلی آئی تھی۔

دارغ دل ہم کو یاد آنے لگے
لوگ اپنے دیے جانے لگے
کچھ نہ پا کر بھی مطمئن ہیں ہم
عشق میں ہاتھ کیا خزانے لگے
یہی رستہ ہے اب یہی منزل ہے
اب یہیں دل کسی بہانے لگے
خود فریبی سی خود فریبی ہے
پاس کے ڈھول بھی شہانے لگے
اب تو ہوتا ہے ہر قدم پہ گماں
ہم یہ کیا قدم اٹھانے لگے
اک پل میں وہاں سے ہم اٹھے
بیٹھے میں جہاں زمانے لگے
بے شک وہ خالی دل خالی وجود لئے میجر
انوار کے پاس آئی تھی، جہاں طلب تھی، چاہ تھی
وہاں کا سد دل خالی اور ویران رہا تھا اور جہاں کچھ
بھی لے کر وہ نہ آئی تھی نہ طلب نہ محبت نہ چاہ نہ
راہ وہاں سے بہت کچھ مل گیا تھا، میجر انوار نے
اس کے خالی دل اور خالی وجود کو اپنی محبت اور توجہ
سے اس طرح بھر دیا تھا کہ اس کے بہت سے زخم
مندمل ہونا شروع ہو گئے تھے، انہوں نے اپنی عمر
بھر کی چاہت اس پر نثار کر دی تھی، وہ کھل اٹھی
تھی، ایک ایسا جیون سا تھی جس نے کوئی لمبے
چوڑے وعدے نہ کئے تھے، کوئی دکھاوا نہ رکھا تھا،
کوئی دھوٹی نہ کیا تھا، مگر جس نے وعدوں اور
دعویٰ کے باد جو اس کا دامن، محبت اور توجہ سے

ماہنامہ منا (215) اگست 2014

بھردیا تھا، وہ خود سے بھی زیادہ اس پر اعتماد کرتے تھے، اپنی ذات سے بھی زیادہ اس پر بھروسہ کرتے تھے، شاہ بانو بھی یہی تو اس پر بار اور بھروسے پر حیران رہ جاتی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میجر انوار اس کے لئے اس طرح کے شوہر ثابت ہوں گے، ان کا پورا خاندان میجر انوار کی طرح اس کی بے پناہ عزت کرتا تھا وہ جہاں جاتی ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھی، گویا میجر انوار نے اپنا ساتھ اس کے لئے اعزاز کا باعث بنا دیا تھا، وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور اس کے ماں باپ اسے بے طرح خوش دیکھ کر یکے بعد دیگرے سکون سے ابدی نیند جا سوتے تھے، شاید شاہ بانو کا دوسری بار اجڑا دیکھنا ان کے لئے ایسا تجربہ ہوتا کہ وہ جی نہ پاتے اس لئے قدرت نے ان کے سکون کا انتظام پہلے ہی کر دیا تھا، زندگی میں جب ہر طرف سکون ہی سکون تھا، خوشیاں ہی خوشیاں تھیں، شاہ بانو اپنا ماضی بھول گئی تھی بس اب تو میجر انوار ہی اس کا سب کچھ تھے جب اچانک ان کے دل میں درد اٹھا اور وہ اتنی تکلیف سہہ نہ سکے اور ایک ہی رات میں بیمار رہ کر اپنے خالقِ مطلق سے جا ملے، جانے اس لڑکی نے کیسی قسمت پائی تھی، پہلے طلاق پانٹہ بنی اور اب بیوہ ہو گئی تھی، دونوں بار اس کا گھر اجڑ گیا تھا، اس بار بھی قسمت کا جھٹکا اتنا شدید تھا کہ اسے تو روئے کی بھی فرصت نہ ملی تھی، اب کے آنسو ہی خشک ہو گئے تھے، وہ اس اچھے انسان کو کسی صورت نہ چھوڑنا چاہتی تھی اس لئے اس کی چار پائی پکڑ کر تاوقتِ نہیں رہی جب تک لوگ اسے بچھڑ کر پیچھے ہٹا کر نہیں - فر آخرت پہ اپنے ابدی گھر نہ لے گئے، جب میجر انوار کا جنازہ اٹھا تو اس کا دل بھی پھٹ گیا تھا وہ زمین و آسمان ایک کر کے اس طرح روئی تھی کہ تمام آنکھیں اشک بار تھیں اور

ہر دل غم سے بوجھل تھا، ابھی تو اس کا دلہنا پایا تھا، ابھی تو اس نے میجر انوار کی رفاقت کو جی بھر کر برتا بھی نہ تھا، ابھی تو وہ اس کے جاؤ پورے کرتے ہی نہ جھٹکتے تھے، ابھی تو اس کے کئی سہاگ کے جوڑوں کی جہیں بھی نہ کھلی تھیں کہ سہاگ ہی اجڑ گیا، اس بار وہ یہ غم سہہ نہ سکی تھی اور ندوس بریک ڈاؤن کی وجہ سے ہاسپٹل جا پہنچی تھی۔

وہ سخت جان تھی یا اس کو ابھی اور جینا تھا زندگی میں ابھی اور دکھ دیکھنا تھے، وہ موت سے لر کر واپس آ گئی تھی، وہ مرتے مرتے بچ گئی تھی وہ جس کی خواہش تھی کہ میجر صاحب کے پہلو میں ہی جا سوتے پھر سے دنیا کے اجالوں میں آ گئی تھی، اس طرح شاآنکھ میں کوئی منظر تھا اور نہ لبوں پہ کوئی لفظ، بس خاموشی ہی خاموشی تھی اور دکھ سا دکھ تھا۔

☆☆☆

شہر لاہور کے ایک ہوٹل کے کمرے میں گزری یہ رات بہت بھاری تھی، میری پوری زندگی اور شاہ بانو کا ہر دکھ مجھم ہو کر اس کمرے میں آ گیا تھا، میں نے اس کے دکھ سے اور اپنی ندامت سے ساری رات بیچھا چھڑایا تھا مگر چھڑا نہ پایا تھا صبح ہوئی تو میں ایک بار پھر اس کے در پر کھڑا تھا۔

”شاہ بانو!“ میری آواز میں اتنی بے تابی اور اتنی زیادہ طلب تھی کہ میں بتا نہیں سکتا۔

”یہاں کوئی شاہ بانو نہیں رہتی، یہ میجر انوار کی بیوہ کا کمرہ ہے۔“ وہ دروازے پر آئی اور میری آواز سن کر سخت آواز میں بولی تھی۔

”یہاں جو بھی آتا ہے میجر انوار کی بیوہ کی حیثیت سے مجھ سے ملے آتا ہے، اس کے علاوہ یہاں میری کوئی پہچان نہیں۔“ وہ غائب اسکو ل جا رہی تھی، بڑی سی چادر میں اپنا آپ چھپا کر

ماہنامہ حسنا (216) اگست 2014

میرے قریب سے گزر کر چلی گئی تھی اور میں وہیں کھڑا سوچ رہا تھا کہ میں پہلے والی شاہ بانو کو کیسے واپس لاؤں، وہ چلی گئی تو میں نے ایک بار پھر دروازے پر دستک دی تھی، اب کے کوئی بوا دروازے پر آئی تھیں، میں نے ان سے اپنا تعارف کروایا اور ان سے مدد چاہی تھی، پہلے تو وہ بے یقینی سے مجھے دیکھتی رہی تھیں پھر مجھے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر باہر نکل گئی تھیں، کچھ دیر بعد وہ واپس آئیں تو ایک شخص ان کے ساتھ تھا۔

"ہاں بیٹا بتاؤ کیا بات ہے، میں شاہ بانو جی کے باپ کی حیثیت سے تم سے مل رہا ہوں، میری بیٹی ان کی شاگرد ہے، وہ ہماری بیٹی کی استاد بھی ہے اور ہمارے لئے بیٹیوں جیسی بھی، آپ اپنا جو بھی مسئلہ ہے بلا جھجک ہم سے کہیے۔" انہوں نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے نرمی سے مجھے کہا تھا۔

میں اتنا ٹوٹا ہوا تھا اور شاہ بانو کے ساتھ گزرنے والی ہر کیفیت ہر دکھ کا مجھے ادراک تھا اس لئے میں تو کوئی سہارا چاہتا تھا میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنائی کہ کس طرح میں نے غصے و جلد بازی اور شک میں آکر اپنا گھراؤا اٹھا، اور اب میں ان سب باتوں کی تلافی چاہتا ہوں اور شاہ بانو کو پھر سے زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہوں، انہوں نے میری ساری کہانی سنی تھی اور مجھے یقین دلایا تھا کہ وہ شاہ بانو سے بات کریں گے، میں بہت پر امید ہو کر واپس آیا تھا۔

"انکل آپ نے سوچ بھی کیسے لیا کہ میں اس شخص سے کوئی بات بھی کروں گی، کسی قسم کا رشتہ جوڑنا تو دور کی بات ہے۔" مہیجے کے ابو نے جب شاہ بانو سے بات کی تو وہ بھڑکی تھی۔

"بیٹا وہ اپنے کیے پر نادم ہے، اسے معاف کر دو۔" وہ اس کی وکالت کر رہے تھے۔

"انکل پلیز کوئی اور بات کریں۔" میں نے

انہیں ٹوک دیا تھا اور وہ مایوس سے اٹھ کر اپنے کمرے چلے گئے تھے۔

میں نے ہر جتن کر کے دیکھ لیا تھا، شاہ بانو میری کوئی بھی بات سننے کے لئے تیار نہ تھی، میں تھک ہار کر واپس کو بیٹھ آ گیا تھا، میں کتنے دن لاہور میں ڈیرے ڈالے بیٹھا رہا تھا مگر اس نے میری کوئی بات نہ سنی تھی، پھر کو بیٹھ واپس آ کر میرے ذہن نے جو بات سوچی تھی اس نے نئے سرے سے میرے دل میں شاہ بانو کے ملنے کی امید پیدا کر دی تھی، میرے مقدر نے جس کو بڑی آسانی سے میری جھولی میں ڈال دیا تھا، آج میں اسی کے لئے دروازہ پر ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور وہ مجھے نہیں مل رہی میرے لئے اس سے بڑا انتقام کیا ہو سکتا تھا۔

"آپ مجھے معاف کر دیں۔" میں ایک بار پھر نہال کے کمرے پر تھا، مجھے دیکھ کر وہ اندر کمرے میں جا کر بند ہو گیا تھا، پورے دو سال بعد میں آپا کے ہاتھوں پر سر گرائے رو رو کر معافی مانگ رہا تھا، دو سال بعد اس گھر نے میرے قدموں کو چھوا تھا، میں آپا کے سامنے سر اور آنکھیں جھکائے بیٹھا تھا، میں اس کا بل ہی نہیں تھا کہ اس سر کو اٹھا سکتا یا نظر ملا کر بات کر سکتا۔

"ارسل کس بات کی معافی، بس اتنا کہوں گی تم نے جلد بازی میں بہت برا کیا، بہت برا۔" وہ بھی رونے لگی تھیں اور پھر انہوں نے شاید مجھے دل سے معاف کر دیا تھا وہ نہال کو بلانے چلی گئی تھیں، ماؤں کے دل ویسے بھی اسے اندر بہت کچھ سمولینے کا ہنر رکھتے ہیں، نہال اس کے بلانے پر باہر آیا اور میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا تھا، اس میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ماں کی کوئی بات نہیں مانتا تھا، میں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگ لیا تھا، وہ کھلے دل کا آدمی تھا کچھ دیر تو وہ

بے حس و حرکت کھڑا رہا تھا مگر پھر اس کے بازو بھی میرے گرد حائل ہو گئے تھے، وہ سنا دن اور ساری شام میں ان کے گھر میں بیٹھا اپنی ہی باتیں کرتا رہا تھا، آپا اور نہال میرے ساتھ لاہور جانے پر تیار ہو گئے تھے، میں سمجھتا تھا کہ بس وہ دونوں ہی اسے مناسکتے تھے۔

میں باہر کھڑا تھا اور وہ دونوں اندر میرا مقدمہ لڑ رہے تھے، مجھے نہیں پتہ ان کے درمیان کیا کیا باتیں ہوئی تھیں، کیا بحث ہوئی تھی، بس اتنا جانتا ہوں کہ جب تک آپا اور نہال باہر اٹھے تھے تب تک کھڑے کھڑے میں تخت بن گیا تھا۔
 ”آؤ اندر۔“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے تھے اور مجھے شاہ بانو کے سامنے بٹھا دیا تھا، اس کی برستی آنکھیں میرے سامنے تھیں اور میں گنگ بیٹھا تھا۔

آج شام میرا اور ارسل ممتاز کا نکاح ہے، آپ لوگ بھی سوچ رہے ہوں گے کہ میں کس مٹی سے بنی ہوں، میری زندگی میں کتنے موڑ آئے، کتنے دکھ آئے، کتنے غم آئے، اس شخص کی وجہ سے میں کیسے تماشہ بنی اور ایک بار پھر ساری ذلت، ساری پریشانی، سارے غم بھلا کر اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔

”ہاں میں اس کی زندگی میں شامل ہونے جا رہی ہوں۔“

”میں کیا کروں، میں کسی کے سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکتی، میں دنیا والوں کو بھی نہیں بتا سکتی، میں اس سمیت کے آگے ہار گئی ہوں جو مجھے ارسل ممتاز سے تھی، ہے اور شاید ہمیشہ رہے۔“

”میں تنہا زندگی گزار سکتی تھی مگر معاشرہ اور لوگ ایک ہیو کو تنہا زندگی گزارنے نہیں دیتے، مجھے بھی نہ بھی تو کسی کا ہاتھ تھا سنا تھا اور ارسل

ممتاز بھی مجھ سے محبت کرتا تھا وہ خود چل کر میرے پاس آ گیا تھا، میں اسے کیسے واپس لوٹاتی میں اس محبت کا کیا کرتی جو مجھے ہاندھ کر دوبارہ اس کی طرف لے جا رہی تھی، یہ محبت جب ہوتی ہے تو ایسے ہی خوار کرنی ہے، ارسل ممتاز نے مجھ پر شک کیا تھا، اذنیات لگائے تھے، میں وہ سب ذلت بھول گئی تھی، نہال بھائی اور آپا نے اس کی گارنٹی دی تھی کہ اب ایسا نہیں ہوگا۔“ وہ نادام سر جھکائے خود بھی میرے سامنے تھا، ایسے میں میری محبت پھلا تھیں ماری ہوئی اس کے دل تک پہنچ گئی تھی اور میں ہار گئی تھی۔

رمضان المبارک کا مقدس مہینہ تھا، میں ایک بار پھر کورینہ میں موجود میہوں کے درختوں والے گھر میں تھی، اب کے ارسل بہت بدل گیا تھا، اس نے بیج معنوں میں میرے جانے کے بعد مجھ سے محبت کی تھی اور یہ محبت میرے دوبارہ اس کی زندگی میں شامل ہونے پر دو چند ہو گئی وہ اور میں مل کر روزے رکھ رہے تھے، مل کر عبادت کرتے تھے مل کر صبر اور شکر کرتے تھے، زندگی میں آنے والے گزشتہ دکھ اور غم سب بھول گئے تھے، ایسا لگتا تھا وہ سب خواب تھا اور حقیقت اب ہے۔

چاند رات تھی، صبح عید ہونے کا اعلان ہو گیا تھا، میں انٹاری کے بعد کچن سمیت رہی تھی جب ارسل کمرے سے ایک شاپنگ بیگ اٹھائے باہر آیا تھا۔

”ادھر آؤ۔“ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر جیشے کے پاس لے آیا تھا۔

”یہ کیا ہے؟“ میں اس کے ہاتھوں میں سامان دیکھ کر بولی تھی۔

”یہ تمہاری عید ہے۔“ اس نے میرے

ماہنامہ ”سنا“ (218) اگست 2014

”بالکل سچ۔“ وہ خوش دلی سے بولا تھا اور
ہاں ایک اور بات سنو وہ کسی نے کیا خوب کہا

کوئی بھی موسم ہو

کوئی بھی رات ہو

دلی تو عادت ہے

جسہیں یاد برابر کرنا

تیری جستجو تیری امید کرنا

تمہارے آنے پہ خوشی خرید کرنا

اب تو ممکن ہی نہیں

تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے شاہ بانو کو بازوؤں کے کھیرے

میں لے کر بڑے درگم سے اسے کہا تھا۔

”یہ تو کس نے کہا ہے، آپ خود کیا کہتے

ہیں۔“ وہ اٹھلاتے ہوئے بولی تھی۔

”یار میں بھی تو یہی کہتا ہوں۔“

اب تو ممکن ہی نہیں

تیرے بغیر عید کرنا

ارسل نے پھر سے کہا تھا اور فضا کی ہر چیز

محبت کے اس اقرار پر مجھوم مجھوم گئی تھی۔

بہ بہ بہ

سامنے سب الٹ دیا تھا، چوڑیاں، مہندی،
کپڑے، جوتے، بندے، ہار سب چار پائی پر بکھر
گیا تھا۔

”یہ آپ نے کب خریدا۔“ میں مسکرائی
تھی۔

”میں تو پورا مہینہ ہی کچھ نہ کچھ خریدتا رہا

ہوں، شکر ہے چاند رات تک سارا سامان پورا ہو

گیا، دیکھ لو جسہیں پسند بھی آتا ہے کہ نہیں۔“ وہ

ایک ایک چیز میرے آگے کرنے لگا تھا۔

”سب بہت اچھا ہے۔“ میں نے دل سے

تعریف کی تھی اور سب کچھ سیٹ کر اپنے کمرے

میں رکھنے لگی تھی۔

”شاہ بانو خوش ہونا۔“ میں اس کے پیچھے

پیچھے چلا آیا تھا اور اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے

کر اس کی نکائی میں جانے لگا تھا۔

”ہوں خوش ہوں۔“ وہ اپنی کلائی دیکھ کر

بولی تھی۔

”تم میری زندگی کا چاند ہو، تمہاری وجہ سے

زندگی میں روشنی ہے، خوشی ہے۔“

”سچ کہہ رہے ہو۔“ وہ اس کی آنکھوں میں

دیکھ کر پوچھنے لگی تھی۔

”سناخدا رتھال“

آپ کی پسندیدہ مصنفہ سیدہ شہناز کی جواں سال بہن بھانجا اور بھانجی ایک ٹریک حادثے
میں قضاے الہیات و وفات پا گئے۔

اللہ وانا علیہ راجعون

تو زمین سے دوائے مغفرت کی درخواست ہے اللہ تعالیٰ مرنومین کے درجات بلند کر کے اور
انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا کریں
آمین۔

ادارہ حنا شہناز کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

ماہنامہ حنا (219) اگست 2014

غیر شعی

بات چھوٹی سی تھی مگر بڑھ کر گہیر صورتحال اختیار کر گئی اور نتیجہ کیا نکلا؟ وہ جو سب کی توقعات کے صد فی صد برعکس تھا، ابھی کل ہی تو امی نے شادی سے جہیز کے بقیہ سامان کی لسٹ بنوائی تھی اور اس اتوار کو مارکیٹ جا کر شاپنگ کا ارادہ بھی تھا، مگر لگا یک بات یوں بھڑ جائے گی، ماریہ تو کیا، کسی کے بھی وہم و گمان میں نہ تھا، وہ تو گزشتہ دو دن سے فیصل کو منانے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی اور یقیناً واثق تھا کہ وہ مان ہی جائے گا، کچھ ایسی خاص یا گہیر رنجش تو نہ تھی دونوں کے درمیان کہ فیصل کی امی اور بہن رائے منشی کا سارا سامان انہیں واپس کر کے صاف منگنی ختم کرنے کا اعلان کر کے چلتی ہیں، رائے جس سے اس کی خوب دوستی ہو چکی تھی، فیصل کے سب پیام جتنے وہی اس تک پہنچائی رہی تھی ابھی جو گھر کے کمر پر بات کرنی ہوتی اور ماریہ کی جگہ کوئی اور فون اٹھا لیتا تو رائے بڑی ہوشیاری سے صورتحال کو کنٹرول کر کے دو چار باتیں کرنے کے بعد کھٹ اپنی ہونے والی بھابی، ماریہ سے گفتگو کی خواہش کا اظہار کرتی اور ریسور بڑی سہولت سے ماریہ کے ہاتھ میں آ جاتا، ایسے میں اگر فون رسیو کرنے والے امی، ابو یا بڑے بھیا وغیرہ ہوتے تو ان کے فرشتوں تک کو نہ علم ہو پاتا کہا، اگلے گھنٹے دو گھنٹے تک ماریہ نے فون پر رائے سے نہیں فیصل سے سرگوشیاں کی ہیں اور آج وہی رائے امی کی لاکھ التجاؤں کے جواب میں کس لمحے سے کہہ کر چلتی بنی تھی۔

”ہونہ! ماریہ جیسی لڑکیوں کے لئے رشتوں کی کی تھوڑی ہوتی ہے، رشتے ہزاروں جائیں گے آپ کو، جب وہ فیصل بھائی سے آپ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر راہ رسم بڑھا سکتی ہے تو دنیا میں اور بھی لڑکے موجود ہیں۔“ امی پر گھڑوں پانی پڑ گیا تھا، انکا تو واضح ہوا کہ فیصل کی امی اور بہن کا یہ انتہائی اقدام ماریہ کی کسی خطا کی بناء پر ہے اور وہ کچھ کہتے سننے پر راضی ہی نہ ہوئی تھیں جو صورتحال واضح ہوئی، بس اپنا آخری فیصلہ سنایا اور تمام اسباب گویا ان کے منہ پر مار کر چلتی ہیں، امی نے کس ڈھی نظروں سے ماریہ کی جانب دیکھا تھا اور اسے محسوس ہوا، وہ زمین میں اندر ہی اندر سماتی چلی جا رہی ہے مگر کاش! وہ زمین میں ہی ساسکتی، رائے کے آخری الفاظ خود اسے اپنی ہی نظروں میں بے وقعت کر گئے تھے، وہ اپنے آپ میں گھر کے کسی فرد کا سامنا کرنے کی ہمت نہ کر پا رہی تھی، سو اڈالتے ہوئے قدموں سے اسے گھرے میں آگئی اور اپنے ہینڈ پر کسی کٹے ہوئے کھیتیر کی مانند گر پڑی۔

آنسوؤں کا اک ریلا تھا جو ضبط کا بندھن ٹوٹنے ہی رداں ہوا اور تادیر رواں ہی دہا، شام ڈوب کر کائنات کو رات کی تاریکی میں لپیٹ گئی مگر گھر میں یونہی سنائے کو بجتے رہے، امی عشاء کی نماز پڑھنے کھڑی ہوئیں تو جانے کب تک بیدار کرتی رہیں، وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہو سکا، شام آتی لاؤنج میں ٹی وی کے سامنے خالی ڈھن، خاموش آنکھوں کے ساتھ اسکرین پر

ماہنامہ دنیا (220) اگست 2014



ماتند پھرنے لگے تھے، کچھ زیادہ پرانی بات تو نہ تھی
بمشتل سالوں پھر گزرا ہو گا، جب امی نے ابو کو
خوشخبری سنائی تھی۔

”سنئے ہیں مکرم صاحب! اپنی ماریہ کے
لئے بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔“

نظر میں جمائے ساکت بیٹھی رہیں، اک ساکت و
جامد سناٹا سارے گھر کو اپنے پیٹ میں لئے رہا،
ابو بڑے بھیا کب آئیں سے لوٹے ان سے کیا
کچھ کیا یا سنا گیا، کچھ پتا بھی نہیں چلا، کیا چلا گیا۔

ماریہ کے ذہن میں گزرے لمحات کسی ظہر کی

ماہنامہ حنا (221) اگست 2014

”ماریہ کے لئے؟“ مكرم صاحب چونک کر سیدھے ہوئے۔

”مگر مہر النساء ابھی تو اپنی شادی....“

”جانے بھی دیجئے۔“ انہوں نے مرحمت سے شوہر کی بات قطع کی تھی۔

”اب لڑکیوں کی شادی کی اتنی تنگی چل رہی ہے کہ اچھے رشتوں پر ماں باپ زیادہ غور نہیں کرتے، نہ بڑی چھوٹی کا شمار کیا جاتا ہے جس کے پیسے نصبِ محل رہے ہیں بس بھٹا دو۔“

”سچ کہتی ہو۔“ انہوں نے گہری سانس لے کر بیوی کی تائید کی پھر اخبار ایک طرف رکھ کر چشمہ ہٹایا اور پوری طرح مزید تفصیلات سننے کے لئے تیار ہو گئے۔

”لڑکا کسی پرائیویٹ کمپنی میں ملازم ہے، معقول تنخواہ ہے، شریف گھرانہ ہے، ہمیں اور کیا چاہیے مكرم صاحب، اللہ پہلے اپنی ماریہ کے نصبِ محل رہا ہے تو ہم ہاتھ روک کر ناشکری کیوں کریں، پچھلے دنوں جو بڑی بھابی کے گھر محفل میاں دہوئی تھی، ادھر ہی لڑکے کی امی نے ہماری ماریہ کو دیکھ کے پسند کیا ہے، کل بڑی بھابی کا قانون آیا تھا، اب وہ لوگ بڑی بھابی کے ساتھ ہاتھ بندھ رہے ہیں، انہوں نے ایک ہی سانس میں ساری تفصیل سنا کے پھر شوہر کی امید بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے استفسار کیا تھا مكرم صاحب کی نظریں اپنی بڑی بیٹی شادی پر لگی تھیں، جس کو بی اے کیے ہوئے بھی دو سال ہونے کو آئے تھے، مگر مناسب رشتے کے آچار بنوڑ نظر نہ آتے تھے، پھر بیگم کی یہ بات بھی ٹھیک ہی تھی کہ جب اللہ نواز رہا ہے تو ہاتھ روک کر ناشکری کیوں سو انہوں نے بڑے بیٹے سے صلاح مشورہ کر کے آمادگی ظاہر کی اور مہر النساء کی

تو جیسے دلی مراد ہی برآئی، کھٹ بھابی کو فون کر کے مہمانوں کو قدم رنجہ فرمانے کی اجازت بخشی۔

مہمان آئے اور آ کے چلے بھی گئے، شادی اپنی نے اس دن گھر کا گونا گونا چکایا تھا اور یوں بھی یہ ایک رگی سا مرحلہ تھا، ماریہ کو وہ پسند تو کر ہی چکے تھے البتہ اس بار جاتے سے وہ لڑکے کی تصویر امی کو حتمی لگتی تھیں اور جلد جواب پر اصرار بھی کیا تھا، ادھر تصویر بھی سب ہی کے من کو بھائی تھی، دیگر گوانف بھی سلی بخش ہی تھے، بڑے بھیا نے مناسب چھان بین بھی کی اور ابھی معاملہ اٹارو اقرار کے مرحلے پر اٹکا تھا کہ ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا۔

لڑکا لڑکھو لڑکی کو دیکھنے کا خواہاں ہے اور لڑکے والوں کا یہ مطالبہ سن کر مہر النساء شیشا اٹھیں، فی الفور بھابھ کو مشورے کے لئے بلا بھیجا، جنہوں نے خلاف توقع اس مطالبے کی بھرپور حمایت کی، مگر مہر النساء کے دل کو پٹکے لگے تھے۔

”کہاں بیٹھی ہو مہر النساء یہ نیا دور ہے لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار نظریں بے وجہ تارتی ہیں، پھر اتنی تو ہمارے مذہب میں بھی اجازت ہے۔“

مہر النساء کے دل کو کچھ قرار آیا، بات سچ ہی تھی، ماریہ کون سی پردہ کرتی تھی لڑکی گھر سے باہر نکلتی ہے تو ہزار لوگوں کی نظر پڑتی ہے اور جس کی مذہب نے اجازت بخشی ہے اس سے پردہ واجب ہو جاتا ہے، (ادھر امی مطمئن ہوئیں اور ادھر شادی کی زبانیں اس نئے مرحلے کی بابت سن کر ماریہ پسینے میں تر ہو گئی، دل تو جب سے ہی دھکڑ پکڑ کر رہا تھا، جب سے فیصل کی تصویر دیکھی تھی، اتنی موٹی شکل کہ دل میں اتر گئی، خواہوں کی دنیا جیسے سچ انھی تھی اور وہ جو تصویر دیکھنے سے گل

ماہنامہ سنا (222) اگست 2014

سوچے بیٹھی تھی کہ اس رشتے سے صاف انکار کر دے گی کہ وہ ابھی مزید پڑھنا چاہتی ہے مگر فیصل کی تصویر نے اس کا دل موہ لیا تھا اور اس کے ہر ارادے کو خاک میں ملا دیا تھا، اب دل ایک ہی تال پر رقص کر رہا تھا اور خواہاں تھا کہ بس جلد از جلد فیصل کا ساتھ مل جائے۔

یہ مرحلہ کڑا تھا مگر طے ہو ہی گیا، فیصل کے سامنے جب ہنک سوٹ میں بہار کی ٹو گھنٹہ کلی کی مانند تروتازہ ماریہ آئی تو اس کا دل جھوم اٹھا، انکار کا سوال ہی نہ تھا، لڑکی ہر لحاظ سے بہترین تھی، اس کے انتخاب کی دل ہی دل میں داد دی، ایک ستاسی نگاہ شرمیلی گھبرائی ماریہ پر ڈالی اور مسکرا دیا، رشتہ لگا ہو گیا اور اسی ماہ اک تقریب میں منگنی کی رسم انجام پائی۔

ابنہ اس ایک ملاقات نے آگے کے تمام رستے کھل کر دیے تھے، فیصل نے منگنی کے موقع پر ماریہ کو موہاگل فون گفٹ کیا تھا اور منگنی کے بعد ہی موہاگل کا درست استعمال ہونے لگا، تعلقات کی راہ استوار ہوئی اور موہاگل ماریہ کا لٹو انگ بن گیا، دن ہو یا رات، تقریب ہو یا گھر میں، صبح و شام فیصل کے لاتعداد میسجز اور رات گئے تک ہاتھیں، اگر جواب ہاتھ گھر تک نہ دیتی تھی گھر سے باہر نکلنے لگتی تھی، دلی دلی سرگوشیاں بھی اٹھنے لگی تھیں مگر پرواہ کسے تھی، فیصل اس کا اپنا بننے جا رہا تھا اور یہ بات سب ہی جانتے تھے، موہاگل سروریز شاید اسی لئے دل موہ لینے والے بکھر دیا کرتی ہیں، کہ ماریہ اور فیصل جیسے جوڑے ہمہ وقت رابطے میں رہیں، گھنٹوں کے حساب سے لایسنی باتیں کی جائیں اور وہی ہو رہا تھا، شروع شروع میں مہر النساء دبا دبا سا احتجاج کرنا چاہا تو سمجھن نے بھی بھرپور نشی کی تھی۔

"جانے دیجئے بہن اب ہمارا آپ کا والا

دور تھوڑی دیا ہے، اچھا ہے، لڑکا لڑکی شادی سے پہلے ایک دوسرے کے حراج کو سمجھ جائیں۔"

"مگر بہن! ایسی باتیں رنجش پیدا کرتی ہیں خدا نخواستہ۔" انہوں نے پھر کہا چاہا مگر سمجھن نے بات قطع کر دی۔

"ارے چھوڑیں بھی، اللہ نہ کرے کہ کوئی رنجش ہو، اب تو خیر سے عید کے چاند شادی ہے ہی، دن ہی نکلتے ہی ہیں۔" انہوں نے مہر النساء کو کچھ کہنے سے باز رکھا تھا، سچ تو یہ تھا کہ اپنا سکھوٹا ہو تو دوسرے سے کیسی باز پرس، ماریہ کی دنیا بڑی محدود ہو گئی تھی، موہاگل اس کے لئے لازم و ملزوم بن کر رہ گیا تھا، ان کا ارادہ تھا کہ دوڑ دھوپ کر کے ثناء کے لئے بھی کوئی رشتہ تلاش کر لیں گی اور سال بھر میں دونوں بیٹیوں کو ہمراہ ہی بھگتا دیں گی مگر ماریہ کے سسرال والے تو بس نہ چٹا کہ گھڑی کی چوتھائی میں ماریہ کو بیاہ کر لے جائیں، ان کا ذوق و شوق اور ماریہ کے لئے ان کی چاہت تو یہی عیاں کرتی تھی، ساس جب بھی آتیں دو چار جوڑے معارفانی لوازمات کے چھما جاتیں، کبھی کوئی سونے کی چیز اپنے ہاتھوں سے اسے پہنا جاتیں، فیصل بلاناغہ گھر کے نمبر پر فون کر کے گھر بھر کی خبریت پوچھتا رہتا تھا، گا ہے یہ مگا ہے بھی ساس، کبھی سالی کے لئے کفلس بھیجتا رہتا تھا اور ماریہ کا تو تذکرہ ہی کیا..... سنا تھا کہ خاصی بڑی نوٹو فریم کروا کے فیصل نے اپنے کمرے میں لگوا رکھی ہے، ماریہ کی سالگرہ آئی تو ساس صاحبہ تمام بیای، بن بیانی بیٹیوں کو سمیٹ کر کیک سمیٹ چکی آئیں، سب ہی نے گفٹ دیے، خود ماریہ اتنی بھتیوں کو پا کر سرشار تھی، امی کو اندازہ تھا کہ یہ سلسلہ جتنا طویل پکڑے گا، اتنا ہی تعبیر بھی ہوگا، ممکن ہے وہ زیر بار بھی ہو جائیں، اب بھی ان سب کی وقت بے وقت آمد پر خرچا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✦ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✦ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✦ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✦ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✦ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✦ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✦ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریخ
- ✦ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✦ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✦ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✦ سہریم کوالٹی، مارل کوالٹی، کمپیڈ کوالٹی
- ✦ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریخ
- ✦ ایڈفری لنکس، لنکس کو ایسے کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on

Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/pak_society1

جاؤ۔" ماریہ کی روح فنا ہو گئی اور اس نے گھر دیکھا بھی کب تھا۔

"لو کے تو پھر مجھے بلا لو، آئی میں جب کوئی گھر پر نہ ہو۔" وہ جھجک گئی۔

"پلیز ماریہ کیا تمہیں مجھ پر اتنا بھی بھروسہ نہیں ہے، کوئی اور صورت بھی تو نہیں ہے نا، کہیں اور بننے پر تم راضی نہیں ہو اور تمہارے گھر والوں کی موجودگی میں تو یہ ممکن نہیں ہے۔"

یہ تو ٹھیک ہی تھا، وہ کوئی ایسا چمچورا نام نہان لڑکا نہ تھا جس پر بھروسہ کیا جاسکے اور سب سے محفوظ طریقہ بھی یہی تھا اس بار وہ جان کو آگیا تھا اور کسی طور نہ مانتا تھا ماریہ نے زیادہ رد و کد کی تو سخت خفا ہو گیا اور اس کی جان پر ہن آئی، بمشکل اسے منایا اور اس کے شرط مانتے ہی بن بڑی۔

انہی دنوں قدرت نے بھی موقع فراہم کر دیا، پھولی اور پھوپھا جان اک حادثے میں ہال ہال بنے، بڑی پھوپھو نے اپنے گھر شکرانے کے لئے محفل میاں دندرو نیاز کا پروگرام رکھا، ان کے گھر والوں کو بھی مدعو کیا اور یہ بہترین موقع تھا روٹھے یار کو منانے کا، اب یوں بھی وہ تقریبات میں کم ہی جایا کرتی تھی، جالی تو موہاگل کان سے چپکا رہتا، مہر النساء کو زمانے بھر کا خوف کھائے جاتا۔

آج بھی اس کے جانے سے انکار کو انہوں نے غیبت ہی سمجھا، شام آتی اور امی صبح ہی نکل چکیں، ابو اور بڑے بھیا آفس سے ہی پھوپھو کے گھر پہنچے تھے۔

ماریہ نے فٹ لیصل کو کال کی اور وہ تو جیسے سرشار ہی ہو گیا تھا، فوری اپنی آمد کا عندیہ دیا، ماریہ نے شاور لے کر لیصل کا پسندیدہ پنک ٹکڑ پینا تھا، دراز سنہری بالوں کو یونہی کھلا چھوڑ دیا، کھنی پلوں پر مسکارے کا گہرا گہرا لپ کر کے آنکھوں

ہوتا ہی رہتا تھا، اللہ کا نام لے کر بڑی کمیٹی ڈال دی، عید پر جس کے ملنے کے بھرپور چانسز تھے اور بساط بھر تیار یوں کا آغاز کر دیا، ادھر ماریہ کے قدم تو مالو زمین پر ٹھہرتے ہی نہ تھے، اتنی ٹھنڈوں اور توجہ کے سبب مزید گھر گئی تھی اور سب سے بڑھ کر فیصل کی محبت جو کہتا کہ اب تو ماریہ کے بغیر اس کا جینا بھی دشوار ہے، صبح آنکھ کھلنے سے رات گئے تک میسجز کا سلسلہ، وہ اسے دھڑکنوں سے بھی قریب محسوس ہوتا، بس کبھی کبھی بڑی سے اترنے لگتا، جب مٹالیوں پر پراتر آتا وہ سہم جاتی۔

"پلیز ایک بار تو دیدار بخش دو، سچ آنکھیں ترس گئی ہیں۔" ماریہ کو ابو اور بڑے بھیا کا ڈر مارے بڑا تھا، کسی طور نہ مانتی۔

"تو کس نے کہا ہے کہ گھر پر ہی طو، یار دنیا بہت بڑی ہے۔" اور اس کے لئے یہ تصور بھی سوان روح تھا، اولاد وہ بات گھما دیتی، مگر فیصل کا اصرار بڑھتا ہی جا رہا تھا۔

"پھر میں امی سے کہوں گا مجھے اپنی منگیت سے ملنا ہے۔" فیصل دھمکاتا۔

"اور وہ تو جیسے مان ہی جائیں گی نا۔" ماریہ نے چڑایا۔

"کیوں نہیں مانیں گی، میری امی بہت براڈ ماتخذ ہیں تمہارے گھر والوں کی طرح نہیں۔"

"اے۔۔۔" ماریہ نے درمیان میں ہی ٹوک دیا مگر وہ مصر رہا۔

"تو اور کیا، یوں سات پردوں میں تمہیں چھپا رکھا ہے جیسے میں تمہیں نکل جاؤں گا۔" ماریہ نے اسے لاکھ سمجھانا چاہا مگر اس کی ایک ہی رٹ تھی، مجھے ملنا ہے، بس ملنا ہے، گھر میں نہیں تو کہیں بھی اور گھر سے باہر قدم رکھنے کا خیال بھی اس کے قدموں تلے سے زمین نکال دیتا۔

"چلو کہیں باہر نہیں تو میرے گھر ہی آ

ابھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیتے

ابن انشاء

☆ اردو کی آخری کتاب

☆ شمارہ مقدم

☆ دنیا کول ہے

☆ آوارہ گرد کی ڈائری

☆ ابن بطوطہ کے تعاقب میں

☆ جلتے ہو تو جہیں کو چلتے

☆ عمری عمری پھر مسافر

☆ خط انشائی کے

☆ بسق کے اک گونے میں

☆ پانڈنر

☆ دل ڈانٹ

☆ آپ نے کیا پرہ

ڈاکٹر مولوی عبدالحق

☆ قواعد اردو

☆ انتخاب کام میر

ڈاکٹر سید عبداللہ

☆ طیف نثر

☆ طیف غزل

☆ طیف اقبال

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7310797-7321690

پر لائز کی ہار یک سی لکیر بھی کھینچی اور ٹی روز کا
بھر پور اسپرے کر کے وہ قد آدم آئینے کے سامنے
کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھی کہ کال بیل بج اٹھی،
بے ساختہ نگاہ دیوار گیر کھڑکی کی جانب اٹھ گئی، تو
لبوں پر مسکراہٹ دوڑ اٹھی فیصل کو آفس سے بیچ
ٹائم میں آتا تھا اور ابھی سوا بھی نہ بجا تھا، یقیناً وہ
اپنی بائیک ہوا کی رفتار سے اڑاتا ہوا لایا تھا اس
نے ایک بھر پور نظر اپنے سر اپنے پر ڈالی تھی اور
کال بیل کے جواب میں بیرونی دروازہ کھول دیا
مگر اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ کافور ہو گئی،
زمین قدموں تلے سے سرکتی ہوئی سی محسوس ہوئی،
سامنے فیصل کی امی اور بہن راتہ موجود تھیں وہ
ساکت سی رہ گئی کہ انہیں سلام تک کرنا بھول گئی۔
”کیا ہوا بیٹی! خیریت تو ہے، تمہاری
طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ فیصل کی امی اس کے گم صم
انداز کو بھانپ کر بولیں تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔
”جی..... جی ہاں..... اور..... نہیں تو.....
والسلام علیکم۔“

”انداز آنے کو نہیں کہو گی بھابی!“ راتہ
نے جبکہ کر کہا تو ہار نے پریشانی سے اس کی
شکل دیکھی، اب فیصل کی کسی بھی وقت آمد کا خطرہ
سر پر منڈ لا رہا تھا چاروٹا چار انٹس ڈرائنگ روم
میں بٹھا دیا۔

”دراصل تمہاری پسند کا ٹاپ لینا تھا، پھر
زیورات کا آرڈر دینا ہے تو سوچا تم سے ڈیزائن
پسند کروالو، میری کل ہی فون پر تمہاری امی
سے بات ہوئی تھی، آج بائزار جانا ہے تو.....“

”جی..... جی.....“ وہ غائب دماغی سے
جواب دیتے ہوئے مسلسل اس امر پر غور کر رہی
تھی کہ فیصل کو کیونکر روکا جائے۔

”جی میں آپ کے لئے کچھ لاؤں؟“ اس
نے باہر کا رخ کرنا چاہا تھا کہ فیصل کی امی نے اس

ماہنامہ حنا (225) اگست 2014

تھی، ماریہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور فیصل کی امی کے لہجے میں تھخیک اند آئی۔

”ہاں..... میں..... اب تم کہہ دو کہ کھانا ہضم کرنے کے لئے ادھر کا رخ کیا تھا اور تم.....“ انہوں نے ماریہ کو ذلیل کر کے رکھ دینے والی نظروں سے دیکھا۔

”گھٹیا لڑکی! میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شریف گھرانوں میں تم جیسی لڑکیاں.....“

”ای امی آپ غلط سوچ رہی ہیں؟“ فیصل نے بے تاب ہو کر کہا۔

”آئی ٹھیک سمجھ رہی ہیں۔“ جانے کہاں سے اس میں اتنی ہمت آ گئی۔

”جب لڑکی کسی الزام کی زد پر آتی ہے تو درمیان میں کہیں نہ کہیں آپ جیسے مرد کا کردار ضرور ہوتا ہے۔“ فیصل پر گھڑوں پانی پڑ گیا، اگلے ہی لمبے وہ مڑا تھا اور تیز تیز قدموں سے گھر سے نکلتا چلا گیا، اس کے بعد فیصل کی امی کو کون روک سکتا تھا کہ وہ ماریہ کے کردار کو لے کر اس پر گھٹیا الزام نہ لگائیں، اس کے خاندان تک کو گھسیٹ کر اس پر ناز بیا کلمات سے نہ نوازیں، شاید وہ تو اسی وقت منگنی ختم کر دیتیں مگر ابھی تو انہیں ماریہ کے کارنامے کی بابت اس کے گھر والوں کو بھی آگاہ کرنا تھا اور آج شام انہوں نے یہ حسرت بھی پوری کر لی، ہوتا تو یہ چاہیے تھا کہ فیصل اس کا دفاع کرتے ہوئے اپنی ماں کے ذہن کی کثافت کو دور کرتا لیکن اگر وہ اس کی پوزیشن کلیئر کر کے اپنی منگنی کو تسلیم کر کے اس منگنی کو برقرار بھی رکھتا تو کیا وہ تمام عمر اپنے سسرال والوں کے سامنے سر اٹھا سکتی تھی اور اب دنیا کا سامنا کرنا کیا اتنا ہی سہل رہ گیا تھا، اس نے کرب سے اک کروٹ لے کر سوچا اور دو آنسو پھسل کر اس کے ہنسی میں جذب ہو گئے۔

کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھالیا۔
”ارے بیٹا کچھ نہیں، تم یہ ڈیزائن دیکھ لو اور جو زیورات تمہیں پسند آئیں ان پر نشان لگا دو، ہاں مہر النساء نظر نہیں آ رہیں، ذرا انہیں بھی بلاؤ۔“

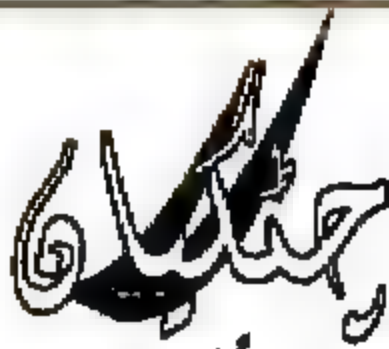
”جی وہ ای تو پھو بھی کے گھر گئی ہیں دراصل.....“ اسے اصل بات اگلی پڑی تو ان کے تپوڑ تھکے ہو گئے۔

”تو گویا تم گھر پر اکیلے ہو، حیرت ہے، مہر النساء اتنے آرام سے جوان جہان لڑکی کو گھر پر اکیلا چھوڑ گئیں، شاہاش ہے ان کی ہمت کو۔“
”وہ آئی! میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی اور ان کا جانا ضروری تھا۔“ اس نے ٹولی لٹکڑی پویل دی تو ان کی نظروں میں مسخراؤ آیا، خاصی بھر پور نظروں سے اس کے سچے سنورے سراپے کو دیکھا تھا۔

”اچھا! لگتا تو نہیں ہے کہ تم بیمار ہو۔“ ان کی بات تھخیک ہی تھی، ماریہ کا سراپا اس کے بیان کی بھرپور نقل کر رہا تھا، اسی سے کال ٹل گئی تھی اور ان کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، وہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑی ہوئی تھی، حوش نظروں سے دیوار گیر کھڑی کی دیکھا جو گھبراہٹ میں گیٹ کھولنے کے ارادے سے بڑھنے لگی مگر فیصل کی امی کی گرفت اس کے ہاتھ کی کلائی پر پڑ گئی۔

”رائے! تم جاؤ تم گیٹ کھولو جا کر۔“ وہ جہاندیدہ خاتون تھیں، بہت کچھ ناز گئی تھیں، مگر گیٹ کھولنے کی نوبت ہی نہ آئی، اگلے ہی لمبے فیصل اطمینان سے دروازہ کھول کر بے پروائی سے بیٹی بجاتا انگلی پر کی چین گھماتا سیدھا ڈرائنگ روم میں چلا آیا مگر اگلے ہی لمبے ساکت رہ گیا۔

”ای! آپ.....؟“ فرد جرم عائد ہو چکی



شگفتہ شاہ

بھکاری

کسی صحت مند فقیر کو بھیک دینا۔
کسی آفس، جاب پر ٹھیکالے، چوکیدار کی مدد کرنا۔
کسی سفید پوش کو اپنی چادر سے زیادہ پاؤں پھیلا نے والی ضرورتوں کے لئے قرض دینا۔
کسی قوم کو امداد دیتے رہنا۔
کا مطلب ہے کہ.....
عادی بھکاری بننا دینا ہے۔

☆☆☆

موت

موت! کبھی.....
خوشیوں کا انت
کبھی غموں کا انت!

☆☆☆

خبر، کہانی

قتل کے ملزم کی ایک مرتبہ عدالت میں عدم حاضری پر اس سے باز پرس کی گئی تو ملزم نے جواب دیا کہ وہ اپنی والدہ کی علالت کی وجہ سے پیش نہیں ہو سکا جس پر اسٹرکٹ اینڈ سیشن جج نے

ملزم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
”عدم حاضری پر ہم آپ کو جیل بھیج دیتے ہیں۔“

یہ سن کر ملزم مشتعل ہو گیا اور روتے ہوئے دیوار پر ٹکریں مارنا شروع کر دیں جس سے وہ زخمی ہو گیا، وہ دروازے کے کھد ہاتھا۔

”میں گزشتہ کئی سالوں سے اس عدالت کے روبرو پیش ہو رہا ہوں، میں ایم اے انگریزی کا ڈگری ہولڈر ہوں مگر پانچ سال سے بے روزگار ہوں کیوں کہ مجھ پر اس جھوٹے کیس کی وجہ سے کوئی مجھے نوکری دینے کے لئے تیار نہیں ہے حالانکہ آج تک میرے خلاف ایک بھی گواہ نے عدالت آکر گواہی دی ہے۔“

عدالت نے اس کا عذر قبول کرتے ہوئے عدم حاضری پر معافی دے دی۔

(روزنامہ جنگ، بدھ 7 مئی 2014ء)

☆☆☆

تعزیت

”ارے چھوٹی کوتو دیکھو رو رو کر ہلکان ہوئے جا رہی ہے۔“

”نا بیٹا..... اتکار دے مرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے، مت رو۔“

”بڑی کوتو دیکھو، بھال ہے کہ ایک آنسو بھی پکا ہوا۔“

ماہنامہ حنا (227) اگست 2014

شادی کرنا ہے، جو بہن بھی ہے، بیٹی بھی، بیوی بھی اور میں بننے والی ہے، کہ باپ، بھائی، رشتہ دار اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں ہی اس کے اوپر اینٹوں اور پتھروں کو برسانا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ عورت لہو لہان ہو کر تڑپ تڑپ کر جان دے دیتی ہے، آس پاس پولیس بھی گھڑی ہے اور قماشین بھی موجود ہیں مگر کوئی پتھروں کو روکنے والا ایک ہاتھ بھی نہیں اور ”ایوان انصاف“ کے جج گھڑی ”انصاف کی دیوی“ ہاتھ میں ترازو پکڑے سکرارہی ہے، اس کی آنکھوں پر پٹا بندھی ہوئی ہے اور ایک آواز کہیں گونج رہی ہے۔

”انصاف اٹھھا ہوتا ہے۔“

”ارے بھی مجھے چائے نہیں ملی۔“

”کھانا کھا لو بیٹا! مرنے والوں کو ثواب ملتا ہے، اٹھو شاہاش۔“

”ارے بریاتی تو ادھر کرتا۔“

”بیٹھا اور لاؤ۔“

”سنا ہے کہ کوئی پرواہ ہی نہیں تھی گھر والوں کو مرنے والے کی۔“

”ہاں بہن سنا تو میں نے بھی ہے۔“

”پچھے کیا چھوڑا ہے اس نے؟“

”.....“

”.....“

”.....“

☆☆☆

☆☆☆

زندگی

جوانی نے زندگی سے کہا۔

”تم میرے بن کچھ بھی نہیں۔“

حسن نے کہا۔

”تم میرے بن بے رونق ہو۔“

روشنی نے کہا۔

”تم میرے بغیر اندھیری ہو۔“

علم نے کہا۔

”تم میرے بغیر بے توقیر ہو۔“

مقصد نے کہا۔

”تم میرے سوا ادھوری ہو۔“

زندگی نے سکرا کے کہا۔

”میں ہوں تو تم سب بھی ہو ورنہ نہیں۔“

☆☆☆

سزا

اسلام نے لڑکی کی شادی کے لئے اس کی رائے لینے کا حکم دیا ہے۔

(سب رشتے دار، باپ بھائی اور دوسرے کورٹ کے احاطے میں جمع ہوتے ہیں۔)

اسلام نے عورت پر بدکاری کا الزام لگانے پر چار گواہوں کو لانے کا حکم دیا ہے کہ وہ گواہی دیں کہ ایسا ہوا۔

(سب نے ”بدکاری“ کا الزام لگاتے ہوئے ہاتھوں میں اینٹیں اور پتھر اٹھائے ہوئے ہیں۔)

اسلام نے عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کی حیثیت سے بہت احترام دیا ہے۔

☆

(جیسے ہی وہ عورت پیشی بھٹکا کر کورٹ کے احاطے میں آتی ہے، جس کا جرم اپنی مرضی سے

ماہنامہ حنا (228) اگست 2014

تضاد

سیت پر لڑکیوں کے لئے لڑکوں کی طرف سے دوستی کے لئے Request کی بھرمار۔
موبائل فون پر لڑکی کی آواز سن کر سارا سارا دن لڑکوں کی طرف سے کالز، مسٹ کالز کا ایک سلسلہ۔
گھر لڑکی کے لئے رشتہ و حوٹل نے لکھو تو دور دور تک کوئی لڑکا دکھائی نہیں دیتا۔

☆☆☆

وارث

بھائی پیار بڑھی ماں کو یہ کہہ کر اس کے گھر چھوڑ گئے۔
”گھر پر ان کی بھیج دیکھ بھال نہیں ہو پارہی کہ ہماری بھوپاں یا تو نوکری کی وجہ سے مصروف ہیں یا پھر نوسٹل لائک میں۔“

جب شادی شدہ ہونے کے باوجود اس اکلوتی بیٹی نے اپنی پیار بزدگ ماں کو گھر میں رکھا اور نوکری کے ساتھ اس کی دل و جان سے خدمت کی یہاں تک کہ اس کے شوہر نے بھی اسے اپنی ماں کا درجہ دیا کیونکہ وہ چھوٹی عمر میں ہی ماں کے سائے سے محروم ہو گیا تھا، وہی اسی کے ساتھ ماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتا اور دوسری زمینداریاں بھاتا تو اس کی آنکھوں میں ہنسنے کی گزاردی کے طور پر آنسو آ جاتے۔

جب ماں کی وفات ہوئی تو رسم کے مطابق کفن و دفن کی رسومات کے لئے ماں کا جنازہ بیٹوں کے گھر سے اٹھا جہاں وہ تو دنیا و مافیہا سے میرا ہو کر ماں کے کفن و دفن کی رسومات کی ادا نیگی

میں اور تعزیت کرنے والوں کے درمیان گھری رہی جب کہ بہوئیں ماں کا زیور اور قیمتی اشیاء کو قبضے میں لینے اور غائب کرنے میں مصروف رہیں۔

جب باپ کی وفات ہوئی تو کفن و دفن کی رسومات کے فوراً بعد بیٹوں نے جائیداد کے بنوارے کے لئے میٹنگیں بلائیں جہاں سارا دن ان میں بحث و تکرار چاہری رہتی اور پوتوں نے دادا کے سوٹ، جوتوں اور گھڑیوں وغیرہ پر قبضہ کر لیا جب کہ وہ سارا سارا دن باپ کی کتابوں اور تحریروں کو سنہال سنہال کر رکھتی رہی کیونکہ وہ بہت بڑے عالم اور ادیب تھے۔

بیٹوں نے اپنے اپنے حصے کا ”ورثہ“ جائیداد اور زمینوں میں سے لیا جبکہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ بڑی بڑی لائبریریوں میں باپ کی چھوڑی ہوئی کتابیں، فلمی نسخے اور..... اور تحریریں ایک کارٹر باپ کے نام سے بنوانے کے لئے پھرتی رہی اور بالآخر یہ کام کر کے ہی دم لیا۔

جب اس کے والد کے نام کا کارٹر ایک بہت بڑی ناہور لاہوری میں بن گیا تو اس رات اس نے بہت سکون کی نیند کی کہ اسے لگا کہ اس نے اپنے والد کا قرضہ چکا دیا تھا۔

یہ ایک حقیقی اور معاشرے میں ہر سو پھیلی ہوئی کہانی ہے پھر بھی ہمارے یہاں ماں باپ بیٹیوں کی پیدائش پر تو اداس ہو جاتے ہیں اور بیٹوں کی تمنا کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ”وارث“ تو بیٹے ہی ہوتے ہیں۔

درست..... مگر کس چیز کے وارث؟ دریا سوچئے۔

میا

مصنف: حامد سراج

تبصرہ: تبیس کرن

ہے اور وہ چپکے سے کہتا ہے کسی کو خبر نہ کرنا، کس بات کی؟ یہی کہ مجھے لکھنا نہیں آتا، یہی عجز اس کی شخصیت کا حسن ہے، بار بار مجھے محسوس ہوا ہے کہ اس کے قلم کا لہجہ اور اس کی آواز کی ٹھنک میں بے تحاشا مشابہت ہے۔

اور یہی عجز انکساری ماں کی محبت و عشق میں ادبی تحریر ”میا“ کے حسن کا راز بھی ہے، یہی عجز و انکساری اور درویشی آپ کو حامد سراج کے مزاج میں ملے گی جسے اپنے کام سے حرف کی تو قیر سے لفظ کی حرمت سے عشق ہے اک ایسا ادیب جو حرف کی حرمت سے یہ مراد لیتا ہے کہ وہ درویش بن جائے ان رویوں اور کیفیات کے ساتھ جب وہ تحریر کرتا ہے تو اس کی تحریر میں ادبی چاشنی سوز و گداز اور لطافت کا حسن موجود ہوتا ہے اور دلی کیفیت کو پورے طور پر زبان دینے کی قدرت۔

ماں اک ایسی ہستی ہے کہ انسانیت اس کے سامنے سرنگوں، اس ہستی کو مختلف اشکال میں خروج تحسین پیش کیا جاتا رہا، بہت سے ادیبوں نے ماں کو نذرانہ عقیدت پیش کیا، ”میا“ کو بجا طور پر کسی بھی ادبی کاوش کے ساتھ تامل میں رکھا جا سکتا ہے۔

قدرت اللہ شہاب نے بھی ”ماں“ لکھ کر اک لازوال تحریر رقم کی، اسی طرح حنیف رائے بھی ماں کی عظمت کے آگے سرنگوں ہوئے۔

مگر اس کے برعکس محمد حامد سراج کی ”میا“ کو دیکھیں، وہ کہیں یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ یا ان کی ماں دنیا کی کوئی انوکھی ہستی

(اگست 2014)

کتاب نگار

حامد سراج افسانے کی دنیا کا اک قد آور اور معتبر نام اور جس نے دنیائے ادب میں ”وقت کی فصیل“ برائے فروخت، چوب در اور آشوب گاہ، جیسی تصانیف کا اضافہ کیا اور ان تمام کتابوں کو نکال کر کے ایک ادارے نے ”مجموعہ حامد سراج“ میں منتقل کر دیا، مگر حامد سراج کی تمام تخلیقات ایک طرف اور ”میا“ کا پلڑا بھاری ہو جاتا ہے، ”میا“ لکھ کر محمد حامد سراج نہ صرف یہ کہ اک ادبی شہ پارہ لکھنے میں کامیاب ہوئے بلکہ یہ وہ آنسو ہیں، وہ ہڈ بٹتی ہے جو ہر خاص و عام کو اپنی محسوس ہوتی ہے جو ہر آنکھ روتی ہے، اک ایسا ادبی شہ پارہ جو خاص ہو کر بھی عوام کی دھڑکن بنے یقیناً اک مقدس صحیفہ بن جاتا ہے اور ماں ”میا“ تم اک آسمانی صحیفہ ہی تو ہو جب تک زمیں پر رہتی ہو اور تب بھی جب تم تہہ خاک ہو کر سو جاتی ہو تمہیں تمہارے وجود کے ٹکڑے درد زبان رکھتے ہیں اور اسی درد کی شکل میں ”میا“ تخلیق ہوتی ہے۔

”میا“ پر سائرہ نظام نیا اگر یہ کہتی ہیں تو بجا کہتی ہیں۔

”ماں کی محبت کے رومان نے ”میا“ کو کس درجہ تقدیس دی ہے کہ حامد کی ماں صرف اگلو تے بیٹے کی ماں نہیں رہی بلکہ اک جہاں کی ماں بن گئی ہے۔“

محمد حامد سراج کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتی ہیں۔

”ایسی زندگی جو خود اسے بھی حیران کرتی

ماہنامہ حنا

تھیں مگر اس مکالمے میں ماں کی محبت عظمت اور کردار خود بخود واضح ہوتا چلا جاتا ہے، یہ تو دراصل اپنے دل کے زخموں کی روداد ہے، یہ تو اک خود کلامی ہے مکالمہ ہے خود سے اک جذب کے ساتھ اک بے دھیانی میں، بکراہ ہے جو شر کو نظم کرتی ہے۔

ماں اتنا تو یاد نہ آیا کرو۔

میرا وجود کلڑوں میں بٹ جاتا ہے۔
مجھے اپنے کلڑے خود ہی چننے اور جوڑنے ہوتے ہیں۔

کوئی ٹکڑا اپنی جگہ نہ بیٹھے تو اندر کوئی روتا ہے، باہر کوئی ہنستا ہے، ان اندر باہر کے موسموں نے مجھے کھوکھلا کر دیا ہے۔

کیا یہ سطور نثری نظم نہیں محسوس ہوتیں، کیا حامد سراج نے ماں سے محبت و جدائی کی پوری کہانی ان سطور میں نہیں بیان کر دی؟
ڈاکٹر خورشید شاہ کا سم "میا" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"میا خود کلامی اور مکالماتی تکنیک میں لکھا گیا خاکہ ہے، تکتیب کی تکنیک تحریر میں دل آویزی تخلیق کرتی ہے، تکتیب کا عمل رشتوں اور رابطوں کا عمل ہے جس میں ذہن ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف یا دوسری سے تیسری چیز کی طرف متغلب ہوتا چلا جاتا ہے، خاکہ نگار نے اس خاکے میں تکتیب کی تکنیک سے بھی استفادہ کیا ہے۔"

اسی طرح منظر حسین "میا" پر یوں رقم طراز ہیں۔

"میا" کو اگر فطری و فنی میزان پر پرکھا جائے تو یہ کثیر الجہات ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر محبت، فلسفہ محبت اور تصوف کا اک معنی

خیر جہان آباد کیے ہوئے ہے اور جس کا ہر پہلو دوسرے سے نزدوں تر ہے اسے آپ خاکہ ناولٹ انسانہ داستان، آپ بیتی، ہنر محبوبیہ، سونٹاڑ، بری لوڈ، پارہی، غرضیکہ کچھ بھی کہہ لیں آپ کے فہم کو خوش آمدید کہے گی۔"

"میا" کا مطالعہ جس نے کیا اشک بار آنکھوں سے کیا اور جب میری نظروں سے حامد سراج صاحب کا یہ فن پارہ گزرا تو وہ سب مجھ پر آنسو بس دل پر گرتے رہے کہ ماں کی جدائی اور بیماری میں یہ آنکھیں اشک بہا بہا کر خالی ہو گئیں تھیں جیسے، اس کتاب کا حسن کہ ہر نظر ہر دل کو اپنا آپ آئینہ ہوتا نظر آئے گا اپنی ماں اپنا دروازہ جدائی اور اشکوں کی برسات۔

"میا" حامد سراج کی وہ آپ بیتی ہے جو ماں کی بیماری اور ابدی جدائی میں رگ جاں پر بیت گئی، دیکھتے کچھ مثالیں۔

"ماں میری آنکھوں میں تمہاری آنکھیں آج بھی زندہ ہیں، تمہاری آنکھوں میں وہ کسی زردی تھی، اب تو سارے موسم زرد اور اداس ہیں۔"

اور ماں کی ابدی جدائی کی آہٹ محسوس کر کے دل کو کیسے دوسے گھیرتے ہیں۔

"کیا آنے والی سردیاں ماں کے بغیر گزارنا ہوں گی؟ ماں نہیں ہوگی تو کیا یہ جرسیاں مجھے سرد موسموں کے عذاب سے بچائیں گی؟ کیا جرسیاں کی گود کا بدل ہو سکتی ہے؟"

ماں کو جگر کے Triple by pass operation کے بعد دیکھا سارا بدن مختلف پلاسٹک کی ٹالیوں سے پرویا ہوا تھا، اک بیٹے کے دل پر قیامت بیت گئی۔

"میری ناک میں لگی پلاسٹک کی ٹالی سے رطوبت رستی تھی، یہ سرجن نے کیا کر دیا، میرے

ماہنامہ حنا (231) اگست 2014

بدن کو کیوں۔۔۔؟

ہیں، ماں پاکستان ایٹمی قوت بن گیا ہے کیا پاکستان نے بھی ایٹمی دھماکے کر دیے، ماں ویسے ہی نہیں کر دیے ہندوستان کے پوکھران کے دھماکوں کے جواب میں کیے ہیں، اچھا، ماں نے صرف اتنا کہا اور خلاؤں میں کھو گئی، چند ہی گھنٹے گزرے ہوں گے کہ مجھے بلایا اور کہا بیٹا نواز شریف کو فون کرو اور کہو کہ اگر جنگ ہو تو ہندوستان پر ایٹم بم بالکل نہ پھینکے، ماں فکر نہ کرو ہماری قیادت اتنی ناقص اندیش نہیں ہے پھر بھی بیٹا آنے والے وقت کے بارے کیا کہا جا سکتا ہے امریکہ نے بھی تو ہیر و شیما اور ٹامکا سا کی پر ایٹم ٹھیک دیا تھا اسے کوئی روک سکا ہے، ماں وہ امریکہ ہے، زیادہ باتیں نہ بناؤ اور نواز شریف کو فون کرو، رات میں ماں نے مجھے بھر بلا کر پوچھا نواز شریف کو فون کر دیا ہے؟

کیا ان مندرجہ بالا سطور کو پڑھ کر احساس نہیں ہوتا کہ ”میا“ کسی آفاقی کردار میں ڈھل گئی ہے وہ ہمتا کی علامت بن کر ابھری ہے، جس کے دل میں سرحد پار بھی اپنے بچوں کا درد مقیم ہے؟ بلاشبہ ”میا“ اردو ادب میں اک درخشندہ و تابندہ ستارہ ہے۔

☆☆☆

ان مندرجہ بالا مثالوں کو ملاحظہ کیا، کیا ان سطور میں ماں کا اک حد سے زیادہ حساس بیٹا، بیٹیوں جیسا نگہ اور پیہ اور حساس بیٹے کا کردار نکھر کر سامنے نہیں آتا، بیٹے جو ماؤں سے پیار تو بہت کرتے ہیں مگر اکثر اپنے اکثر بن میں چھپائے پھرتے ہیں اور عموماً جنت کے کم شدہ ہونے کے بعد ہی احساس کی حدت کو چھوتے ہیں مگر حامد سراج کے یہ دوسرے یہ خدشے یہ احساس کی شدت کیا نسائی احساس سے نہیں لاتی؟ ہم بچا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ مہا خوش نصیب ماں تھیں جو حامد سراج جیسے بیٹے کی ماں تھیں۔

تشبیہات استعاروں سے بھی دل پذیر تحریر اشک اشک پر وہی تحریر اپنی ماں کو ڈھونڈتی ہوئی۔

”ماں اب زندگی کے کنویں میں جھانکتے ہوئے خوف آتا ہے، ٹانگی رہی نہ داوی اماں، پیتل کی گاگر کھو گئی، دقت کا پانی جانے کہاں پہنچ گیا، پائین کے درختوں کے اس پار جو ہسپتال کی عمرت ہے، اس میں میری ماں میری مٹھل ہے، اس کا ایک ہی بیٹا ہے۔“

حامد سراج جو کہ گمشدہ ٹانگی اور پیتل کی گاگر کے کھو جانے پر افسردہ ہے ایسے حساس دل پر ماں کی جدائی نے جو قیامت ڈھائی اس قیامت بھرے درد کے بعد ہی ”میا“ تخلیق ہو سکتی تھی، ہر تخلیق درد تو مانگتی ہے۔

”میا“ کی حساسیت ہی حامد سراج جیسا بیٹا جنم دے سکتی تھی، دیکھتے ماں احساس کی کس شدت پر تھیں۔

”ماں نے مجھے بلایا اور پوچھا، یہ بچے شور کیوں کر رہے ہیں اور خوشی کس بات کی منار ہے

ماہنامہ حنا (232) اگست 2014

بنا روتی سے ختم ہو جاتی ہے، مجھے میکے میں ہمیشہ عید کے دوسرے روز کا انتظار رہتا تھا، لگ جاتے ہیں بشرطیکہ ٹرین لیٹ نہ ہو، مگر میں ہمیشہ پانچ روڈ سفر کرتی ہوں۔ عید پر گھر کی سوشل ترمین و آرائش نہیں کی جاتی کیونکہ ہم دو سال پہلے نئے گھر میں شفٹ ہوئے ہیں، عید کی سوشل ڈش ہمارے ہاں دال چاول (ٹاشٹے) میں تیار کی جاتی ہے، دوپہر میں دوست اور ڈنر میں چاول گوشت۔

قارئین یہ رہی میری عید کا خصوصی اہتمام، اس میں کچھ بھی خاص نہیں ہے، مگر میری ہر عید یونہی سادگی دہلی خوشی گزرتی ہے، میری طرف سے سب کو دوبارہ عید مبارک۔

حمیرا خان.....شاہ کوٹ

میں ہمیشہ اس موضوع پر لکھنے سے کھرتائی رہی ہوں کیونکہ میرے پاس چٹ پٹے کھانوں کی تراکیب کی بجائے محبت بھرے جذبات سے لبریز کچھ یادگار لمحے ہیں سوچتی تھی یہ لکھنا ٹھیک رہے گا کیا؟ مگر جب فوریہ آپنی کا بیج آیا تو میں منع نہیں کر سکی کچھ لوگ اتنے پیارے اور اتنے اپنے لگتے ہیں کہ ہم انہیں کسی بھی بات کے لئے منع نہیں کر پاتے سو آج میں یہ باتیں آپ سب دوستوں کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں، جب بھی میں لفظ "عید" سنتی ہوں میرے تصور کے پردے پر کچھ اصول لمحے مناظر کی صورت جھلکنا بنے لگتے ہیں جن میں سب سے پہلے منظر میں ایک چھوٹی بچی ہوتی ہے

نئے کپڑوں میں بھی سجائی گز یا بنی بخار کی حدت سے تھمتاتا چہرہ لئے وہ اپنے پیارے بھائی کے کاندھے پر سر رکھے اس کے بازوؤں میں کھٹی آنکھوں میں اشتیاق لئے بازوؤں کی رونقیں دیکھتی ہے اور سوچ رہی ہوتی ہے کہ اگلے سال عید پر وہ بیمار نہیں ہوگی اور بھائی کو نہیں تھکائے گی بلکہ خود سے ہر جگہ گھومے گی، وہ چھوٹی لڑکی حمیرا خان ہے اور اسے گود میں اٹھائے اس سے عمر میں ٹھوڑا ہی بڑا اس کا بھائی عامر خان ہے، میرے بچپن کی عیدوں میں دو عیدیں جب پہلے پہل روزے رکھنے شروع کیے (جبکہ روزہ فرض ہونے کی عمر ابھی دور تھی) روزے تو دو چار ہی رکھے جاتے تھے لیکن باقی کارمضان اور عید کا دن بخار کی نظر ہو جاتا اور ان عیدوں میں عامر بنا میرے کہے مجھے اٹھائے سارا بازو اٹھالانا شاید اسے میرے چہرے پر چھائی اداسی اچھی نہیں لگتی تھی جو دوسرے بچوں کو باہر آتے جاتے دیکھ کر خود بخود میرے چہرے پر آٹھہرتی تھی، جانے اتنی چھوٹی عمر میں وہ چہرے کیسے بڑھ لیتا تھا، شاید اسے یہ بات یاد بھی نہ ہو مگر ان عیدوں کو یاد کر کے آج بھی عامر کے لئے میرا دل محبت اور شکر گزاری کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔

ارے یاد میں نے تو آپ لوگوں کو بھی جذباتی کر دیا چلیں کچھ لور باتیں کرتے ہیں تو جناب بات ہو رہی ہے عید کی تیاریوں کی تو سب سے پہلے یہ بتا دوں کہ میں شاپنگ کرنے کے معاملے میں اول درجے کی لکھی

ماہنامہ حنا (233) اگست 2014

لڑکی ہوں عام طور پر میری یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی میرے لئے سب کچھ خرید کر لا دے (اور یہ کام میری پیاری بہنیں کرتی ہی رہتی ہیں) لیکن ایسا بھی نہیں کہ مجھے شاپنگ کا شوق نہیں لڑکی ہونے کے ناطے یہ جراثیم مجھ میں بھی یقیناً پائے جاتے ہیں، اصل میں بات بس یہ ہے کہ میں حد سے زیادہ موڈی ہوں شاپنگ کا موڈ بن جائے تو بلا ضرورت بھی کر لیتی ہوں سوڈ نہ ہو تو بہنوں پر یہ ذمہ داری ڈال دیتی ہوں (سب سے چھوٹی بہن ہونے کا کچھ تو فائدہ اٹھانا چاہیے نا کیا خیال ہے؟) ہاں البتہ چوڑیاں، نکل پالش، لپ اسٹک اور شووز میں اپنی پسند سے خریدتی ہوں آپ کہہ سکتے ہیں کہ مجھے ان چیزوں کی شاپنگ کرنا زیادہ پسند ہے۔

بہت سے لوگوں کو کہتے سنا تھا عید تو بچوں کی ہوتی ہے اگرچہ میں اب بھی اس بات سے پوری طرح شوق نہیں ہوں کیونکہ میں بچتی ہوں یہ ہر انسان پر منحصر ہے کہ وہ جاتے لکھتے سے اپنے لئے کتنی خوشیاں چراتا ہے عمر کی اس میں خاص اہمیت نہیں مگر پھر بھی آج میں محسوس کر رہی ہوں کہ وہ صبح صبح آنکھیں ملے ہوئے مہندی لگے ہاتھوں کو اشتیاق سے دیکھنا ایک دوسرے سے مقابلہ کرنا، عید کی صبح تیار ہونے کے لئے ایک دوسرے پر سہقت لے جانے کی کوشش کرنا، تیار ہو کر خود کو بہت خاص محسوس کرتے ہوئے رشتے داروں اور دوستوں کے گھر سویاں پہنچانا اور عیدی لے کر بازار جانا جھولے لینا وہ سب اب نہیں لوٹ کر آتا اور ایسے ہر موقع پر ناصر (بڑے بھائی) کا ہر لمحے کو کمرے میں قید کر لینا وہ سب اب

پرانی باتیں بن گئی ہیں کہ پرندے بڑے ہو کر الگ الگ سمتوں میں اڑان بھر چکے ہیں اب سب کا اکٹھے ہونا ممکن نہیں ہو پاتا۔
یہ گئے دنوں کا ذکر مگر
یہ گئے دنوں کی بات ہے
میرے بہن بھائیوں کے بٹا
میری عید بھی اب اداس ہے
ہاں اس بار عید پر چھوٹی باجی اپنے بچوں (جن کو میں پیار سے جن بھوت کہتی ہوں) سمیت ہمارے ساتھ ہوں گی تو عید کا مینو بھی ان کے ساتھ مل کر ہی طے کیا جائے گا البتہ ایک آسان مگر مزیدار چیز کی ترکیب تانا چاہوں گی۔

پوٹو بالز
چھوٹے ساڑھے کے آلے کر نہیں اچھی طرح ابال لیں، تھوڑا سا مین لیں اور اس میں ٹمک سرچ، سوکھی میتھی (پاؤڈر) حسب ذائقہ ڈال لیں اب ابلے ہوئے آلو اس آمیزے میں ڈبو کر کچھ دیر کے لئے رکھ دیں اور پھر لڑائی بین میں تھوڑا تھیل لیں اور انہیں لڑائی کر لیں لیجئے جناب مزیدار پوٹو بالز تیار ہیں اسے دہی پودینے یا انار دانے کی چٹنی کے ساتھ نوش کر مائیے اور خوش ہو جائیے۔

اس سہارے کے ذریعے میں ان سب دوستوں کا شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جو میری تحریر پڑھتے ہیں اور پھر ان پر اپنا رائے دے کر میرے الفاظ کو اور خاص بنا دیتی ہیں اور مجھے لکھنے پر اکساتی ہیں آپ سب کی حوصلہ افزائی کا شکریہ اور سب کو بہت بہت عید مبارک اپنا بہت خیال رکھیے اور مجھے دعاؤں میں ہمیشہ یاد رکھئے گا شکریہ۔ ☆ ☆ ☆

حاصل مطالعہ

تصریح مسموہ

القرآن

ۛ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو ممکن نہ سکو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو اللہ سب سے واقف ہے۔ (نمل- ۱۸، ۱۹)

ۛ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے کچھ شک نہیں کہ ایمان والوں کے لئے اس میں نشانی ہے۔ (عنکبوت- ۳۳)

ۛ اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو، اس کے بعد ساتھ سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (لقمان- ۲۷)

رضوانہ عمران، فیصل آباد

استغفار

حضرت ابو سعید رضوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ۔

”جب شیطان مردود ہو گیا تو اس نے کہا کہ اے رب تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو ہمیشہ بہکا تا رہوں گا، جب تک ان کی روحیں ان کے جسموں میں رہیں گی۔“

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا! کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و جلال کی اور اپنے اعلیٰ مقام کی جب تک وہ مجھ سے استغفار کرتے رہیں

گے، میں ان کو بخشا رہوں گا۔

روینہ خان، ساہیوال

روزی دینے والا

حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب نماز پڑھتے تو خوف خدا اور تعلیم شریعت کے سبب آپ کے سنے کی ہڈیوں سے اس قدر چڑھاہٹ کی آواز نکلتی کہ لوگ اس آواز کو بخوبی سن لیتے، ایک دن حضرت ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے، جب نماز سے فارغ ہوئے تو امام نے حضرت سے پوچھا۔

”اے شیخ! آپ کوئی کام نہیں کرتے نہ کسی سے سوال کرتے ہیں آپ کھاتے کہاں سے ہیں؟“

حضرت نے فرمایا۔

”مختبر و میں نماز کا اعادہ کر لوں کیونکہ جو شخص روزی دینے والے کو نہیں جانتا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔“

انجم شاہ، سکھر

امول باتیں

ۛ راستوں کی ویرانی اور جلتی دھوپ سے ڈرنے والے منزل تک نہیں پہنچ سکتے۔

ۛ جہاں سے گزر دو پھول برساتے جاؤ تاکہ تمہیں اپنی واپسی پر بڑا سا ہار دکھائی دے۔

ۛ اپنی چکی بازی جیتنے کے نشے میں دھری بازی ہارنا بڑی ہے

ۛ زندگی ایک ٹکھن سفر ہے جس کی منزل موت

ماہنامہ حنا (235) اگست 2014

☆ عورت شادی صرف بیوی بننے کے لئے نہیں
بلکہ ماں بننے کے لئے بھی کرتی ہے۔ ماں
بننا عورت کی فطرت اور شادی کر کے بیوی
بننا اس کا تقدض ہے۔

شامینہ یوسف، عمر کوٹ
نماز کی قدر

حضرت حسنؑ نے فرمایا کہ نماز کی تین
خصوصی عزتیں ہیں۔

پہلی یہ کہ جب وہ نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے
تو اس کے سر پر آسمان تک رحمت الہی گرا
پڑتی ہے اور اس کے اوپر انوار
بارش کی طرح برستے ہیں۔

دوسری یہ کہ فرشتے اس کی چاروں طرف جمع
ہو جاتے ہیں اور اس کو اپنے خیر سے
لے لیتے ہیں۔

تیسری یہ کہ ایک فرشتہ پکارتا ہے کہ اے
نمازی اگر تو دین کے لئے تیرے سامنے کون
ہے اور تو کس سے بات کر رہا ہے تو خدا کی
قسم تو قیامت تک اسلام نہ چھوڑے گا۔
تازہ یہ عمر، پشاور

انکسار طبعی

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے عادت
نحت کو نہ تھے اور نہ یہ مختلف نحت تھے
اور نہ بازاروں میں خلاف و قور باتیں کرنے
والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے
تھے۔ بلکہ عاف فرمادیتے تھے۔ غایت حیا
تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کسی
شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی
ذمت سب بات کا اگر کسی ضرورت مند سے
اگر کرتا ہی پڑتا تو اشارہ فرماتے تھے۔

ابو رضوان، فیصل آباد

جذبہ سخی

کہتے ہیں کہ جب نمرود نے حضرت ابراہیم کو زندہ
جالتے کے لئے ایک خونخوار آگ کا اندازہ
کیا تو چٹھ ٹنک نے دیکھا کہ ایک ننھا ابا نعل
ہونٹوں میں دو قطرے پانی کے رہائے بڑے اظہار
کے عالم میں آگ کی طرف اڑا جا رہا ہے کسی نے
پوچھا۔

”میاں اتنی بے توجہی کے ساتھ کہاں کا
ارودہ ہے؟“

بولے۔ ”نمرود کی آگ بجھانے جا رہی ہوں۔“
”کہا۔“ اے نانا مجھ پرندے کیا پانی کے یہ
چند قطرے جو تیری چونک میں ہیں نمرود کی آگ
سرد کر دیں گے؟“

ننھا ابا نعل بولا۔

”مجھے معلوم ہے کہ میری یہ کفر و ستمی اس
سطح میں کچھ بھی کام نہ دے گی لیکن ایک اور
بات جو مجھے معلوم ہے وہ یہ کہ نمرود کی آگ
بجھانے والوں کی قبرست بنائی جائے گی تو اس
میں میرا نام بھی شامل کیا جائے گا۔“

مہنا زفا طرہ، خوشاب

غیر مسلم مفکرین کے اقوال

ہذا تمام انسانی عادات کا آغاز نہایت ہی حقیر
ابتداء سے ہوتا ہے اور ایک غیر محسوس رفتار
کے ساتھ یہ نقش رفتہ رفتہ گہرا پڑ جاتا ہے۔
چشمہ سے پہلے نہایت ہی ہار یک سی احار
نمودار ہوتی ہے جتنے جتنے آگے نکل کر یہ
چشمہ مالہ بن جاتا ہے اور آگے بڑھ کر مالہ
ستہ دریا بن جاتا ہے۔ پھر یہ عظیم الشان دریا
بہ کر سمندر میں جا ملتا ہے۔ (پارینچی)

دنیا میں کوئی اچھا یا برا کام ایسا نہیں ہے جو
انگریز لوگ نہ کرتے ہو لیکن آپ انہیں بھی
نظمیں پڑھنے پائیں گے۔ وہ ہر کام کی اصول
کی بنا پر کرتے ہیں تو کارہ ہاری اصولوں کی

ماہنامہ حنا (236) اگست 2014

بنا پر کسی کو غلام بناتے ہیں تو سلطنت کے
اصولوں پر۔ (برنارڈ شاہ)

☆ آپ بعض لوگوں کو ہمیشہ بیوقوف بنا سکتے ہیں
یا تمام لوگوں کو کچھ عرصے کے لئے لیکن ایسا
نہیں ہو سکتا کہ آپ تمام لوگوں کو ہمیشہ
بیوقوف بنائے رکھیں۔ (نیکسن)

نبیلہ نعمان، جھیرگ لاہور
اچھے لوگ کہاں کھو گئے

کہیں پڑ جاتا تھا کہ وقت نہیں بدلتا ہم بدل
جاتے ہیں۔ واقعی یہ آنا جانا، چھڑنا، مانا لگا رہتا
ہے۔ ہر روز کام ویسے ہی ہوتے ہیں سورج ویسے
ہی اٹھتا ہے جیسے روز اٹھتا ہے لیکن بعض اوقات
سب کچھ وہی ہوتے ہوئے بھی سب کچھ بدلا ہوا
لگتا ہے اس لئے کہ جیسے باہر ایک دنیا ہے
تو اندر بھی تو ایک دنیا ہے۔ باہر کی دنیا تو
ہمیشہ سے ایک جیسی ہے ایسے ہی رہے گی لیکن
اندر کی دنیا خوشی، غم، ملن اور جدائی سے بدلتی رہتی
ہے۔ ہمگی نام کسی سے ملتا ہے کسی کو پا کر بہت
خوش ہوتے ہیں لیکن پھر پتہ چلتا ہے کہ ملن کا یہ
عرصہ تو بہت کم ہے۔ ہمیشہ جدا ہونا ہے بھی نہ ملنے
کے لئے تب دل پر کیا بنتی ہے، وہی جان سکنا
ہے جو اس کرب سے گزر رہا ہو نام لگا اس سے پہلے
نہ ہونا چاہیں لیکن وقت اور حالات ہمیں اس سے
دور لے جاتے ہیں اور یہی دوری ماضی بن جاتی
ہے اور یاد آنے پر دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔
کرب باقی بل برداشت ہو جاتا ہے اور یہ سوال
دل میں اٹھتا ہے کہ ہم اچھے لوگوں سے دور کیوں
ہو جاتے ہیں کیوں اچھے لوگ پہلے ملتے نہیں اور
ملتے ہیں تو ایک جھٹک رہا کرتا تب ہو جاتا ہے
اور ہمارے دامن میں صرف اپنی یادیں چھوڑ
جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کب تک ہوگا؟
کیا ہمیشہ؟ شاید ہاں اور شاید کوئی بھی نہیں
جانتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے اور کب تک ہوتا رہے

گا.....!!!

مراسلہ قریح راؤ، کیسٹ لاہور

ماں

- ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
- ماں کی نافرمانی کبیرہ جتنا ہے۔
- ماں کی نافرمانی کرنے والا جنت میں داخل
نہ ہوگا۔
- ماں کی اصل خوبصورتی اس کی محبت ہے۔
- ماں دنیا کی خوبصورت ماں ہے۔
- ماں کے بغیر گھر ایک قبرستان ہے۔
- ماں کی آغوش انسان کی پہلی درس گاہ ہے۔
- ماں کی زندگی تاریک راہوں میں روشنی کا
چینار ہے۔
- ماں سے بڑھ کر کوئی بڑا استاد نہیں۔
- ماں کی دعا کا سیلابی کاراڑ ہے۔
- ماں دنیا کی عزیز ترین ہستی ہے
- ماں کی محبت پھول کی طرح تر و تازہ اور
لطیف ہے۔
- ماں کی دعا عرش پر جاتی ہے۔

کوکب رفیق، لاہور

چمکتے موتی

- ☆ جس طرح چمک کے بغیر موتی کسی کام کا نہیں
- ☆ اسی طرح خوش خلقی کے بغیر آدمی کسی کام کا نہیں۔
- ☆ آمد و رفت زندگی ہے ہر بے بسی نصف موت۔
- ☆ اگر انسان کو اپنی موت کے بارے میں یقین
ہوتا کہ وہ کس وقت متعین ہے تو انسان متعین
کردہ موت سے پہلے ہی مر جاتا۔
- ☆ دشمن اگر دوست چمکی بن جائے تو اس پر
بھروسہ مت کرو کیونکہ پالی کو چاہے کتنی ہی
گرم کیوں نہ کیا جائے وہ آگ بجھانے کے
لئے کافی ہے۔

آمد کاظمی، حافظ آباد

☆☆☆

ماہنامہ حنا (237) اگست 2014

بیاض

تسليم طالع

زرمین اطہر ----- راہ پند کی
شام ہوتے ہی پندے تک چٹ آتے ہیں
تیرا رشتہ ہو گیا سندان پڑا رہتا خب

اب اس قدر بھی تکلف نہ روا رکھا کر
ہم سے منہ کیے تو پہلی سی ادا رکھا کر
نونا چھوٹے لے نہ کہیں آنکھ کے اشکوں کے حروف
تم کی تحریر کو دل میں ہی چھپا رکھا کر

میں اس کی ذات میں کھوئی ہوئی ہوں
زمانے میں وہ مجھ کو ڈھونڈتا ہے
مجھے معلوم ہے وہ میں ہی ہوں امیر
اکیلے میں وہ جس سے بولتا ہے

حنا حشام ----- لاہور
کر گئیں برہادر جو اپنی جوانی زینیاں
بالا کیا کہیں تجھ سے وہ زینیاں
دلیر سے باہر قدم رکھتے رہتے سب سوچ لو
ہن بھی جانی ہیں بھی بھی کہانی زینیاں

لب خاموشی سے اٹھار تمنا چاہیں
بات کرنے کو بھی تصور کا جہر چاہیں
تو بچے ساتھ تو آہٹ بھی نہ ہونے پائے
درمیاں ہم بھی نہ ہوں یوں بچے تنہا چاہیں

معدیہ عمر ----- لاہور
رزق کی خاطر زمیں کھودی غر چھر ملے
اور ادھر پھر میں کیڑے کو غذا ملتی رہی

عرش سے جج کی ہدایت بارہا ملتی رہی
ہم جو جج ہوئے تو کیوں اس کی سزا ملتی رہی

جس دل میں غم نہیں ہوتا
روز اس کی عید ہوتی ہے

حوالت کی ہر غلطی نہیں کر سہ جانیں گے
بھی تم جو سے ہم سے ہم عید منائیں گے

آج عید کل عید صبح عید شام عید
خدا کرے تیرے لئے ہم لمبے کا ہو نام عید
راہ پند کی -----

وکی آہٹ نہ صدا ہے مجھ میں
کون خاموش ہوا ہے مجھ میں
اے جہاں دیکھ رہا ہے مجھ کو
کون آئینہ بتا ہے مجھ میں

آپ بول کی کتاب کیا چاہیں
کسے زمین میں باپ کیا چاہیں
تیری بیٹی کی نظر کی بستی کو
سارے اہل شراب کیا چاہیں

ڈاکٹر واجد گیلانی ----- لاہور
ہم خاک آئینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
دل شکست نے دم مرگ یہ ہمیت کی گئی
ابہ رضوان ----- فیصل آباد

تم اس عید پر بھی نہ آؤ گے تو کیا ہو گا
تم پھر دل دکھاؤ گے تو کیا ہو گا
پتھر کرنے کو ہم کب کہتے ہیں
تم جوں جوں گے تو کیا ہو گا

خدا کرے یہ عید تم کو اس آئے
تو جس سے مانا چاہے وہ خود تمہارے پاس آئے

ماہنامہ حنا (اگست 2014)

کھر رہی ہو تری یادوں کی خوشبو جسے
جس نے بھی کہا عید مبارک مجھ کو
ہر چہرہ ہر بار مجھے لگا تو ہو جیسے

.....
چاریکیاں قبول ہیں لیکن کبھی کبھی
آنکھوں میں میرے چاند بھی اتر کرے کوئی
مازیہ خان

آج تک ہے دل کو اس کے لوٹ آنے کی امید
آج تک ہے ٹھہری ہوئی زندگی اپنی جگہ
لاکھ چاہا ہم نے کہ تجھے بھول جائیں مگر
حوصلے اپنی جگہ ہیں بے بسی اپنی جگہ

.....
لوٹ جائیں گی دل کی رگیں کسی دن دیکھنا
ہر گھڑی ظالم لٹا کے فیصلے نہ مانا کر

.....
ہماری سوچ کی پرواز کو روکے کوئی نہیں
سے افلاک کی سوچ پر پہرے بٹھا کر ہاتھ نہیں مٹا
ہر اچھا ہے کہ آپس کے بھرم نہ ٹوٹنے پائیں
کبھی بھی دوستوں کو آزما کے کو کچھ نہیں مٹا
مازیہ ایاس شاہ

.....
مجھ کو ایک خواب پریشاں سا لگا عید کا چاند
میری نظروں میں ذرا بھی نہ تھا عید کا چاند
آنکھ نم کر گیا پھڑپھڑے ہوئے لوگوں کا خیال
درد دل دے کے ہمیں ڈوب گیا عید کا چاند

.....
جاتا ہے دور دور تک تم کو ڈھونڈنے
اک راستہ ہمارا مسند کے ساتھ ساتھ
گم نام ہو گیا ہے سفر ایک تیرے بنا
جیون لگے ادھارا مسند کے ساتھ ساتھ

.....
کسی کی یاد میں کلکیں ذرا بھگو لیتے
اداس رات کی تنہائیوں میں رو لیتے
دکھوں کا بوجھ اکیلے نہیں سنبھال سکتے
کہیں وہ ملتا تو اس سے لپٹ کے رو لیتے

.....
میرا
تعلق توڑتی ہوں تو کھل توڑ دیتی ہوں
جو مجھ کو چھوڑ دے میں اس کو چھوڑ دیتی ہوں
یقین رکھتی نہیں میں کسی کے تعلق کا
جو دھماکے لوٹنے والا ہو اس کو توڑ دیتی ہوں

.....
وفا کا سندس لے کر تیرے آنکھوں میں
گواہ رفاقتوں کا بن کر ہلال عید

.....
تجھ سے پھڑپھڑے ہوئے برسوں سے
کہنا ہے مجھے آج ہمیں
ماٹھ بھول نہ جانا ہم کو
چاند کو دیکھ کر مگر ہاتھ اکٹھے
لاہ ریضوان

.....
احباب پوچھتے ہیں بڑی سادگی کے ساتھ
اب کے برس میں عید مناؤں تو کس طرح
پھڑپھڑے ہوؤں گی یاد میں آنکھیں اداس ہیں وہ
صبح عید گھر کو بھاؤں تو کس طرح

.....
پونہ ختم ہجر کا باب ہوئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہوئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو تو مجھ سے آٹے
گئے رت جھوں کا حساب ہوئے سال میں
امرت ملک

.....
عید کا چاند تیری دید کی صورت نکلتے
میری آنکھوں میں تیرے نام کے جتنو چمکے
یہ میری عید تیری دید سے فروزاں ہے
میرے انگ انگ میں تیرے پیار کی خوشبو چمکے

.....
روشن روشن دن ہو سارا روشن تر ہو رات
ہر جانب عید کے دن ہو خوشیوں کی برسات
تمام روز پونہ فروزاں رہیں ہر دم
ہر شب ، شب برات ، ہر روز روز عید ہو

ماہنامہ حنا (2:9) اگست 2014

تمہاری آنکھیں ہوں ہمیں اجنبی کہہ جائیں گی
معلّمین شاہ لاہور

ادھیوں کی شام اور یادوں کا یہ سماں
اپنی ہلکوں یہ ہرگز ستارے نہ لائیں گے
رکنا سنبھال کے تم چند خوشیاں میرے لئے
میں لوٹ آؤں گا پھر عیدیں منا میں گے

خوشیاں لے کر آ رہا ہے تہوار
دن بھی آتا نہیں بار بار
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا تمہیں مل جائے پیار

دیکھ ہلال عید تو آیا تیرا خیال
وہ آسمان کا پاند ہے تو میرا چاند ہے
علینہ طارق لاہور
شام تنگ اسی لئے دروازہ کھلا رکھا ہے
شاید وہ کہنے آ جائیں عید مبارک

دل میں پھر اک شور سا ہے برپا
کہ برس بعد دیکھا ہے چاند عید کا
دل میں سے تیری یاد کا نشتر لگا ہوا
پھر کس طرح کریں ہم اہتمام عید کا

ہوں تو عید آتی ہے ہر سال اے دوست
گزرے جو تیرے ساتھ ہو جائے امر عید
مازیہ عمر پشاور
خوش رہو تم عید کے لمحات میں
سارے جہاں کا مل جائے تمہیں پیار
خوشیاں لے کر آ رہا ہے یہ تہوار
یہ دن بھی آتا نہیں ہے بار بار

☆☆☆

زندگی کرنے کا فن خود سیک ہی نہیں
اور سارے الزام خدا پر دھرتا ہوں
غیر اکرام
لوٹ آئی ہے میری شب کی عبادت خال
جانے کس عرش پر رہتا ہے خدا شام کے بعد

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آپل بھی اس مار سے جتنا ہے ٹھن بھی

قسمت میں جو لکھا ہے وہ تو ہو کر رہتا ہے
چند یکسر ہیں ورنہ ہاتھوں میں کیا رک ہے
میر احسن
قرینیں بڑے امتحان لیتی ہیں
تکسی سے واسطہ رکھنا تو دور کا رکھنا
تصقات بھی ایک سے نہیں رہتے
اتے گنوا کے بھی جینے کا حوصلہ رکھنا

مجھے یقین تو نہیں مگر میں سچ ہے
میں تیرے واسطے عمریں گزار سکتی ہوں
یہی نہیں کہ تجھے جینے کی خواہش ہے
میں تیرے واسطے خود کو بھی باہر سکتی ہوں
کوکب ریش لاہور

جب سے تیرے نام کر دی زندگی اچھی لگی
تیرا غم اچھا لگا تیری خوشی اچھی لگی
تیرا ہیکر تیری خوشبو تیرا لہجہ تیری بات
دل کو تیری گفتگو کی سادگی اچھی لگی

کوئی کہہ دے یہ محبت کے خریداروں سے
پور وہ شے نہیں جو ملتی ہے ہزاروں سے
ام فاطمہ لاہور

وقت کی طنائیں ہوں ہاتھ سے چھٹ جائیں گی
سوچا بھی نہ تھا کہ یہ کھڑیاں ہوں چلی آئیں گی
جب ہم تمہاری آنکھوں میں شناسائی کی چاہ لے



بلیقہ سہیلی

وجہ خیریت

دفتر جاتے ہوئے ایک راہ گیر نے دیکھا کہ ایک شخص زمین سے کان لگائے لیٹا ہوا تھا۔ وہ تجسس کے مارے اس شخص کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ وہ شخص بڑبڑایا۔

”ہرے رنگ کی حنڈا کارڈا دیڑھ عمر شخص چلا رہا ہے۔ کراچی کی نمبر پلیٹ ہے اگا نمبر بچکا ہوا ہے۔“

”کمال ہے۔“ راہ گیر خیریت سے بولا۔

”آپ زمین سے کان لگا کر بتا سکتے ہیں کہ ایسی کوئی کار اس جانب آ رہی ہے۔“ وہ شخص کراہ کر بولا۔

”انہیں رہی بے وقوف۔۔۔ میں تو اس کار کے متعلق بتا رہا ہوں جو مجھے پہلتی ہوئی ابھی یہاں سے گزری ہے۔“

فریاد امید چوہدری، گوجرانوالہ

عید مبارک

ہم نے کہا کہ عید مبارک ہو آپ کو کہنے کے کہ خیر مبارک، مگر دور سے عیدی تو کچھ پولیس نے کچھ بھکاریوں نے ہم آسمان سے کرتے تو اگلے سمجھوڑ سے سہاس گل، رحیم یار خان

سچا مہوٹ

مہوٹ سے جی میرا بہلتا ہے جب بھی چاہے میں بول لیتا ہوں آرزو ہو جب مہوٹ سننے کی

باقی سب خیریت ہے ایک آدمی کافی عرصہ باہر گزارنے کے بعد جب گھر واپس آیا تو راستے میں اس کا نوکر ملا۔

مالک: ”گھر کا کیا حال ہے؟“

نوکر: ”آپ کا کتا مر گیا ہے باقی سب خیریت ہے۔“

مالک: ”کیا وہ کیسے مر گیا؟“

نوکر: ”جنا۔ آپ کے گھوڑے کا گوشت کھا کر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔“

مالک: ”اوہ کیا گھوڑا بھی مر گیا؟“

نوکر: ”جی حضور آپ کی والدہ کے بغیر اس کی حفاظت کون کرتا؟“

مالک: ”کیا والدہ بھی وفات پا گئیں؟“

نوکر: ”پوتے کا غم کیسے برداشت کرتیں۔“

مالک: ”کیا میرا بیٹا بھی چاہ گیا؟“

ماہنامہ حنا (21) اگست 2014

کان لگائے کھڑا کچھ سن رہا تھا۔ پاس سے ایک تیل گزرا اس نے پوچھا۔

”گدھے میاں تم یہاں کان لگائے کیسے رہے ہو؟“

گدھے نے کہا۔

”کچھ نہیں میں تو اپنے بیٹوں کو دیکھنے کے لئے کھڑا ہوں۔“

تیل نے پوچھا۔

”کون سے بیٹے؟“

گدھے نے کہا۔

”پتہ نہیں کون سے ہیں لیکن اندر دو آدمی رہتے ہیں اور ایک دوسرے کو کہہ رہے ہیں کہ تم گدھے کی اولاد ہو۔ اب پتہ نہیں میرا کون سا والا جینا ادھر آیا ہوا ہے۔“

شرین ساجد، سکھر

بچت

”تمہیں پتہ ہے مہنگائی کس قدر بڑھ چکی ہے، ہر چیز میں آگ لگی ہے۔ کچھ کچھ میں نہیں آتا کیا کروں؟“ شوہر نے کہا۔

”ہاں وہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو مگر اس وقت تم مہنگائی کا رونا کیوں رو رہے ہو۔ میں نے تم سے کوئی فرمائش بھی نہیں کی۔“ بیوی بولی۔

”بات دراصل یہ ہے کہ اگلے مہینے تمہاری سالگرہ ہے کیا ہی اچھا ہو کہ اس مرتبہ ہم خریداری کچھ کم کر دیں۔“ شوہر نے درخواست کی۔

”ٹھیک ہے اس مرتبہ ہم سب خریداری کے لئے چلتیں گے تو سالگرہ کی موم بتیاں کچھ کم خرید لیں گے۔“ بیوی نے جواب دیا۔

خلیلہ طارق، لاہور

داد

بشمین ایک باؤلر کی زبردست پٹائی کر رہا تھا، باؤلر کا حوصلہ پست ہو گیا۔ تاہم اس نے کپتان سے کہا۔

ماہنامہ حنا (242) اگست 2014

”بھلا ماں کے بغیر کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔“

مالک:

”کیا بیوی بھی چل بسی؟“

نور:

”مکان کے نیچے آکر کیسے بیچ سکتی تھی۔“

مالک:

”مکان بھی گر گیا۔“

نور:

”جی جناب باقی سب خیرت ہے آؤ گھر چلیں۔“

عامر و قاسم، ملتان

زاویہ انظر

ایک صاحب ایک نو روپے کے نو جوان بیٹے کے ساتھ کار میں سب سے پہلے بیٹھے تھے۔

نو جوان نہایت بے پرواہی اور تیز رفتاری سے کار چلا رہا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ صاحب تھوک نکل کر

بولے۔

”بیچے دو آدمی جو سڑک پار کر رہا تھا تمہاری گاڑی کے نیچے آتے آتے بیٹھے۔“

”بھی بیچ گیا تو بیچ گیا۔“ نو جوان بیزاری اور بے نیازی سے بولا۔

”اب میرے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ واپس جاؤں اور دوبارہ کوشش کروں۔“

نبیلہ نعمان، گلبرگ 1 لاہور

دکھ

جان جو کھوں میں ڈالنے والی

حرکتیں وہ تمام کرتا تھا

جو چاہتا ہے آج کل دکھ

پہلے سرکس میں کام کرتا تھا

سعد یہ عمر، فیصل آباد

پہچان

ایک گدھا کسی گھر کے دروازے کے ساتھ

”میں اب اسے اپنی پتھل گیند کراؤں گا
آپ دیکھیں گا وہ پریشان ہو جائے گا۔“
باؤنڈ نے پتھل گیند کرائی اور بے بسی سے
گیند کو باؤنڈی اننگ کے پار جاتے دیکھتا رہا۔
ٹینشن نے قریب آکر اس کے کندھے پر ہلکی دی
اور کہا۔

”واقعی تم نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ وہ
ڈبل ماسٹڈ ہو گیا تھا کہ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا
تھا کہ اس گیند پر چھکا مارے یا نہ کا۔“
نازیہ عمر اپنا

وضاحت ضروری

گاؤں میں دیو لوہار نے اپنے نئے شاگرد
کو تھوڑے کی فعل پانا سکھانا شروع کیا اور کہا۔
”دیکھو! یہ لوہا بھٹی میں تپ کر ال ہو چکا
ہے اب میں اسے آلی پر رکھوں گا، جب میں سر
بلاؤں تو تم اس پر تھوڑے مارنا۔“
دیو نے سر ہلایا اور شاگرد نے تھوڑا رسید
کر دیا۔

”کو بے پر نہیں دیو کے سر پر ہے۔“
شہزیب احسن اس کو دھا
زندگی

زندگی بھی ایک لائری کی مانند ہے جس
کے ہر لمحے پر دن رات تاریخ، سال و سال چسپاں
ہیں۔
صافی ایک بہت سے کر آخر تک زندگی اس پر
نے شمار تحریریں لکھتی ہے۔ اس تحریر کی نوعیت
زندگی کے مزاج پر منحصر ہے۔ جب یہ خوش ہوتی
ہے تو۔

دھنک کے ساتوں رنگ لائری میں سہا
ہے اور جب ناخوش ہوتی ہے تو سیاہ رنگ سے
سنگوں کو کا اکر ڈالتی ہے۔

ہم اگر شروع سے آخر تک اسے بڑھتے
جاؤں تو پتہ چلے گا کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ تحریر

میں پتھلی سوچ اور تجربہ دکھائی دینے لگتا ہے۔
نیشنل انسوس کہ جو نئی نسل ان تجربوں سے
نیشنل باب ہوئے لگتے ہیں تو نور زندگی کی لائری
کے صفحات ختم ہونے لگتے ہیں۔
انجیل رضوان، فیصل آباد

خیر خواہ

”تمہارے دروازے کے باہر کئی روز سے
ایک آدمی کو بیٹھا دیکھ رہا ہوں، کیا تم نے کوئی
پوگیدار رکھ لیا ہے؟“
”تم چاہو تو پوگیدار کب لو ایسے وہ فریچر والا
ہے اور مجھ سے فریچر کی قیمت وصول کرنے کے
لئے بیٹھا ہوا ہے۔“

”اس کی آواز نیکی کیوں نہیں کر دیتے؟“
”اس نے دھمکی دی کہ جب تک میں
ادائیگی نہیں کروں گا وہ میرے قرض خواہوں کو
دروازے کے قریب نہیں بٹھائے گا۔“

انظم

ہت بھڑکی دلیز پر بکھرے
ہے چم و چوڑی کی صورت
ہم کو لیے پھرتی ہے
تیرے دھیان کی تیز ہوا

صغریٰ غزلی، مظفر ٹرہ

دوبارہ ملاقات

ہر بھاگا تھا آگ ٹرک مجھ کو
ہوش بھر دیر تک نہیں آیا
دل چلانے کو اس پہ کھٹکا تھا
پھر ملیں گے اگر خدا والا
انجیل رضوان، فیصل آباد

☆☆☆

عین غیب

عین غیب

کراچی

پروفیسر ڈاکٹر واجد قلیوٹی

س: خواب میں ناٹ کا ہونے کا کیا مطلب ہے؟

ج: جب خواب پھٹ جائے۔

س: دور کے ذہول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لیے کہ قریب کے ذہول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سرگزشتی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچویں انگلیاں مٹی میں ہوں۔

س: میاں میرزا احمد انجم فیصل آباد

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پانہ سکوں؟

ج: تو جس کو پانہ سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے

ہم نے روز مانگا تھا تجھے اپنے خدا سے

ج: میری تنہا سفری میرا مقدر بھی فراز

وہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

س: شمن حنا

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غیب جی خوشحال سے تم بھی کہتے ہو آخر

کیوں؟

ج: کیا تم کچال کر رہا جانتے ہو؟

س: اس نے کہا یہ دل آپ کا ہوا کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو قسم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم.....؟

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین

غیب جی؟

ج: ارادے.....؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر

س: کیا ہے؟

س: عین غیب جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پر کا سکوں۔

علیہ طاری

س: عین غیب جی تیرا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ تیرا سال ہمارے لیے

خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات

واپس کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ ایسی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی

ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر

اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان ایک سے ہوتے تو.....؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرنا۔

معلکون شاہ

س: وہ کون تھا جو چپے سے آ کر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں کیا کروں؟

ج: ناخیاں اور گولیاں اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بورلوا؟

ج: جب کوئی بے ٹکا سواہل سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو میں کہتی ہوں تو تو

پلنگ ہے؟

ج: کبھی کبھی پانگوں کی بات بھی مان لی

چاہیے۔

س: عین غیب جی نئے سال کے استقبال کے

ماہنامہ حنا (244) اگست 2014

س: کج کی بتائیے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟

ج: محبت بر روپ میں بھائی بنتی ہے۔

س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟

ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بچاری؟

س: آپ نے بھی عشق کیا ہے؟

ج: ایسی باتیں پوچھا نہیں کرتے۔

نمبر رانا

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے

اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟

ج: کیوں میری پھٹی کراٹے کا ارادہ ہے۔

س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے مگر کچھ سوچتا

ہی نہیں؟

ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک سے نا؟

س: اہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ

دیتے ہیں؟

ج: اگر پوچھنا نہ آتا تو کسی سے پوچھ لیا

کریں۔

س: میں کون ہوں ڈراؤ تھو تو؟

ج: تم وہی ہو جو تم ہو

عطیش

س: دنیا میں دو ہی خوبصورت ہیں ایک میں اور

بیس۔

ج: ابھی دنیا میں پاگل باقی ہیں۔

س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے

ہیں؟

ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

پیر: پیر

۱۔ لیے کیا کر رہے ہیں آپ؟

ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لیے کام کر رہے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے۔

س: سوچ کر بتائیے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا

دل؟

ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے کیونکہ شاعری میں

علم طور پر دل کو شیشے سے بن دی جاتی ہے۔

س: ہر شخص چاہتا ہے کہ وہ دوسروں سے منفرد نظر

آئے؟

ج: اس لیے تو لوگ مونچھوں اور بالوں سے کام

لیتے ہیں۔

س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی

مبارکباد دے ہی دوں؟

ج: دو لفظوں کے لیے اتنی کتبیں اچھی نہیں

ہوتی۔

س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟

ج: خود تو دو لفظوں پر رخصت ہو لو مجھ سے کارڈ

چاہتی ہو۔

س: سچی دوستی کی پہچان بتائیے؟

ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ بھولی

دوستی کیا ہوتی ہے۔

لاہور ضواں

س: میں نہیں جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے

دوں؟

ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھ لو تا کہ کہیں اور کام آ

جائے۔

س: آپ بڑے نواہ ہیں؟

ج: نواہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال

رہے۔

س: میرا خیال ہے آپ جو سنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟

ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو جنتی ہیں۔

س: اگر آپ کے دل میں پھول کھلنے لگیں؟

ج: گو بھی کے پھول سے ڈر لگتا ہے۔

شادیہ حسن

ماہنامہ حنا (245) اگست 2014

میری ڈائری سے

صائبہ محمود

فوز یہ غزل کی ڈائری سے ایب غزل

اس طعن میں رفاقت نہ تھی
پھنکر کے جاؤ گے تو پھر محبت نہ ملے گی
پھر کون اسے گا واپس دل نو! ! !
خند سے سانسوں کو گرم لہوں کی تندرست نہ ملے گی
کوچہ شہر آؤں، دل میں! !
جیسے اس طرح کی شہرت نہ ملے گی
بیقرار نگاہوں کا مجسم نہ ملے گا
بے نوٹ جذبوں کی چاہت نہ ملے گی
آسائشوں بھرا ہستہ بہت میرے ہو گا
سلوٹی میں کو نرم حرارت نہ ملے گی
دور و دیوار یہ بنے مکاں تو مل جائیں شہر
تھر تھکی جھیں تم کو دولت نہ ملے گی
اتنے پیار سے رام دیکھے گا کون تمہاری
رون میں اترتی ہوئی شدت نہ ملے گی

سعد یہ اہل کاشف کی ڈائری سے ایک نظم

سنائے اور خاموشی میں روشنی پھوٹی ہے
اور تمہاری آوازوں نے دستک دی ہے
چاروں اور تمہاری کولہ پوئلہ کی جھلک اتری ہے
میری روت کے دیرانے میں یہی یہ خوشبو اترتی
ہے
جانتے یہ احساس ہے جیسا جس نے مجھ کو سکھایا

خوشبو، رنگ، ذوق، بادل اور جھرنے کیسے ہوتے

پتھروں سے بنے وہ پانی بھی ایسے گاتا ہے
کن کن من من پانی بارش کیسے گھل گھل کرتی ہے
تیری ہی آواز نے مجھ کو بتایا کہ جینا کیسا ہوتا ہے

ذاتی انا نہیں توں سے بیت سناٹی سے
اور جیسے پے باسری کی وجہ سے کیسے درد دہکاتی ہے
بارش کی آواز بھی کیسے لاکھوں درد دہکاتی ہے
میری روت کے سنائے میں

میرے پاروں جانب پھیلے اس اندھیرے میں
تیری آوازیوں آتی ہے! !
ہاں تیری آوازیوں آتی ہے! !

تجسین اختر کی ڈائری سے ایک نظم
"چھپتی عید"

میری سوتی کلاہیاں
ست رنگی پوٹو جوں سے
آزاد ہیں کی

جیری ہتھیلیاں حنا کے رنگ سے
بے آباد ہیں کی

میری مانگ میرے پیرے
کی طرح

ویران اور چٹ سے خالی ہوگی
بجی تم نے سوچا اسے جان جاں
تم نہ آؤ گے تو!

پتھر پر قدم کے چراہین میں پڑی ہوگی
تجسین عید میرے آئین سے دور کھڑی ہوگی

مریم ماہ منیر کی ڈائری سے ایک نظم
"پانا"

کتنی خواہش تھی تجھ کو عید پر مہندی لگانے کی
تیرے نازک کون ہاتھوں پہ خوش رنگ پھول
سجائے کی

وہ لے وہ پل میری زندگی کا حاصل تھے
تو میرے سامنے تھی تو یہ دنیا حسن سے بھر پور تھی

ماہنامہ حنا () اگست 2014

اور وہ لمحہ کتنا پر کیف تھا جب کتنے مان سے میں نے

دل میں ابھرتے کوئی جذبوں سے بے اختیار آنکھوں میں محبت کی قدیل روشن کئے تھے اپنا تھوہ تمام کر مہندی لگانے کی اجازت مانگی تھی اور اک دلوں تھا

جب تو نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ پھڑا کر بظاہر ہونٹوں پر مسکراہٹ بچاتے ہوئے کہا تھا نہیں اچھا نہیں لانا بھلا لوگ کیا نہیں کئے اور اس لئے

میرے دل کے کوئی جذبے سر دہکتے تھے میری آنکھوں میں ایک دم بی بی کی اتری تھی کتے میں نے چلیں جسک کر تجھ سے چھپا یا تھا جنکے گاہے نہیں کہ تو نے انکار کیا تھا دیکھ نہیں کہ تو نے میرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ یونہی انکار کی صورت پھڑایا تھا دیکھ تو یہ ہے کہ تو نے میرا مان توڑا تھا

شاز یہ عبدالرحمن کی ڈائری سے ایک غزل اب کے کرنا تو کسی ایسے کی چاہت کرتا جس کو آتا ہی نہ ہو شکوہ شکایت کرتا گھر کو شعلوں کی پتا گھر کے گھس میں بیٹے اپنا بچپن بے اندھیروں سے بغاوت کرنا تیری تم کوئی کے چہرے تھے زمانے بھر میں کس سے سیکھا ہے یوں باتوں کی وضاحت کرنا پہلے دیوانوں کے ہاتھوں سے نکالو ناخن پھر بڑے شوق سے چہروں کی سخاوت کرنا پہلے خوشبو کے مڑا جوں کو پرکھ لو اٹھ پھر گھنٹاں میں کسی گل سے محبت کرنا

صاحبزادہ امین کی ڈائری سے ایک غزل عشق میں ذات ایسے کروں اور دیکھوں میں تجھ کو دل پر تحریر کروں اور دیکھوں میں چاند ہو اور ہم تم دونوں پہیل کنارے پر خوابوں کو تعبیر کروں اور دیکھوں میں

میرے دل پر دھیرے سے رکھ اپنا ہاتھ چاہت کو تعبیر کروں اور دیکھوں میں تو دریا میں لہریں مٹ کر رہا تھ بہوں پر رستہ تسخیر کروں اور دیکھوں میں بادل اور پہاڑ یہ تھکوں دونوں نام جذبوں کی تعبیر کروں اور دیکھوں میں آنکھیں موند لوں نگ کر تیرے شانے سے لکھوں کو زنجیر کروں اور دیکھوں میں میری قسمت من کی میرے ہاتھوں سے آج بھی کو تقدیر کروں اور دیکھوں میں رب تجھ کو خیالات میں دتہ ہے کہ نہیں خود کو آج فقیر کروں اور دیکھوں میں من جاگوں میں تیرے پیار میں اور صبا باب نیا تحریر کروں اور دیکھوں میں

سجدہ یہ عمر کی ڈائری سے ایک نظم "گزر رہے ہیں"

کسے بھواروں وہ ہیں جو گزر رہے تھے اس کے سنگ زندگی پتھر بھی نہیں سوائے پیار کے محبت تو کرتی ہے نفرت کو نبھائے یہاں تو آتا جاتا لگا رہتا ہے اس دنیا میں صدائیں نے رہتا ہے تم بھی گے شکوے چھوڑو میں جو ہمارے ہم خیال کہ زندگی محبت ہے زندگی ہے پیار

اسماء مظفر کی ڈائری سے ایک نظم وہی رنگ وہی روشنی وہی ساعتوں کا جنوں ہو

ماہنامہ حنا (24) اگست 2014

وہی خوشبوؤں کا انجم ہو

وہی ایک پل تیری دید کا

جو ہے تو اشک چمک اٹھے

وہی ایک پل تیری دید کا

جو ہے تو درو کی روٹ میں

ابھی تھکتے سے چمک پڑیں

ہم لوع شام فراق پھر

غم شق لوع خرید ہو

اسے ستارہ شب زندگی

ادھر آ کے جشن ہو معتبر

نظر آ کے دھنگ سے عید ہو

نوزیہ غزل: کی ڈائری سے ایک نظم

"نیلا بت عید"

میں رہیں جی این پہنوں

میں بدن پہ خوشبو اور دھوئیں

مگر کس طرح

کہ تم پاس نہیں ہو میرے

میں چوڑیاں بازوؤں میں ڈالوں

بدھوئے میں چمک کاؤں

مگر کس طرح

کہ تم پاس نہیں ہو میرے

میری خالی جیب

مہندی رچے بھی تو کیا

کہ سوا بننے والی نظر میں مجھوں

کہ تھانے والے ہاتھ دور بہت دور

ہر خوشی کو مقدر کر لوں

میں سب کچھ زیر کر لوں

جو پاؤں تیری آہٹ

جو ملے تیرے پر چھ میں

جو ساتھ تیرا پاؤں

تو خوشیاں لوٹ آئیں

ہم دھڑکتے ہیں کر عید منا میں

نیلہ نعمان: کی ڈائری سے ایک غزل

تیری رمتوں کے دیہ میں تیرے ہاتھوں کو پہنیں

ابھی آگ سرد نہیں ہوئی ابھی اک الم ڈبھکا نہیں

میری بزم دل اجڑ چکی میرا فرش جاں سٹ پکا

ابھی جا چکے ہم نشین مگر اک شخص گیا نہیں

غم زندگی تیری راہ میں شب آرزو تیری پاد میں

جو اجڑ گیا وہ بسا نہیں جو چھنڑ گیا وہ غلا نہیں

جو دل و فکر کا سرور تھا میرے پاس رہ کر وہ رہا تھا

وہی اک گلاب امید کا میری شاخ جان پر کھلا نہیں

پس کارواں میں قحطت پاہوں تو اس لئے

قدم تو سب سے ملائے میرا دل کسی سے ملا نہیں

ہم سفر جو عجیب ہے تو عجیب تر ہوں میں آپ بھی

مجھے منزلوں کی خبر نہیں اسے راستوں کا پتہ نہیں

شاعر احتشام: کی ڈائری سے ایک نظم

"عید مبارک"

عید کے دن نہیں سمجھوں تو دوست کیا سمجھوں؟

تیرے چوڑیوں کی اتھ مہندی کی اتھ شیر خروے کی

نہیں طلب ہے

فقط میری دید کی جاناں!

مگر یہ میرے لئے کار و شوار ہے پیاری

تم ایسا کرنا کہ چاند کو بتا دیتا

کہ تم نے میرے تصور میں اس کو دیکھا ہے

میرے خیال میں اس کو کہا

مبارک ہو

عید کے دن کی ہر ساعت نوید صد مبارک ہو

سمجھیں ہمیشہ کی طرح ہی عید بھی مبارک ہو

راحیلہ رؤف: کی ڈائری سے ایک غزل

اپنے نصیب میں کیا ہے یہ بھی تو سوچا کر

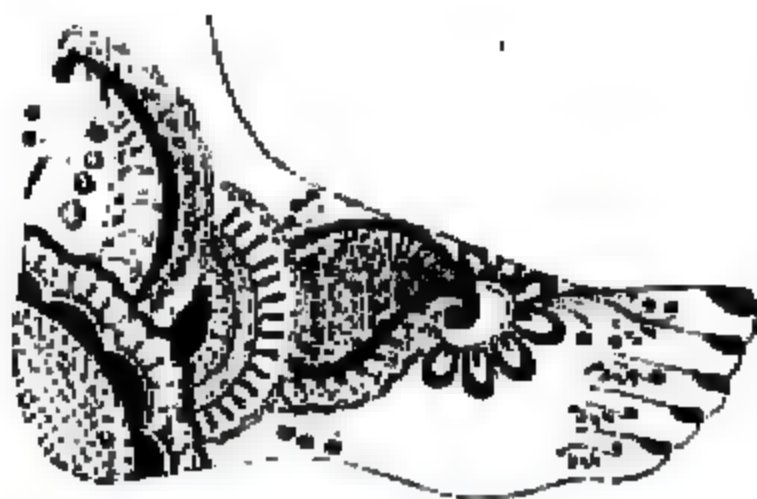
جہرے ہوئے لوگوں سے گرج میں نہ ہوا کر

ہر ایک سے تو یو کی گئے بھی نہ ملا کر

چند ایک سے تو نہ ملے بھی رکھ کر

☆ ☆ ☆

مہندی کے حیران کن اوراق



ماہنامہ حنا (249) اگست 2014



جلد 250 (نمبر 250) اگست 2014



کادوسرخو

اندرج حارو

قیمہ پلاؤ

پانی ڈال کر دھیں آٹھ پر پکھنے دیں۔
پانی خشک ہو جائے تو اتار لیں، چاول بھگو
دیں اور دوسرے برتن میں دو پیاز کو ٹک آٹل
میں فرائی کریں نمک باقی کا بھا ہوا گرم مصالحہ
ڈال کر بھوشیں اور پانی ڈال کر چٹن بنائیں، ایلنے
گئے تو چاول ڈال دیں اور ایک کٹی پکائیں،
آدھے چاول نکال لیں باقی چاولوں پر آدھا قیہ
ڈال کر تہہ بنائیں باقی چاول ڈال کر تہہ بنائیں
اور باقی قیہ ڈال کر بہت دھیں آٹھ پر دم میں رکھ
دیں دس منٹ کے بعد کھانے کے لئے پیش
کر لیں۔

قیہ کے ساتھ ماش کی وال

اشیاء
ماش کی وال
قیمہ
پا ہوا گرم مصالحہ
نمک
ہر ادھیا
پیاز
ہلدی
کوٹنگ آٹل
ہری مرچیں
اورک
لہسن
سرخ مرچ
کالی مرچ
ترکیب
ایک پاؤ
آدھا کلو
ایک چمچ
حسب ذائقہ
چند تے
چاس گرام
ایک چمچ
چاس گرام
چار عدد
ایک ٹکڑا
پانچ گرام
حسب ذائقہ
پانچ عدد

ایک کلو
آدھا کلو
ڈیڑھ پیالی
ڈیڑھ پیالی
چار عدد
ایک پونجی
پنسی ہوئی ایک چمچ
چائے کا ایک چمچ
چار عدد
چار عدد
میں عدد
ایک بڑا ٹکڑا
ڈیڑھ چمچ
ایک چائے کا چمچ
ایک چائے کا چمچ
حسب ذائقہ

اشیاء
چاول
قیمہ
کوٹنگ آٹل
دہی
پیاز
لہسن
اورک
زیرہ
لوتک
الاجٹی
کالی مرچ
دار چینی
تابت و ضیا
سونف
خشخاش
نمک
ترکیب

تابت و ضیا، سونف، خشخاش اور اورک کو
فرائی پان میں ایک چمچ کوٹنگ آٹل ڈال کر فرائی
کر سکے ہیں لیں اور دہی میں ڈال کر پھینٹ
لیں، دہنی میں دو پیاز باریک کاٹ کر آدھے
کوٹنگ آٹل میں بڑاؤن کر لیں، نمک اور گرم
مصالحے کی چیزیں آدھی آدھی ڈالیں دیں۔

ایک منٹ بھون کر قیہ ڈال دیں اور
بھونیں اور دار چینی ڈال کر بھونیں اور آدھی پیالی

ماہنامہ منار (251) اگست 2014

چار عدد
ایک چنگ
حسب ذائقہ

لوگ
ہلدی
نمک
ترکیب

اغذوں کو پانی میں ڈال کر سخت اپال لیں اور
خندے ہونے پر چھلکے اتار دیں، ایک برتن میں
کونگ آئل ڈال کر چولہے پر دھیں اس میں پیاز
ڈال کر بادامی کر کے پھر اس میں کالی مرچیں،
الائیہ زیرہ، لونگ اور قیر ڈال کر کھیر کے ساتھ
ملائیں۔

ایک منٹ کے بعد سرخ مرچ اور نمک ڈال
کر بھونیں، تین منٹ کے بعد اس میں پانی کا
ایک پلکا سا چھینا لگائیں اور دہی ڈال کر ہلکی آگ
پر پکا میں دہی کا پانی خشک ہو جانے پر بھونیں اب
نماز کاٹ کر اور ادھر کاٹ کر ڈالیں تھوڑا سا
بھونیں پھر اس میں ہری مرچیں اور ہرا دھنیا
کاٹ کر ڈالیں، اب ایک لٹن میں قیر لگالیں
اور پھیلائیں، اگلے ہوئے اغذوں کو قلوں کی
طرح کاٹ کر اوپر سہائیں ان پر پسی ہوئی کالی
مرچیں چھڑک کر کھانے کے لئے پیش کریں۔

آدھا کلو
تین، چار عدد
ایک چمچ چائے کا
حسب ذائقہ
چائے کا چمچ
چنگی بھر
آدھی پیالی
چند ٹپے
لا عدد

اشیاء
قیر
نماز
پیاز
چنے کا آٹا
سرخ مرچ
گرم مصالحہ پہا ہوا
زیرہ سیاہ
کونگ آئل
دہی
اغذے

سب سے پہلے ماش کی وال اچھی طرح
صاف کر کے ایک ٹھنڈے کے لئے پانی میں بھگو کر
رکھیں پھر ایک برتن میں کونگ آئل ڈال کر گرم
کریں اس میں پیاز کاٹ کر ڈالیں اور سرخ
کریں پھر اس میں پہا ہوا لہسن، ادھرک، سرخ
مرچ، نمک، ہلدی پہا ہوا ہرا دھنیا، کالی مرچ اور
قیر ڈال کر ایک کپ پانی شامل کر کے ہلکی آگ پر
پکائیں۔

پانی خشک ہونے پر بھونیں اب اس میں
وال ڈال کر ساتھ ہی ایک چھوٹا گلاس پانی بھی
ڈال دیں اور اوپر ڈھکن دے کر ہلکی آگ پر
پکائیں، تین منٹ کے بعد اس میں ہری مرچیں
اور ہرا دھنیا کتر کر اور پہا ہوا گرم مصالحہ چھڑک کر
حرید تین چار منٹ تک چولہے پر ہی رکھیں
چولہے سے اتار لیں اور کھانے کے لئے پیش
کریں۔

قیر اغذے

اشیاء
اغذے
لہسن
ادھرک
کونگ آئل
کالی مرچ
قیر
نماز
پیاز
زیرہ
الائیہ
سرخ مرچ
دہی
ہرا دھنیا
ہری مرچیں

چار عدد
دس گرام
ایک کلو
حسب ضرورت
سات عدد
آدھا کلو
پچاس گرام
پچاس گرام
ایک چھوٹا چمچ
ایک عدد
حسب ذائقہ
ایک کپ
دس گرام
پانچ عدد

ماہنامہ حنا (252) اگست 2014

دس ہری مرچیں، دھنیا
دو تین عدد حسب ضرورت

پیانہ کاٹ کر تیلے میں ڈالیں ایک ٹکڑا دار
پھنی زیرہ، نمک، مرچ، لٹاڑ ڈال کر ہانکل دھیمی
آگ پر پکنے کے لئے رکھ دیں، پانی نہ ڈالیں،
بھاپ میں قیر بخوبی گل جائے اور پانی خشک ہو
جائے تو اتار کر باریک پس لیں، دھنی پیسٹ کر
ڈال دیں۔

چنے کا آٹا اور گرم مصالحہ ہرا دھنیا اور چ
ٹکال کر ہری مرچیں بھی کاٹ کر ڈال دیں، خوب
مکس کر لیں، اٹھ سے پیسٹ لیں اب تیلے کی
بیضی یعنی ذرا لیو تری نکلیاں بنا کر رکھتی جائیں،
فرائی بین میں ذرا ذرا سا کوئنگ آئل ڈال کر
نکلیاں ڈال دیں اور دھیمی آگ پر سرخ ہونے
دیں، (تیلے سے پہلے اٹھ اور پسے ہوئے دس بھی
لگائی جائیں)

ساری نکلیاں نکلنے کے بعد سلاو کے چوں کو
سر کے میں ڈبو کر ڈاش میں جن دیں اور ان کے
اد پر مکس رکھتی جائیں، ارد گرد کا جڑ گول تراشی
ہوئی سرخ سولی کے تھلے جن دیں، اوپر سے سنا
ہوا ہرا دھنیا چھڑک کر سجا لیں اور دسترخوان پر
لے جائیں۔

خوشبودار بنکے

آدھا گھنٹہ تک اسی طرح پڑے رہنے دیں
اس کے بعد سینوں میں پردیں اور کٹکوں کی ہلی
آگ پر نکلے بھونیں سرخ ہونے پر آگ سے الگ
کریں اور پلیٹ میں ٹکال کر گرم گرم نکلے چٹنی
کے ساتھ کھانے کے لئے پیش کریں۔

اشیاء
بکرے کا گوشت 250 گرام
زعفران ایک چمچ
پیاز 75 گرام
ادریک ایک ٹکڑا
سرخ مرچ حسب ذائقہ

کسی کی دنیا

نور بہ نغس

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں اگست کے شمارے کے ساتھ آپ سب کی محبت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

14 اگست کا دن وہ مبارک دن ہے جس نے برصغیر کے مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کیا اور پاکستان ایک آزاد ملک کے طور پر دنیا کے نقشے پر ابھرا "آزادی" ایک خوش کن لفظ، لیکن اس کے پیچھے قربانیوں کی ایک انتہائی طویل اور نہ ختم ہونے والی داستان پوشیدہ ہے، بہو کا ایک دریا پار کر کے ایک آزاد قوم کی حیثیت سے آزاد ملک میں قدم رکھا، جانے کتنے ہی بوڑھے اور جوان اس ملک کے حصول کی راہ میں خاک تن ہوئے، بہر حال ایک سفر تمام ہوا اور ہم نے ایک پیارا ملک حاصل کر لیا۔

حسین قدرتی مناظر، دھڑلے لگازوں، سرسبز مرغزاروں، گنگناٹے چشموں، سر بلند پہلیان سونے لگتی زرخیز زمین اور چپے چپے پر بکھرے حسن سے خدین یہ ہے ہم سب کا پیارا پاکستان، ہماری خوشیوں، آرزوؤں اور امنگوں کا گہوارہ ہے اس کے ذرے ذرے سے ہمیں محبت ہے پاکستان ہماری پہچان ہماری شان ہے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ ہمارے پیارے وطن پاکستان کو اپنی رحمت خاص کے سائے میں رکھے اور اسے ناقیامت پائندہ تابندہ رکھے آمین۔

آئیے درود شریف، استغفر اور کلمہ طیبہ کا ورد کریں اس کو اپنی زندگی کا حصہ بنالیں اور

دنیا و آخرت کی کامیابیاں اپنا مقدر کر لیں۔ اپنا بہت سا خیال رکھیے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں۔

آئیے آپ کے خطوط کی طرف چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں بہنوں نے اپنی محبت اپنی رائے کا اظہار کس طرح کیا ہے۔

یہ سب سے پہلا خط آپ سب کی اور ہماری پسندیدہ معتمدہ عالی ناز کا گوجرانوالہ سے ملا ہے، آئیے دیکھتے ہیں وہ کس انداز میں اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہے۔

جوانی کا شمار سات رمضان المبارک کو ملا، ہائے کیا بتاؤں، حنا ہاتھ میں آتے ہی ہم نے افطاری کی ساری تیاری بھول بھال کر اسے کھول لیا اور ڈائریکٹ "کس قیامت کے یہ نائے" کا صفحہ کھول کر پڑھ گئے کیونکہ فوزیہ آپی نے مجھے کہا تھا کہ اس بار کسی نے آپ سے ٹھوڑا سا شکوہ کیا ہے، حرا نعیم کا شکوہ پڑھ کر بالآخر ہمیں سکون ہوا کہ چلو اس شکوے کی تو خیر ہی ہے جواب میں فوزیہ آپی نے جو کہا کہ گول گپے شاید ابھی اسے خود بھی بنانے نہ آتے ہوں تو انہوں نے ایک دم ٹھک کہا، بھئی میں پچھلے رمضان میں پہلے روزے "گول گپے" بنانے میں تھی مگر آخری یعنی تیسویں روزے تک ایک بھی گول گپا نہ بنا پائی تھی، خیر اس کے بعد ہم نے حنا کو اس کی اصل ترتیب کے ساتھ پڑھنا شروع کیا، حمد و نعت اور پیارے نبی کی پیاری باتیں اس کے علاوہ فوزیہ شفیق جی نے

• نامہ حنا (254) اگست 2014

رمضان المبارک کے لئے جو خصوصی وظائف لکھے وہ بڑھ کر بہت اچھا لگا کہ کئی لوگ جو ایسے وظائف نہیں جانتے وہ بھی اس بار رمضان کے شب و روز سے خوب مستفید ہو سکتے ہیں، ان شاء اللہ کے بعد طرح ظاہر قریشی کا ایک دن پڑھا میری طرح اس بے چاری کے پاس بھی سر سمجھانے تک کا نام نہیں (یہی سوچا تھا بڑھ کے) کاسہ دل میں ڈبکیاں لگاتے اور اسے پسند کرتے ہوتے ہم سیدھا ام مریم کے جزیرے میں پہنچے جہاں نعت اور جہانگیر کو پڑھ کر اچھا لگا بلکہ کافی اچھا لگا لیکن ایک بات میری آج تک سمجھ میں نہیں آئی کہ ام مریم اتنا رو مانس لکھتے تھیں کیوں نہیں؟ خیر کہانی بہت اچھی چل رہی ہے ویل ڈن، سدرۃ النسی سے معذرت چاہتی ہوں کیونکہ وقت کی کمی کے باعث ابھی تک ان کا ناول نہیں پڑھ پایا "تو نماز عشق ہے" قرۃ العین خرم ہاشمی یہ کیا کیا آپ نے؟ آپ نے تو میری پسند کی تحریر لکھ ڈالی تھی، مجھے اس قسم کی کہانیاں بہت اداس کرتی ہیں مگر اتنی ہی اچھی بھی لگتی ہیں، عشق تو جیسے میری روح میں بسا ہے اور ایسا الہامی عشق تو بہت ہی پسند ہے مجھے، کنول ریاض کی چھوٹی سی بات بڑی عقل کی تھی دل کو بھاگنی واقعی کچھ نیلے اگر وقت پر صبح نہ کیے جائیں تو ساری زندگی کا بچھتاوا بن جاتے ہیں۔

حیات بخاری کی تحریر اچھی تھی، مختصر مگر جامع پر اثر تحریر، مکمل ناول میں دوسرا ناول رائفہ اعجاز کا تھا، رائفہ معذرت کے ساتھ مگر اس بار آپ کی کہانی کا کوئی خاص حورہ نہیں آیا، قرۃ العین خرم کی نسبت آپ کی تحریر پر کوئی خاص گرفت نہ تھی، قرۃ العین رائے واہ جی یار رائٹر کی جو درگت تم نے بنائی ہے کیا کہیں لفظ لفظ ہم پر صادق آتی ہے، قرۃ العین جی کے کئی جملوں پر بے ساختہ قہقہے

اے۔
ویسے پہلی کہانی شائع ہونے پر ہم بھی پوسٹ میں کے سامنے پونہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر کینگر کی طرح اچھلنے اور پھدکنے لگے تھے، مگر پھر میں ڈھنڈورا بھی بونے لگا تھا اور گھر والوں کا رپانس امارہ کے گھر والوں سے الگ ہرگز نہ تھا۔

اگلی تحریر خالدہ ثار کی تھی، ان کے لکھنے کا انداز دل کو بھاگیا، کہانی بہت اچھی تھی لیکن اس سے بڑھ کر ان کی رائیٹنگ سٹائل نے اسے خوب خوب چاند لگا دیئے، میری گڈ خالدہ جی حریہ یوں ہی گھسی رہے گا، شازبہ خان کا "لال" افسانہ بھی بہت اچھی کاوش رہی، دو صفحات پر مشتمل مکمل بات اس کے علاوہ ہمشیرہ ناز کی دلوں کے کبے میں ٹھیک تھی، اس بار تو تقریباً سبھی رائٹرز نے ہی، بہر حال قرۃ العین خرم ہاشمی اور خالدہ ثار کے لکھنے کا انداز زیادہ پسند آیا، کتاب مگر تو اس بار تھا ہی نہیں البتہ بیاض، حاصل مطالعہ، رنگ حنا اور ڈائری، سبھی آدھے آدھے اور بے پڑھے ہیں ابھی لیکن گفتہ شاہ کی چکیاں پوری کی پوری رٹ لی ہیں، گفتہ جی یقیناً مبارکہا کی کتنی ہیں کہ اتنی بڑی باتوں کو چھوٹی سی لڑی میں پرونا انہیں کا کمال ہے۔

عالی ناز اس محفل میں خوش آمدید جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان مطوروں کے ذریعے پہنچائی جا رہی ہیں آئندہ بھی تمہاری آمد کے منتظر ہیں گے شکریہ۔

لورین شاہد: رحیم یار خان سے ملتی ہیں۔
احتمالات کے بعد ہم اس محفل میں حاضر ہیں پچھلے سات آٹھ شمارے آپ سب اور رائٹرز کی محنت کا ثبوت تھے ایک دم پرفیکٹ تمام رائٹرز سے مل کر اچھا لگا بظاہر عام نظر آنے والے خاص

ماہنامہ حنا () اگست 2014

جگہ ہو گی؟ ابھی پچھلے ماہ 9th Jan کو اس کا رزلٹ آیا، 550 میں سے 461 نمبر آئے سائنس گروپ میں، جتنی امید تھی اتنے نہیں آئے اس لئے آج کل ہم نصابی کتابوں سے ذرا خفا ہیں اور غیر نصابی کتابوں سے دوستی تو خیر ہماری بچپن ہی سے ہے ماہنامہ حنا ہم نے فرسٹ ٹائم پڑھا بہت اچھا لگا۔

جولائی کا شمار سات تاریخ کو ملا تا نسل اتنا اچھا نہیں تھا احمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول پڑھ کر جیسے دل کو قرآن و مسائل گیا ہو افسانے سب ہی بہت زبردست تھے، کسی ایک کے بارے میں کہنا مشکل ہے انتظام نامہ پڑھ کر لمبی کے مرغولے کو قابو میں نہیں رکھ سکے، ناول دونوں بہت اچھے تھے، ایک دن حنا کے نام فریح طاہر قریشی کا تعارف پسند آیا، چکلیاں، حنا کی محفل، رنگ حنا، حاصل مطالعہ، کتاب نگار سے پڑھ کر بہت اچھا لگا۔

میری ڈائری سے فرس سحر کا انتخاب پسند آیا۔

آمنہ غلام نبی آپ اتنی دور سے اس محفل میں شریف لائیں خوش آمدید تھوڑی کیوں؟ بہت جگہ ہے آپ کے لئے حنا تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ کو ہر امتحان میں اچھے کامیابی عطا کرے آمین، ہم آئندہ بھی تمہاری نیکی رائے کے خطرہ ہیں شکریہ۔

راجہ اسلم و ڈرائیج، رحیم یار خان سے لکھتی ہیں۔
نوزیہ جی یقیناً مجھے پہچان ہی لیا ہوگا بہت عرصے کے بعد غیر حاضری کے بعد دوبارہ حاضر ہوئی ہوں حنا کی پوری ٹیم کو میری طرف سے عید کی مبارکباد ہو، حنا کا جولائی کا شمار اپنے خوبصورت نائل کے ساتھ میرے ہاتھوں میں جگمگا رہا ہے اور یاد آرہا ہے کہ شادی سے پہلے کتنا

لوگوں کا ایک دن ہمارے نام کرنے کا شکریہ، اس دفعہ حنا جلد ملا سردار انگل کی باتوں پر آمین کہتے ہم آئے فریح طاہر سے ملنے فریح جی ہم کیا بتائیں کہ ہمیں آپ کے ساتھ گزارا کون سا لکھا اچھا لگا آپ کے ساتھ جائے نماز پر بیٹھتا پرندوں کو پانی دینا ٹیرس پر کھڑے ہونا، آپ کی امی کا ناشتہ اور بھائیوں سے نوک جھوک، ہر لمحہ اچھا لگا شکریہ پھر آئے معاذ اور پرزیاں کی طرف صد شکر کہ مطلع صاف ہوگی مگر زین کا دماغ خراب ہے خیر ناول پڑھ کر مزہ بہت آتا ہے افسانوں میں ناپ پے قرۃ العین رائے ہیں ہمیں ہنسنا کھٹکنا پوٹ کر دیا وینڈن قرۃ العین، پھر کنول ریاض، میشرہ ناز، حیا بخاری، خالدہ ثار اور شازیہ خان کے افسانوں نے بھی دل موہ لیا بہت خوب آجیو، "کاسہ دل" البھا البھا مگر اچھا جا رہا ہے، ناول "تو نماز عشق ہے" کمال کا ناول پڑھ کر فلسوس اور خوشی دونوں جذبے تھے مشعل اور حنا دل کے ملنے کی دعا ہم نے بھی کی قرۃ العین خرم ہاشمی "نقش محبت" پچھلی قسمت پر آئندہ ماہ نے غصہ دلایا مگر رافعہ جی خوبصورت اینڈ نے خوش کر دیا، ناول "رمضان المبارک کی عبارات" کا شکریہ۔

مستقل سلسلے بھی اچھے ہوتے ہیں اور سب کا انتخاب بھی غزلوں میں حیدر رضا کی غزل بہترین لگی "چکلیاں" بہترین سلسلہ ہے۔

نورین شاہد کیسی ہوا؟ جولائی کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، افسانہ متعلقہ شعبے کو پہنچا دیا ہے قابل اشاعت ہوا تو ضرور شائع ہوگا آپ کے اچھے رزلٹ کے لئے دعا گو ہیں اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہے گا شکریہ۔

آمنہ غلام نبی: ہری پور ہزارہ سے لکھتی ہیں۔
نوزیہ آلی پہلی بار خط لکھ رہی ہوں کیا آپ کی پیار بھری محفل میں ہمارے لئے بھی تھوڑی سی

ماہنامہ حنا (256) اگست 2014

کر پڑ تھار سالوں کا، شادی کے بعد ہماری جنونی محبت میں کمی ضرور آگئی، رائٹسٹ میں سب نئے نام دیکھ کر انتہائی خوش ہوئی، اس معاملے میں حنا کے لئے داد تحسین کہ بہت سی نئی رائٹرز کو جگہ دے کر ہمارا بھی ذائقہ چھیچ کرتے رہتے ہیں، مکمل مائل دونوں کی اچھے لگے، افسانے بھی لا جواب رہے۔

قرۃ العین رائے کی تحریر بہت دلچسپ رہی، شادیہ خان کی "ملائی" بھی پسند آئی، حیات بھاری کی کاوش بھی سہتی آموز تھی، کنول ریاض کی تحریر "اتنی سی بات" میں کافی بڑی بات چھپی ہوئی تھی جو ان کی پانچ منٹ کی تحریر نے سمجھا دی، مستقل سلسلے لا جواب رہے "چنگیاں" ٹاپ آف دی لسٹ رہا، ماں باپ کی طرف سے ایک خط نے اندر تک ہلا دیا بہت بہت بہت زبردست۔

رابعہ اسلم رابی، ہم آپ کو بھولے نہیں ہمیں اپنی نٹ کھٹ رابی بہت اچھی طرح یاد ہے اور یہ بھی جانتے تھے کہ جیسے ہی آپ کو فرصت ملی آپ اس محفل میں لوٹ آئیں گی، اپنی تحریریں بھجواؤں اس میں اجازت والی کون سی بات ہے جس جلدی سے بھجواؤ ہم خطرہ پہنچ گئے شکریہ۔
شمینہ بیٹ: لاہور سے ملتی ہیں۔

اس بار حنا اپنے وقت پر مل گیا، ہمیشہ کی طرح سردار سر کی ہاتھیں دل کو چھو گئیں، حمد و نعت سے بہرہ مند ہونے کے بعد پیارے نبی کی پیادری باتوں تک آئی

ابن انشاء کا "اندیشہ شہر کے بغیر" ہمیشہ کی طرح بے مثال لا جواب واہ بہت خوب مزہ آ گیا، انشاجی کے اتنے عمدہ اور اعلیٰ انتخاب کو حنا کے قارئین کے ساتھ شیئر کرنے کے لئے آپ کا بے حد شکریہ۔

رمضان المبارک کی عبادات اور وظائف

کے لئے نوزیہ جی ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں، اس ماہ مقدس میں یوں تو ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق عبادات، نوافل اور وظائف کرنے کی کوشش کرتا ہی ہے، مگر یہ بھی سچ ہے کہ بعض اوقات ذہن ساتھ ہی نہیں دیتا کہ کیا پڑھیں اور کیسے پڑھیں، آپ نے جس محبت اور خلوص کے ساتھ ساری عبادات اور سارے نوافل ایک جگہ جمع کر کے مضمون کی شکل میں شائع کیے ہم جیسے کئی لوگوں کا بھلا ہوا ہو گا انشاء اللہ۔

ایک دن حنا کے ساتھ میں فرخ طاہر قریشی اس بار مہمان تھے ان کے ساتھ دن گزار کر بہت اچھا لگا۔

"کاسہ دل" میں سندس جہیں تیزی سے

ابھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب ۱۲

خدا کندم ۱۲

دنیا گول ہے ۱۲

آوارہ گرد کی ڈائری ۱۲

ابن بطوطہ کے تعاقب میں ۱۲

چلتے ہو تو چین کو چلے ۱۲

نعمری نگر پھر مسافر ۱۲

خط انشاجی کے ۱۲

لاہور، اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور

فون نمبرز 7321690-7310797

ماہنامہ حنا (257) اگست 2014

کہانی کو سمیٹ رہی ہیں، سارے اسرار آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے ہیں، بس اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔

کھل ناول اس بار دو حصے اور میں سب سے پہلے بات کروں گی "نقشِ محبت" کی رانہہ اعجاز نے محبت کو بہت خوبصورت انداز میں پورٹریٹ کیا، پہلی قسط میں تو محبت خال خال ہی نظر آئی ہر طرف صرف ضد، عناد، نفرت اور دشمنی کے نقش ہی پھیلے ہوئے نظر آئے مگر دوسری قسط میں بالآخر محبت نے میدان مار لیا۔

دوسرا ناول قرۃ العین خرم ہانگی کا تھا "تو نماز عشق ہے" بہت خوبصورت نرم و نازک جذبیوں سے گندمی بہت پر اثر تحریر، عنادل کا کردار بہت مضبوط اور جائیداد رہا، دوسرا خوبصورت ترین کردار مشعل کا رہا، حالات کی ٹھوکروں میں پلنے والی معصوم لڑکی جو کچی محبت اور خالص رفاقت کے لئے ترستی رہی مگر یہ نہ جان سکی کچی محبت اور خالص رفاقت تو خود عنادل کی شکل میں ہمیشہ کی نارسائی اور دکھ کو خوشی خوشی گلے لگالیا، صرف اور صرف عنادل کی بیوقوفی کی خوشی کے لئے، واہ ایسے ہی حساس لوگ امر ہوتے ہیں اور ایسے ہی محبت کرنے والوں کی داستانیں زبان زد عام ہوتی ہیں۔

افسانے اس بار چھ حصے اور سب ہی اچھے رہے "کنول ریاض" کا چھوٹی سی بات اپنے اندر ایک بڑا پیغام لئے ہوئے تھا، ویلڈن کنول آپ کی کاوش بہت اچھی رہی۔

حیا بخاری "احساسِ زیاں" کے ساتھ آئیں، احساس موضوع پر لکھی گئی چھوٹی سی مگر پر اثر تحریر۔

"ہم بنے رائٹر" قرۃ العین رائے واہ کیا

جگل بندی کی ہے حرہ آگیا کئی جگہ بے ساختہ اسی قہقہوں کی صورت لگتی چلی آئی اور کئی جگہ مسکراہٹوں کی کرنوں نے اپنا جلوہ خوب دکھایا بہت حرہ آگیا نئی نویلی رائٹر کے دکھڑے پڑھ کر، قرۃ العین رائے۔

"ادھوری رات کا چاند" خالدہ ثانی کی اچھی اور خوبصورت تحریر، ہر دو کون ٹیمپلز کے بچے عموماً اسی طرح نظر انداز ہوتے ہیں جس طرح خوشی ہوئی رہی۔

شاز یہ خان کا "طال" بھی رشتوں اور رویوں کی تاہم واری پر لکھی گئی ایک اثر انگیز تحریر، شاز یہ اچھی کوشش کرنے پر آپ کو مبارک۔ "ہبشرہ ہز" کی "دلوں کے کعبے" میں وطن اور زمین سے محبت کا رنگ نمایاں رہا۔

اور اب رہ گئے سلسلے وار ناول، ام مریم "تم آخری جزیرہ ہو" کو بہت تیزی سے سمیٹ رہی ہیں، اگلی قسط کا ابھی سے انتظار شروع ہو گیا۔

سدرۃ الحسنی کی "اک جہاں اور سے" ابھی اپنے شروعاتی دور سے گزر رہی ہے اس لئے ابھی کچھ راز باقی ہیں، آہستہ آہستہ وقت کے ساتھ ساتھ سب گتیاں سمجھتی جائیں گی۔

گفتہ شاہ کی چٹکیاں حسب معمول دل پر چٹکیاں لیتی بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر گئیں بہت اچھے گفتہ وبری ویلڈن۔

کتاب مگر لور سیمیں کرن اس بار غائب تھیں، ہانی کے تمام سلسلے حسب معمول بے حد شاندار رہے۔

ثمینہ بٹ حنا کو پسند کرنے کا شکر، ہمیشہ کی طرح آپ کا تبصرہ بہترین رہا آپ کی تحریریں ہمارے پاس محفوظ ہیں انشاء اللہ جلد شائع ہوگی، حنا کو پسند کرنے کا ایک بار پھر شکر۔

☆☆☆

ماہنامہ حنا (258) اگست 2014

پاکستان میں سب سے بہتر داغ نکالے 1 دھلائی میں



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ فائدہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور رٹریوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل رینج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سپریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل رینج
- ✧ ایڈفری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شریک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library For Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1